محمود المواعظ

(جلد پنجم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی

مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:........................ محمود المواعظ (جلد پنجم)

افادات:...................... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:...................... مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:..۴۱۶

ناشر:......................... مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo:99133,19190
- ادارۃ الصدیق دیوبند، دیوبند Mo:9997953255
- شعبۂ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838
- مکتبۂ انور (مفتی عبد القیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo:99246,93470
- ادارۂ علم وادب، جمبوسر (مفتی فرید صاحب کاوی) Mo:9898755200
- مکتبہ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo:88666,21229
- مکتبۂ ابو ہریرہ، کھروڈ Mo: 9925652499

اجمالی فہرست مضامین...... جلد پنجم

تفصیلی فہرست مضامین...... جلد پنجم

مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۱)

مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۳)

مفتیانِ کرام سے رہنما خطاب

اسلام میں عورتوں کا مقام ومرتبہ

فضلاء سے اہم خطاب

قرآن کریم کے حفظ کی فضیلت اور اس کو بھولنے پر وعیدیں

بمقام: سورت

بوقت: ۲۵/ ۳/ ۲۰۱۳

اقتباس

ایک آدمی قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد بھول جائے، اس کے لیے بڑی سخت وعیدیں ہیں؛ اس لیے قرآنِ پاک کے اس حفظ کو باقی رکھنا ہے اور باقی کیسے رہے گا؟ جب کہ آپ روزانہ اس کی منزل پڑھتے رہیں گے، تین پارے، پانچ پارے روزانہ پڑھنے کا معمول بنائیں گے۔ ایک مرتبہ زامبیا کا سفر ہوا تھا تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ -اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے- سے میں نے پوچھا کہ: حضرت شیخؒ کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ: روزانہ آٹھ، نو پارے پڑھتے تھے، حالاں کہ اہلِ علم آپ کے علمی کارناموں سے واقف ہیں، آپ کا سارا وقت تو اس میں گذرتا تھا۔ آج اہلِ علم کے پاس فرصت نہیں ہے، مدرسوں میں کتابیں پڑھاتے ہیں، کہتے ہیں کہ: ہمیں وقت نہیں ملتا، ان سے پوچھو کہ: کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو آدھا پارہ بھی نہیں، اکثر حضرات کا یہی حال ہے۔ دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں سے پوچھو کہ: آپ لوگ مسجد وار جماعت میں دو گھنٹے بیٹھتے ہیں، اس میں فضائلِ قرآن بھی روزانہ پڑھتے ہیں تو قرآن کتنا پڑھتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتو كل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (الحجر: ۹)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

[صحیح البخاری، عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه]

ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

حضراتِ علماءِ کرام، میرے قابلِ احترام برادرانِ اسلام اور عزیز بچو!

آج ہمارے لیے بڑی مسرت اور سعادت کا موقع ہے کہ یہاں ان بچوں نے اپنے حفظِ قرآنِ پاک کی تکمیل کی، یہ بہت بڑی سعادت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ.

ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں!		یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ورنہ

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔

کتبِ سماویہ کا مختصر تعارف

قرآنِ پاک اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ عظیم انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمایا، حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک سلسلہ جاری فرمایا، اور ان ہی انبیاء کرام علیہم السلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ چار کتابیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف انبیاء ورسل پر نازل فرمائیں: پہلی توریت ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمائی۔ یہ پہلی کتاب تھی جو احکام کے بارے میں نازل ہوئی، اس کے بعد زبور ہے جو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمائی۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ زبور میں احکام سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز نہیں تھی؛ بلکہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی گئی تھی، جس کو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی عمدہ آواز میں - جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بطورِ معجزہ عطا فرمائی تھی - تلاوت فرماتے تھے۔

زبور کی تلاوت اور حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ

اور جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبور کی تلاوت کے دوران زمانے کو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے لیے سمیٹ دیا

تھا، چناں چہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب آپ سواری پر سوار ہوتے تھے اور گھوڑے کی رکاب میں پہلا پاؤں رکھا ،گھوڑے کی جو زین ہوتی ہے،اس کے نیچے لوہے کے دو حلقے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں،جن پر گھوڑے پر سوار ہونے والا اپنے دونوں پاؤں رکھتا ہے،ان کو رِکاب کہتے ہیں-تو پہلی رکاب میں جب پاؤں ڈالتے تھے تو اس وقت زبور کی تلاوت شروع کرتے تھے،اور پھر جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوسری رکاب میں دوسرا پاؤں ڈالتے تھے تو اس وقت زبور کی تلاوت مکمل ہو جاتی تھی (۱)،اتنے مختصر وقفے میں اس کی تلاوت مکمل فرما لیتے تھے۔

طیِّ زمان: ایک معجزہ، ایک کرامت

یہ ایک معجزہ ہے جس کو طیِّ زمان سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ،اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بعض بندوں کے لیے زمانے کو ایسا سمیٹ دیتے ہیں کہ ایک مختصر سے وقت میں ایک لمبا اور طویل کام جس کے لیے طویل زمانہ درکار ہو،اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے سے انجام دِلوا دیتے ہیں۔حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اگر یہ چیز دی جائے تو وہ ''معجزہ'' کہلاتی ہے،اور اگر کسی امتی کو دی جائے تو اسی کو ''کرامت'' سے تعبیر کرتے ہیں،اور امتی کی یہ کرامت اس نبی کے حق میں جس پر وہ ایمان لایا ہے، معجزہ ہوتی ہے، کہ اس پر ایمان لانے کے صدقے میں اور اسی کی صداقت کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امتی کو یہ چیز عطا فرمائی،تو امتی کے حق میں کرامت

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا.

ہے اور وہی چیز نبی کے حق میں معجزہ شمار ہوتی ہے۔

زبور میں احکام سے متعلق کوئی چیز نہیں تھی

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ: حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبور عطا فرمائی تھی جو صرف ایسی آیتوں پر مشتمل تھی جس میں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی گئی تھی، اس میں احکام سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز نہیں تھی، جس کو حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی اس عمدہ اور شان دار آواز میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، پڑھتے تھے، اور جس وقت وہ اس کی تلاوت کرتے تھے پوری کائنات ان کا ساتھ دیتی تھی۔

اے ابوموسیٰ! تم کو داود کی عمدہ آواز کا کچھ حصہ دیا گیا ہے

بخاری شریف میں ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے گھر پر تہجد میں قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے، رات کے سناٹے میں ان کی تلاوت کی آواز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے میں پہنچی، ان کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا پڑھنا پسند آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سننے کے لیے اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لے گئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر آیا ہوا دیکھ کر حضراتِ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہر آ گئیں، اور دیر تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قرآن کی تلاوت سنتے رہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں کہ رات میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، صبح کو جب وہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شاباشی دیتے ہوئے فرمایا: يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ۔ ''مزمار'' عربی زبان میں بانسری کو کہتے ہیں، اسی کی جمع مزامیر آتی ہے، یہاں پر بانسری بول کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عمدہ آواز مراد لی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ تمھیں بھی عطا فرمایا ہے(۱)۔

حضرت داودؑ کے لیے صیغۂ جمع
اور حضرت ابوموسیٰؓ کے لیے صیغۂ واحد استعمال کرنے کا راز

چوں کہ حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے لیے مزامیر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ آپ کو بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے۔

اللہ والوں کو خوش کرنے کے لیے نیک عمل کرنا اخلاص کے منافی نہیں ہے

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے میری تلاوت سنی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں سنی اور مجھے بہت پسند آئی تو حضرت ابو

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب حسن الصوت بالقراءۃ للقرآن.

موسیٰ رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو مَیں اَور اچھا کر کے پڑھتا۔ اسی حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: کوئی عمل اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو خوش کرنے کے لیے کیا جاوے، وہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ چوں کہ آدمی اللہ کے نیک بندوں کو خوش کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ راضی ہو جائے، اس لیے وہ عمل مردود نہیں ہوتا۔

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبور عطا فرمائی تھی اور وہ اس کو اس شان سے پڑھتے تھے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت

''ارواحِ ثلاثہ'' ایک کتاب ہے، جس میں ہمارے اسلاف: اکابرِ دیوبند کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، اس میں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ انھوں نے حاضرین سے فرمایا کہ: اللہ کے بعض بندے وہ ہیں جو عصر اور مغرب کے درمیانی وقفے میں قرآنِ پاک پورا پڑھ لیتے ہیں، آپ نے یہ بات کچھ اس انداز سے فرمائی کہ سننے والے یہ سمجھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں یہ چیز عطا فرمائی ہے۔ چناں چہ لوگوں نے پڑھنے پر اصرار کیا تو انھوں نے جمنا کے پل پر کھڑے ہو کر عصر کے بعد قرآن شروع کیا، سامنے میدان میں بڑا مجمع تھا اور غروب آفتاب سے پہلے ختم کر لیا۔ تو یہ دوسری کتاب ہوئی۔

تیسری کتاب: انجیل

تیسری کتاب انجیل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرمائی، اس میں بھی زیادہ احکام نہیں تھے، توریت کے بعض احکام میں تبدیلی کی گئی تھی۔

قرآنِ پاک اور اس کے دو نزول

چوتھی آسمانی کتاب قرآنِ پاک ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی۔ قرآن کے نزول دو ہیں: ایک تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتارا گیا، یعنی قرآن پہلے پورا لوحِ محفوظ میں محفوظ تھا اور اس کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا جانا تھا تو پہلے ہی سے لوحِ محفوظ سے لاکر آسمانِ دنیا پر رکھا گیا۔ یہ قرآنِ پاک کا پہلا نزول ہے جو رمضان المبارک کے مہینے میں اور لیلۃ القدر میں پیش آیا۔ قرآن میں ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو لوگوں کی ہدایت کے واسطے نازل کیا گیا۔ یہ جو رمضان کے مہینے میں نزول ہوا ہے، وہ پورے قرآن کا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ: ہم نے اس قرآنِ پاک کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، ان دونوں آیتوں میں قرآنِ پاک کو اتارنے کا جو تذکرہ کیا گیا ہے، وہ وہ ہے جو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے اوپر اتارا گیا تھا۔

نزولِ وحی کی ابتدا

اس کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ۲۳ر سالہ دورِ نبوت میں حسبِ موقع تھوڑا تھوڑا

اتارا گیا۔سب سے پہلی وحی اس وقت نازل ہوئی، جب نبیٔ کریم ﷺ غارِ حرا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے، اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیِ کریم ﷺ سے کہا: اِقْرَأْ: پڑھیے، حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ: مَیں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے اس جواب پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر کے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور وہی فرمایا: اِقْرَأْ: پڑھیے، پھر نبیٔ کریم ﷺ نے وہی جواب دیا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر کے بھینچا، پھر تیسری مرتبہ بھی وہی فرمایا: اِقْرَأْ: پڑھیے، پھر نبیٔ کریم ﷺ نے یہی جواب دیا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو تیسری مرتبہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیٔ کریم ﷺ کو تیسری مرتبہ بھینچ کر فرمایا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، سورۂ اقرأ کی پانچ آیتیں تلاوت کیں۔ یہ پہلی وحی ہے جو نازل ہوئی(۱)۔

اولِ وحی کے نزول کی تاریخ میں اختلاف

یہ کب نازل ہوئی؟ تو اس سلسلے میں حضراتِ محدثین کے دو قول ہیں: علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ پہلی وحی ربیع الاول میں نازل ہوئی، جب کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رمضان کی ۱۷/تاریخ کو یہ پہلی وحی نازل ہوئی اور اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ تعالیٰ عنها، كِتَاب بَدْءِ الْوَحِي.

ہے کہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، چھ مہینے تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے خواب دیکھے، ایسے خواب کہ رات کو جو دیکھتے صبح کو وہ بالکل کھل کر سامنے آجاتا تھا۔ اس کی ابتدا ربیع الاول سے ہوئی، یہ سلسلہ رمضان المبارک تک چلا، یہ چھ مہینے کا عرصہ ہوتا ہے، اس کے بعد قرآنِ پاک کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ پہلی وحی تھی اور پہلا موقع تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ پڑا(۱)۔

اولِ وحی کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ اور حضرت خدیجہؓ کا تسلی دینا

اس اولین واقعے کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر ایک خوف اور ایک فکر سا طاری ہو گیا، اسی وقت اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي: مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو۔ چناں چہ جب کچھ سکون ہوا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیفیت بیان کی اور فرمایا: لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي: مجھے اپنی جان کے بارے میں خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بڑی دانش مندی کی بات کہی، عرض کیا: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا: ہرگز نہیں! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ذلیل اور رسوا نہیں کریں گے، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ: آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، غریبوں کی مدد

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ المُؤْمِنِينَ رضی اللہ تعالیٰ عنها، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کرتے ہیں، اور جن کے پاس مال نہیں ہے ان کو کما کر دیتے ہیں مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں۔ الغرض! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ کام شمار کروائے جن کو آپ انجام دیتے تھے، اور ان کا حوالہ دے کر آپ کو تسلی دی، کہ جو آدمی اس طرح اللہ کی مخلوق کا بھلا چاہتا ہو، ایسے آدمی کبھی ضائع اور برباد نہیں ہوتے۔

آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے پر ورقہ بن نوفل کا ردِّ عمل

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو توریت، انجیل وغیرہ کو عربی زبان میں منتقل کرتے تھے، کئی آسمانی کتابوں کے عالم تھے، معمّر آدمی تھے، ان سے کہا کہ: اپنے بھتیجے کی بات سنو! جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا تو ورقہ نے کہا کہ: یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آتا تھا، اس کے بعد فرمایا کہ: کاش! میں اس وقت نوجوان ہوتا اور طاقت ور ہوتا، جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی تو میں آپ کی مدد کرتا۔ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ: کیا میری قوم مجھے میرے وطن سے نکالے گی؟ تو جواب دیا کہ: ہاں! جو آدمی بھی ایسا کام لے کر آگے بڑھتا ہے، اس کے ساتھ اس کی قوم ایسا ہی معاملہ کرتی ہے (۱)۔

زمانۂ فترت اور اس کی تعیین میں اختلاف

بہر حال! یہ پہلی وحی تھی۔ اس کے بعد کچھ مدت کے لیے وحی کا سلسلہ بند رہا،

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها، كِتَاب بَدْءِ الْوَحِي.

اس کو ''زمانۂ فترت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کتنی مدت تھی؟ اس میں کئی اقوال ہیں: دو مہینے سے لے کر تین سال تک کی بات ہے، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ جو سِیر و مَغازی کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ کا قول تین سال کا ہے، کتابوں میں عام طور پر اسی قول کو ذکر کیا جاتا ہے؛ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس سے اتفاق نہیں کرتے، اس کے بعد بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غارِ حرا میں آنا جانا جاری رہا۔

زمانۂ فترت کے بعد دوسری وحی

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے نکل کر گھر جانے کے لیے وادی میں اترے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افق کے اوپر ان کی اصلی شکل میں زیارت ہوئی، کہ آسمان کے کنارے کے اوپر کرسی پر بیٹھے ہیں اور آسمان کا پورا کنارہ گھیر رکھا ہے، یہ پہلا موقع تھا جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا، اس کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہوئی، اور اس وقت دوسری وحی نازل ہوئی؛ پھر یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

قرآنِ پاک کی درس وتدریس میں مشغول حضرات خیرالامہ ہیں

یہ قرآنِ پاک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا، یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے۔ اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ: حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: خَيْرُكُمْ کا خطاب صحابۂ کرام سے ہے جو تمام امت میں سب سے بہتر ہے، ان سے بھی

کہا جارہا ہے کہ تم میں بھی بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔

حضرت عبداللہ بن حبیب سلمیؒ اور ان کی خدماتِ قرآن

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضرت عبداللہ بن حبیب سلمی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے تابعی ہیں اور اکثر قُرّاء کی سند میں یہ آتے ہیں، وہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: یہی وہ ارشاد ہے جس نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ یعنی ان کا مشغلہ ہی یہ تھا کہ وہ لوگوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دیتے تھے، کتنی مدت تک ان کا یہ مشغلہ رہا؟ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس کی سالوں کے اعتبار سے تعیین تو نہیں آئی ہے؛ لیکن اتنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر حَجاج کے دورِ امارت تک خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سال سے لے کر حجاج کی امارت کے آخری سال تک ۷۲/سال ہوتے ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال سے لے کر حَجاج کی امارت کے پہلے سال تک ۳۸/سال ہوتے ہیں، تو گویا ان کی خدمتِ قرآن کا زمانہ ۳۸/سے اوپر اور ۷۲/کے اندر ہے۔

حفاظتِ قرآن کا قدرتی نظام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت میں ایسے افراد پیدا فرمائے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کو قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے، اگر امت مل کر اس کے لیے کوئی اقدام کرتی، امت اس کے لیے کوئی تجویز

پاس کرتی تو وہ اتنا مؤثر نہ ہوتا جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سلسلے کو مؤثر بنایا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر زمانے میں ہر جگہ ایسے لوگ رہے ہیں اور آج بھی ایسے حضرات پائے جاتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی قرآنِ کریم کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ آپ کے اس مدرسے میں حضراتِ مدرسین کا ایک سلسلہ ہے، اور اولیاء اور ماں باپ اپنی اولاد کو فارغ کر کے اس کے لیے لگاتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک اور آئندہ بھی جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو قرآنِ پاک کی حفاظت منظور ہے، اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حافظ کے والدین کا اعزاز واکرام

ہم لوگوں کے لیے بڑی مسرت اور سعادت کا موقع ہے کہ، ان بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل کر لی، بڑے سعادت مند ہیں وہ والدین جنھوں نے اپنے بچوں کو اس عملِ خیر میں لگایا، ان کا یہ عمل ان کے لیے قیامت کے روز بڑی عزت افزائی کا سبب ہوگا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ: جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا، أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا، ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِ(۱): کہ اس کی روشنی سورج

(۱) شعب الإيمان، عَنِ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ، فصل فی تعلم القرآن، ر:۱۷۹۷.

کی روشنی سے بھی بڑھ کر کے ہوگی جب کہ وہ سورج تمھارے گھروں ہو۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ: یہ سورج زمین سے ۹/کروڑ ۳۳/لاکھ میل کی دوری پر ہے، اور یہ میل بھی روشنی والا میل ہے جو سائنس دانوں کی ایک خاص اصطلاح ہے، تو اتنا دور ہونے کے باوجود اس کی چمک دمک کا یہ عالم ہے کہ اس کو آنکھ جما کر دیکھ نہیں سکتے، اگر یہی سورج گھر میں آ جائے تو اس کی چمک دمک کیسی ہوگی!

طاقوں میں سجانے کو یہ قرآن نہیں ہے

لیکن عمل کرنا شرط ہے، خالی یاد کر لینا کافی نہیں ہے، حافظ کو چاہیے کہ پڑھنے کے ساتھ عمل کا بھی اہتمام کرے، تب یہ فضیلت اس کے ماں باپ کو حاصل ہوگی؛ اس لیے ماں باپ کو بھی چاہیے کہ وہ اولاد کو اس پر عمل کرنے پر لگائے۔ ''فضائلِ قرآن'' اٹھا کر دیکھ لو، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا

آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا: جس نے اس پر عمل کیا اس کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟ یعنی اس کے ماں باپ کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جنھوں نے نہ پڑھا نہ کچھ حفظ کیا، تو پڑھنے والے اور عمل کرنے والے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعزاز واکرام کا کیسا معاملہ کیا جائے گا! تو حفظِ قرآن کی دولت بہت بڑی سعادت ہے، اس سعادت کی قدر شناسی بہت ضروری ہے۔

حفظ کے بعد قرآن پاک کو یاد رکھنا فرضِ عین ہے

پورے قرآن کو حفظ کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے، البتہ اتنی مقدار جس سے نماز درست ہو جائے، اس کو یاد کرنا واجب ہے، اگرچہ پورا قرآن حفظ کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے؛ لیکن جو لوگ حفظ کر چکے ہیں، ان کے لیے اس کے حفظ کو باقی رکھنا فرضِ عین ہے اور اس کو بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان'' میں اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الروضہ'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ: قرآنِ پاک کو حفظ کرنے کے بعد اس کو باقی رکھنے کے لیے توجہ دینی چاہیے اور اس کو پڑھتے رہنا چاہیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

قرآنِ پاک یاد کرنا آسان ہے؛ لیکن یاد رکھنا مشکل ہے

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے؛ اس لیے جو بھی قرآنِ کریم کو حفظ کرنا چاہے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے حفظ کو آسان کر دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر] اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ: ہم قرآن حفظ کرنے والوں کے لیے اس کے حفظ کو آسان کر دیتے ہیں۔ تو حفظ تو آسان کر دیا ہے؛ لیکن حفظ کر لینے کے بعد اس کو یاد رکھنے کے لیے آدمی کو مسلسل اس کے پیچھے لگا رہنا پڑتا ہے، روزانہ اس کی منزل اور مقررہ مقدار پڑھتا رہے۔

فمی بشوق کا مطلب

صحابۂ کرام میں سے جو حُفّاظ اور قُرّاء تھے، عام طور پر ان کا معمول یہ تھا کہ وہ روزانہ ایک منزل پڑھتے تھے، ''فمی بشوق'' حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ قرآن'' میں یہ ''فمی بشوق'' لکھا ہے کہ: منزل جن جن سورتوں سے شروع ہوتی ہے، ان کا پہلا حرف لیا ہے، پہلی منزل سورۂ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''فا'' لیا، دوسری منزل شروع ہوتی ہے سورۂ مائدہ سے، اس کا ''میم'' لیا، تیسری منزل سورۂ یونس سے شروع ہوتی ہے، اس کی ''یا'' لی، چوتھی منزل سورۂ بنی اسرائیل سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''با'' لیا، پانچویں منزل سورۂ شعراء سے شروع ہوتی ہے، اس کی ''شین'' لی، چھٹی منزل سورۂ ''وَالصّٰفّٰتِ'' سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''واؤ'' لیا، ساتویں منزل سورۂ قٓ سے شروع ہوتی ہے، اس کا ''قاف'' لیا، اس طرح یہ جملہ ''فمی بشوق'' بنایا ہے۔

تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو لوگ قُراء تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ عموماً وہ لوگ روزانہ ایک منزل کی تلاوت کرتے تھے، یہ کم سے کم تھا، زیادہ والے بھی تھے۔ تو حافظ کو چاہیے کہ وہ اپنے حفظِ قرآن کو باقی رکھنے کے لیے روزانہ قرآنِ پاک کی تلاوت کا ایک معمول بنالے اور اس کا اہتمام بھی کرے۔ خالی رمضان کے مہینے میں قرآن کھول کے یاد کرنے کے لیے بیٹھے تو ایسے رمضانی حافظ نہیں بننا ہے؛ بلکہ سال بھر پڑھتے رہنا ہے۔

دو قابلِ رشک آدمی

حدیث میں آتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: دو آدمی

ایسے ہیں کہ ان کے اوپر رشک کیا جاسکتا ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جونعمت دی ہے، اس نعمت کے متعلق یہ تمنا کی جاسکتی ہے، کہ کاش! اللہ تبارک وتعالیٰ وہ نعمت ہم کوبھی عطافرمائے: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ: **ایک وہ جس** کواللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کے حفظ کی دولت عطافرمائی اوراس کولے کروہ دن اوررات کی مختلف گھڑیوں میں نماز میں کھڑا رہتا ہے اوراس کی تلاوت کرتا ہے(۱)۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب بیداری کا بیان

یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورصحابۂ کرام کا معمول تھا، بخاری شریف میں ہے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں:

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ		إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں جواللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے، اس وقت تک (تلاوت کرتے ہیں)۔

أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا		بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

اس رسول نے ہم کوگمراہی کے بعد ہدایت کا راستہ بتلایا، ہمارے دلوں کواس بات کا یقین ہے کہ وہ جوبات کہتے ہیں وہ ہوکر کے رہے گی۔

آگے فرماتے ہیں:

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ		إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

(۱)صحیح مسلم، عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ الخ۔

وہ رسول رات اس حالت میں گذارتے ہیں کہ ان کا پہلو بستر سے الگ ہوتا ہے، ایسے وقت کہ جس میں ان مشرکین کی وجہ سے بستر بھاری ہوجاتے ہیں (۱)۔ یہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تھی۔

کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

بخاری میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو نماز کے اندر طویل قیام کرتے تھے، جس کی وجہ سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک کے اوپر ورم آجاتا تھا۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی تو اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف کردیں پھر بھی آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں! تو جواب میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ (۲)۔

حفظِ قرآن انمول نعمت ہے

آپ لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حفظ کی دولت عطا فرمائی، یہ ایسی نعمت ہے کہ دنیا کی کوئی بھی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ آدمی راتوں کو اس کو لے کر کھڑا ہو۔ بہرحال! جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ قرآنِ

---

(۱) صحيح البخاری، أَبِی هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب فضل من تعار من الليل فصلى.

(۲) صحيح البخاری، باب {لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا}

پاک کو حفظ کر لینے کے بعد اس کو باقی رکھنا فرضِ عین ہے اور بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''الزواجر'' میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، چوں کہ حدیث میں جو بھول جاتا ہے، اس کے لیے وعید آئی ہے، اور جن گناہوں کے متعلق وعید آتی ہے ان گناہوں کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔

قرآنِ پاک کا حفظ کیسے باقی رہے گا؟

ایک آدمی قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد بھول جائے، اس کے لیے بڑی سخت وعیدیں ہیں؛ اس لیے قرآنِ پاک کے اس حفظ کو باقی رکھنا ہے اور باقی کیسے رہے گا؟ جب کہ آپ روزانہ اس کی منزل پڑھتے رہیں گے، تین پارے، پانچ پارے روزانہ پڑھنے کا معمول بنائیں گے۔

حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا تلاوت کا معمول

ایک مرتبہ زامبیا کا سفر ہوا تھا تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ – اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے – سے میں نے پوچھا کہ: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ: روزانہ آٹھ، نو پارے پڑھتے تھے۔ حالاں کہ اہلِ علم آپ کے علمی کارناموں سے واقف ہیں، آپ کا سارا وقت تو اس میں گذرتا تھا۔

مولانا ہاشم جوگواڑی دامت برکاتہم کے نام حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جو خطوط ہیں، ابھی گذشتہ مہینے میرے ہاتھ آئے تھے، اس کے شروع میں حضرت مولانا یوسف صاحب

متالا دامت برکاتہم کا ایک مضمون ہے، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول نقل کیا ہے کہ: روزانہ ۱۳، ۱۴/ پارے تو پڑھتے ہی تھے، اور تیسرے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے تو قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ یہ تو عام دنوں کی بات ہے، ورنہ رمضان میں تو روزانہ ایک قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا تلاوت کا معمول

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھا کہ رمضان کے اندر ہمیشہ غروب سے پہلے "وَالنَّاس" آپ کی زبان پر ہوتا تھا، ایک قرآن روزانہ حضرت ختم کرتے تھے۔ اَور دنوں میں بھی، سفر میں آپ کی زبان پر قرآن کثرت سے ہوتا تھا۔

جس زمانے میں حضرت، مظاہر علوم سہارنپور میں تھے اور وہاں سے گنگوہ جاتے تھے، تو اس زمانے میں بسیں نہیں تھیں، پیدل جاتے تھے تو پیدل چلتے ہوئے ۲۰، ۲۵/ پارے آرام سے پڑھ لیتے تھے۔

زمین کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے

آج اہلِ علم کے پاس فرصت نہیں ہے، مدرسوں میں کتابیں پڑھاتے ہیں، کہتے ہیں کہ: ہمیں وقت نہیں ملتا، ان سے پوچھو کہ کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو ایک، آدھا پارہ بھی نہیں پڑھتے، اکثر حضرات کا یہی حال ہے۔ دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں سے پوچھو کہ: آپ لوگ مسجد وار جماعت میں دو گھنٹے بیٹھتے ہیں، اس میں فضائلِ قرآن بھی روزانہ پڑھتے ہیں تو قرآن کتنا پڑھتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ "فضائلِ قرآن"

اس لیے لکھی گئی ہے کہ آپ قرآن پڑھیں، آپ فضائلِ قرآن تو روز پڑھتے ہیں، اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، تکرار کرتے ہیں؛ لیکن قرآن نہیں پڑھتے تو اس کا کیا فائدہ ہے؟ جتنے بھی دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں- چاہے وہ حافظ ہوں یا عالم ہوں- قرآنِ پاک کی تلاوت کا ضرور اہتمام کریں۔

ہم گجراتی ''رمضانی'' حافظ ہوتے ہیں

پھر ہمارا یہ قرآن رمضان تک محدود نہ ہو۔ آج کل کے حافظ رمضانی حافظ بن گئے ہیں، اور ویسے بھی یوپی بہار والے ہم گجراتیوں پر ہنستے ہیں کہ گجرات کا حفظ بھی عجیب ہے، کہ تراویح میں سناتے ہیں تو چار رکعت میں چار رکوع سناتے ہیں، حالاں کہ پورا قرآن سنانا چاہیے، پھر جو چار رکوع سنائیں گے، یاد بھی وہی چار رکوع کریں گے، قرآن کا دوسرا حصہ تو یاد کرتے ہی نہیں، یہاں تک کہ دوسرا حافظ غلطی کرے تو کوئی لقمہ دینے والا نہیں ہوتا، یہ بڑے افسوس کی بات ہے!!

قرآنِ کریم کے بھولنے کا معیار کیا ہے؟

قرآنِ کریم بھول جانا کبیرہ گناہ ہے، اب سوال ہوتا ہے کہ بھول جانا کس کو کہتے ہیں؟ فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ: بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ رہے؛ لیکن ہمارے قاری محمد طیب صاحب رحیمی رحمۃ اللہ علیہ پاکستانی - جو حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، پچھلے سالوں میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، وہیں ان کا انتقال بھی ہوا- لکھتے ہیں: اگرچہ

بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ: بھول جانے کا معیار یہ ہے کہ وہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ رہے؛ لیکن ہمارے مشائخ کا رجحان یہ ہے کہ سابقہ معیار کے لحاظ سے حفظ میں فرق اور کمی آ جائے یعنی یاد کرنے کے زمانے میں جس انداز سے یاد کیا تھا، وہ کیفیت باقی نہ رہے، یہ نسیان کا مطلب ہے۔ یہ تو انھوں نے مشائخ کے میلان کا تذکرہ کیا ہے، وہ اپنا میلان لکھتے ہیں کہ: میرا میلان اور رجحان یہ ہے کہ تراویح میں سنا نہ سکے اور اگر سنا رہا ہے تو اتنی غلطیاں جائیں کہ لوگ یوں چرچا کریں کہ یہ تو قرآن بھول گیا۔

قرآنِ پاک کو بھولنا کبیرہ گناہ ہے

تو بھول جانے پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، ترمذی شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میری امت کی نیکیاں میرے سامنے پیش کی گئیں، یہاں تک کہ مسجد میں پڑا ہوا ایک تنکا آدمی اس لیے اٹھائے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر میں پڑا ہوا ہے جو اس کے گھر کی عظمت کے منافی ہے؛ لہٰذا اس کو اٹھا کر جیب میں رکھ لے یا اس کو باہر اٹھا کر لے جائے، تو ایسی چھوٹی سی نیکی بھی میرے سامنے پیش کی گئی، اور فرماتے ہیں کہ: امت کے گناہ بھی پیش کیے گئے، ان کے اندر میں نے سب سے بڑا گناہ یہ دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی آدمی کو قرآنِ پاک کی کوئی سورت یا آیت عطا فرمائی اور پھر وہ اس کو بھول گیا(۱)۔ یہ تو آیت اور ایک سورت کی بات چل رہی ہے، جنھوں نے چند سورتیں یاد کیں یا چند آیتیں یاد کیں، وہ بھی اس وعید میں

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنَ الأَجْرِ.

آجاتے ہیں تو قرآن کو یاد کر کے بھول جانا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سب سے بڑا گناہ ہے۔

قرآنِ پاک یاد کر کے بھولنے پر کوڑھ نامی بیماری کی اُخروی وعید

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص قرآن یاد کر کے بھول جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ کوڑھی ہوگا(۱)۔ کوڑھ یعنی ایسی بیماری جس میں اعضاء گر جاتے ہیں، ایک تو گجراتی میں سفید داغ والے کو کوڑھی کہا جاتا ہے، وہ مراد نہیں؛ بلکہ وہ بیماری مراد ہے جس میں اعضاء گر جاتے ہیں، گجراتی میں اس کو ''رکت پت'' کہا جاتا ہے؛ بلکہ ''جمع الفوائد'' میں تو اس حدیث کے بعد بطورِ دلیل ایک آیت کو بھی پیش کیا گیا: فاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى'': اگر تم چاہو تو قرآنِ پاک کی اس آیت کو پڑھو: ''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى'' یعنی جس نے قرآنِ پاک جیسی نعمت ملنے کے بعد اس سے بے رخی اختیار کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی زندگی کو تنگ کر دیں گے۔

قرآنِ پاک کو بھولنے والا تنگیٔ رزق کا شکار ہوتا ہے

علما نے لکھا ہے کہ: جو شخص قرآن یاد کر کے بھول جائے گا تو وہ روزی کی تنگی کا شکار ہوگا، اور باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى: کہ قیامت کے دن

(۱) شعب الإيمان، فَصْلٌ فِي إِدْمَانِ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، رقم الحديث: ۱۸۱۷.

ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے

۔آگے فرماتے ہیں: قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا: وہ وہاں عرض کرے گا کہ: باری تعالیٰ آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالاں کہ میں تو بینا تھا، دیکھنے والا تھا؟ تو باری تعالیٰ فرمائیں گے: قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ: ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں اور تو نے یاد بھی کی تھیں؛ لیکن تو نے اس کو بھلا دیا، تو نے بھلا دیا تو آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔

تو قرآنِ پاک کو بھول جانے کی وعید پر دلیل کے طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا، اگر چہ اس آیت میں عموم ہے؛ لیکن یہ بھی اس میں داخل ہے، اسی کی بنیاد پر علما نے لکھا ہے کہ: جو شخص قرآن یاد کرنے کے بعد غفلت کی وجہ سے بھول جائے گا تو وہ روزی کی تنگی کا شکار ہوگا اور قیامت کے روز عذاب کا شکار ہوگا۔

معاصی میں مبتلا رہنے والے حفّاظ کے لیے وعید

بلکہ تفسیرِ قرطبی میں ایک روایت ہے کہ: جہنم کے اندر ایک وادی ہے، خود جہنم اس سے روزانہ سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اس وادی کے اندر ایک کنواں ہے، وہ وادی اور جہنم خود اس کنویں سے روزانہ سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اس کنویں میں ایک سانپ ہے، جہنم، وادی اور کنواں تینوں روزانہ سات مرتبہ اس سانپ سے پناہ مانگتے ہیں، یہ سانپ ان حافظوں پر مسلط کیا جائے گا جو معاصی اور اللہ کی نافرمانی میں مبتلا رہتے ہیں(۱)۔

(۱) تفسیر القرطبي، ۱/ ۱۹، باب تحذیر أهل القرآن والعلم من الرياء وغيره.

بارگاہِ خداوندی میں قرآن کی فریاد

تفسیرِ قرطبی کے اندر ایک روایت اَور ہے: من تعلم القرآن وعلق مصحفه: کہ جس نے قرآن سیکھا اور سیکھنے کے بعد اس کو لٹکا دیا- یہاں سیکھنا عام ہے، چاہے حفظ کی شکل میں ہو یا ناظرہ کی شکل میں ہو- تو جس نے قرآن سیکھا اور سیکھنے کے بعد اس کو طاقچے میں رکھ دیا، لٹکا دیا، لم یتعاهد: روزانہ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے تھا، وہ نہیں کیا، ولم ینظر فیه: کبھی اس کی تلاوت نہیں کی، جاء یوم القیامة متعلقا به یقول: یارب العالمین! إن عبدك هذا اتخذني مهجورا، فاقض بیني وبینه: تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ یہ قرآن اس کے ساتھ لگا ہوا ہوگا، اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے فریاد کرے گا کہ: اے رب العالمین! اس نے میرے حق کو ادا نہیں کیا، مجھے یوں ہی چھوڑے رکھا تھا؛ اس لیے آپ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمائیے (۱)۔ یہ قرآن فریاد کرے گا، اور جب قرآن فریاد کرے گا تو اس کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

قرآنِ پاک کو بھولنا گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: کوئی آدمی یوں کہے کہ میں قرآن بھول گیا یا قرآن کی آیت بھول گیا تو یہ بہت بری بات ہے، بھول نہیں گیا، بلکہ بھلا دیا گیا، چاہے کسی گناہ کے نتیجے میں ہو (۲)۔ چناں چہ اسی سلسلے میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) تفسیر القرطبي، باب تحذیر أهل القرآن والعلم من الریاء وغیره. ۱۳/۲۷، سورة الفرقان

(۲) صحیح البخاری، باب استذکار القرآن وتعاهده.

کی ''کتاب الزہد'' میں یہ روایت لکھی ہوئی ہے کہ: جب تم میں سے کوئی آدمی قرآن پڑھتا ہے اور بھول جاتا ہے تو وہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے(۱)؛ اس لیے حافظِ قرآن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرے۔ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ [الشوری:۳۰] جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے، وہ تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ قرآن جیسی عظیم نعمت کو یاد کر لینے کے بعد بھول جانے سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہے؛ اس لیے یہ بھی گناہوں کی وجہ سے ہے۔

قرآن کے حفظ کو باقی رکھنے کا ایک آسان نسخہ

اخیر میں ایک روایت بتلا دیتا ہوں جو شامی کے حوالے سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: جو آدمی روزانہ رات کو سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھے گا تو وہ قرآن نہیں بھولے گا، چار آیتیں شروع کی اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک ہیں، ویسے ہمارے قرآن میں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پانچ آیتیں ہیں، اصل میں آیتوں کے شمار کے سلسلے میں قاریوں کے یہاں اختلاف ہے، اہلِ کوفہ کے یہاں الٓمّٓ مستقل آیت نہیں ہے، اس معنیٰ کر کے چار آیتیں بنتی ہیں، اور آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں، یہ کل سات آیتیں ہوئیں اور لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(۱) عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ إِلَّا بِذَنْبٍ يُحْدِثُهُ. (کتاب الزهد لابن مبارک، ۱/۲۸، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْوِيفِ عَوَاقِبِ الذُّنُوبِ. رقم الحديث: ۸۴.

سے اخیر تک کی تین آیتیں، یہ کُل دس آیتیں جو شخص روزانہ میں رات میں پڑھے گا، وہ قرآن نہیں بھولے گا، یہ نسخہ یادرکھنے کے قابل ہے۔ روزانہ قرآنِ پاک کی تلاوت اور اس کے دور کا اہتمام کریں۔

قرآنِ پاک کو غفلت کی وجہ سے بھولنے کی ایک سزا

ایک تو یہ ہے کہ بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے حافظہ کمزور ہو گیا اور اس کی وجہ سے قرآن بھول گیا تو اس کے حق میں یہ وعید نہیں ہے، غفلت کی وجہ سے جو شخص بھول جائے، اس کے لیے وعید ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک کے دور کی توفیق عطا فرمائے۔ جو بھی حفاظ یہاں ہیں اور قرآنِ پاک بھول چکے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اس کو یاد کرنے کا اہتمام کریں، یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ شروع میں قرآنِ پاک کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے؛ لیکن بھولنے کے بعد دوبارہ اس کو یاد کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک سزا ہے؛ اس لیے کوشش یہ ہو کہ بھولنے کی نوبت نہ آئے؛ اس لیے روزانہ تلاوت کا اہتمام کریں، اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت کرے کہ قرآنِ پاک اس کے رگ وریشے میں پیوست ہو جائے۔

ہمارے ایک بزرگ حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گذرے ہیں: حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ، جو ہمارے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے، حضرت میانجی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، اور تھانہ بھون کی وہ مسجد جس میں

تین حضرات رہا کرتے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔ ان کا کمرہ پہلے ہی پڑتا تھا اور اس کے باہر چار پائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اگر کوئی آدمی آتا تو حضرت اس سے پوچھتے تھے کہ بھائی! تو کیوں آیا ہے؟ اگر مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ شیخ محمد صاحب بیٹھے ہیں، ان سے پوچھو، اور اگر بیعت ہونا ہے تو وہ وہاں حاجی صاحب ہیں، ان سے ہو جاؤ، اور اگر حُقّہ پینا ہے تو یہاں ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ ویسے ان کے مزاج میں ظرافت تھی؛ لیکن ان کی روحانی اور احسانی نسبت بہت اونچی تھی۔

تم نے اس کو ''جنم روگ'' لگا دیا

ان سے آکر کوئی عرض کرتا کہ: حضرت! میں نے اپنے بچے کو حفظ کے لیے بٹھایا ہے، آپ اس کے لیے دعا فرما دیجیے، تو حضرت اس کے جواب میں فرماتے کہ: بھائی! تم نے اس کو ''جنم روگ'' لگا دیا۔ اس کو ''جنم روگ'' سے اس لیے تعبیر فرماتے کہ، اب اس کو قرآنِ پاک یاد کرنے اور رکھنے کا پوری زندگی اہتمام کرنا پڑے گا۔

تو یہ ایک بڑی ذمہ داری کا کام ہے، جہاں یہ سعادت ہے، وہاں یہ ذمہ داری بھی ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حفاظ سے فرماتے ہیں کہ: قرآن کو اتنا پڑھو، اتنا پڑھو کہ بس تمھاری زبان پر جاری ہو جائے، کثرت سے پڑھو گے تو اس کے بعد آسانی ہو جائے گی، اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو روزانہ پورا قرآن ختم

کرتے ہیں، رمضان کی خصوصیت نہیں ہے، رمضان کے علاوہ میں پورا ایک قرآن پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، ایک منزل، دس پارے، تو اس مجلس میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اس مقدار کا اہتمام کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن(۱)

اقتباس

حضرت زید بنِ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جس وقت یہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والا ٹکڑا نازل ہورہا تھا، چوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور کی ران کا کچھ حصہ، پاؤں مبارک کا کچھ حصہ میری ران پر پڑ گیا، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اتنا بوجھ معلوم ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اُحد پہاڑ رکھ دیا گیا ہو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ! کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے وقت کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہوگا! حالاں کہ اس وقت صرف غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا تھا؛ اسی لیے اس کو قولِ ثقیل سے تعبیر کیا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذباللہ من شرور انفسناو من سیئات اعمالنا، ونعوذباللہ من شرور انفسناو من سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادي لہ، ونشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد أن سیدناومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وبارک وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم:﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ﴾[البقرة:۱۲۹]

وقال تعالیٰ:﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾[الحجر]

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: خَیۡرُكُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡآنَ وَعَلَّمَهُ.

(صحیح البخاری، عَنۡ عُثۡمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنۡهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه)

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: یُقَالُ لِصَاحِبِ الۡقُرۡاٰنِ اقۡرَأۡ وَارۡتَقِ وَرَتِّلۡ كَمَا كُنۡتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنۡیَا فَإِنَّ مَنۡزِلَكَ عِنۡدَ اٰخِرِ اٰیَةٍ تَقۡرَؤُهَا.

(سنن أبي داود، عَبۡدِ اللَّهِ بۡنِ عَمۡرٍو، باب اسۡتِحۡبَابِ التَّرۡتِیلِ فِی الۡقِرَاءَةِ)

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: مَنۡ قَرَأَ الۡقُرۡاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِیهِ أُلۡبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ ضَوۡؤُهُ أَحۡسَنُ مِنۡ ضَوۡءِ الشَّمۡسِ فِی بُیُوتِ الدُّنۡیَا لَوۡ كَانَتۡ فِیكُمۡ فَمَا ظَنُّكُمۡ بِالَّذِی

عَمِلَ بِهٰذَا. (سنن أبي داود، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، باب فِي ثَوَابِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ.)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ.

(سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْآنِ.)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ.

(سنن ابن ماجة، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ: فِي فَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.)

تقریبِ سعید

حضراتِ علماءِ کرام، مہمانِ عظام اور عزیز طلبہ!

آج کی یہ مجلس اس مدرسے میں جن طلبہ نے حفظِ قرآنِ پاک کی تکمیل کی ہے، ان کے اعزاز اور اکرام کے لیے منعقد کی گئی ہے، ان بچوں نے اپنا آخری سبق ہمارے سامنے پڑھا، ہم کو سنایا اور اس کے بعد ان کی دستار بندی بھی کی گئی اور مدرسے کی طرف سے ان کو سندیں اور انعامات بھی دیے گئے، الغرض ان کو اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔

حافظِ قرآن کا حقیقی اعزاز و اکرام

ویسے حقیقی اعزاز و اکرام تو اس وقت ہوگا جب خود باری تعالیٰ ان سے روزِ محشر میں فرمائیں گے: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: قیامت کے روز صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا۔

صاحبِ قرآن کا مصداق

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرحِ مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: صاحبِ قرآن کا مصداق گویا حقیقی معنی میں حافظِ قرآن ہے(۱)۔اصل میں صاحبِ قرآن سے مراد وہ آدمی ہے جس کو قرآنِ پاک کے ساتھ اتنا زیادہ لگاؤ ہو اور قرآنِ پاک کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اس کی زندگی کا ایسا جزءِ لاینفک بن چکا ہو کہ، گویا اس کو قرآنِ پاک کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم ہو گیا ہو۔اس تعلق کی وجہ سے اس کو''صاحبِ قرآن'' سے تعبیر کیا گیا۔

پڑھتا جا اور جنت کے درجات طے کرتا جا

قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا: قرآنِ پاک پڑھتا جا اور جنت کے درجات کے اندر ترقی کرتا چلا جا، اور پڑھنا بھی کیسا؟ اسی طرح ترتیل کے ساتھ، ٹھیر ٹھیر کر جیسا کہ تو دنیا کے اندر پڑھا کرتا تھا۔ فَإِنَّ مَنْزِلَکَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰیَۃٍ تَقْرَؤُھَا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ:

---

(۱)وقال ابن حجر:ويؤخذ من الحديث أنه لا ينال هذا الثواب الأعظم إلا من حفظ القرآن وأتقن أداءه وقراءته كما ينبغي له، فإن قلت: ما الدليل على أن الصاحب هو الحافظ دون الملازم للقراءة في المصحف، قلت: الأصل فيما في الجنة أنه يحكي ما في الدنيا، وقوله في الدنيا صريح في ذلك على أن الملازم له نظرالا يقال له صاحب القرآن على الإطلاق وإنما يقال ذلك لمن لا يفارق القرآن في حالة من الحالات.(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،ج٤تحت الحديث المذكور)

تیرا مقام اس آخری آیت کے پاس ہوگا جو تو پڑھے گا۔

اسی لیے علما نے لکھا ہے کہ: جنت کے درجات کی تعداد بھی قرآنِ پاک کی آیتوں کی تعداد کے مطابق ہے، اور وہ قرآن پڑھ کر کے آخری درجے پر فائز ہوگا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہ قرآنِ پاک کو پڑھنے والے، اس کو یاد کرنے والے اور اس کے ساتھ تعلق اور شغف رکھنے والے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعزاز واکرام کا معاملہ کیا جائے گا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ اعزاز ہے کہ جس پر آدمی جتنا بھی فخر کرے اور جتنی بھی سعادت سمجھے، کم ہے۔

ادارۂ دینیہ کے قیام کا مقصد

ہماری آج کی اس مجلس کی انعقاد کا جو مقصد تھا، وہ تو بحمد اللہ حاصل ہو چکا؛ لیکن وہ ادارہ جو یہاں قائم کیا گیا ہے، جیسا کہ ابھی آپ کے سامنے مختصر کارگزاری ادارے کے مہتمم صاحب کی طرف سے پیش کی گئی، اس میں یہ بتلایا گیا کہ اس علاقے میں یہ ادارہ اسی لیے قائم کیا گیا ہے کہ اطراف وجوانب کے بچے یہاں قرآنِ پاک کی اور آگے بڑھ کر کے مزید تعلیم حاصل کر کے اسلامی اور ایمانی تعلیم وتربیت سے آراستہ ہوں، اس ادارے کے قیام کا یہی مقصد ہے۔

بحکمِ الٰہی حضرت ابراہیم کے ہاتھوں خانۂ کعبہ کی تعمیر

دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت جن مقاصد کے لیے

فرمائی تھی، اس کو قرآنِ پاک میں بہت ساری جگہوں پر واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلا موقع وہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ: ''یاد کرو اس وقت کو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے، اور حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس کام میں ان کا تعاون اور مدد کر رہے تھے'' اور پھر وہ اس کام کو انجام دیتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا بھی کر رہے تھے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ: ''اے باری تعالیٰ! ہمارے اس عمل کو قبول فرمائیے''۔

قبول کرلیں تو سمجھیں کہ ہم بھی مخلص ہیں

اتنا اونچا عمل! جو اپنی مرضی سے نہیں؛ بلکہ اللہ کے حکم سے انجام دیا جا رہا ہے، اس کے باوجود اس عمل کو انجام دیتے ہوئے دل میں ایک ڈر ہے، پتہ نہیں کیا ہو؟ اس کی بارگاہ میں قبول ہو یا نہ ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی قبولیت کے لیے عرض کی جا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقبول لوگوں کی شان یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمل بڑے سے بڑا انجام دیں، تو اس کام کو انجام دیتے وقت اس کے دل میں یہ کیفیت اور جذبہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق دی، اور میں یہ کام کر رہا ہوں؛ لیکن پتہ نہیں اللہ کی بارگاہ میں یہ عمل قبول ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ گویا دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے وہ عرض بھی کرتا رہے کہ: اے اللہ! میرے اس عمل کو شرفِ قبولیت بھی عطا فرما۔

کعبۃ اللہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔ روایتوں میں ہے کہ: یہ عمارت پہلے سے موجود تھی اور طوفانِ نوح کے زمانے میں اٹھالی گئی تھی؛ لیکن اس کی بنیادیں زمین کے اندر موجود تھیں، بعد میں وہاں ایک ٹیلے کی شکل رہی، اور پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور ہوا کہ دوبارہ اس کی تعمیر کی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر ان بنیادوں کو کھود کر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بتلایا، اور ان ہی کے اوپر انھوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی۔

اس عمل کو انجام دیتے وقت یہ دونوں باپ بیٹے میں سے میں سے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اس کی تعمیر کا کام کر رہے تھے، اس کی دیواریں چُن رہے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لالا کر کے اپنے والدِ بزرگوار کو دے رہے تھے، ان دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا۔

کیے ہیں پیش دل وجاں کے نذرانے

تعمیر کے وقت یہ دونوں حضرات دعا کر رہے ہیں، اور خاص طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ: یا اللہ! ہمارے اس عمل کو شرفِ قبولیت عطا فرما، اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ: تو ہی اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا اور ان کے دلوں کے حال سے بہ خوبی واقف ہے۔

اپنی اولاد کو امتِ مسلمہ بنانے کی دعاءِ ابراہیمی

آگے اس عمل کو قبول کرنے کی دعا کے بعد اس عمل پر کچھ انعام بھی مانگا جارہا ہے۔ انعام بھی کیا مانگا؟ دنیا نہیں مانگی، اپنی اولاد کے لیے مال وجائداد کی دعا نہیں کی، تو کیا مانگا؟: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ: اے باری تعالیٰ! ہم دونوں کو تیرے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والا بنادے۔ مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے، اللہ کے احکام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کردے، اپنا سرِ تسلیم خم کردے، اس کی طرف سے چوں و چراں نہ ہو، کہ یہ حکم کیوں دیا جارہا ہے؟ یہ اللہ کا حکم ہے، اس حکم کو بجالانے کے لیے اس نے اپنا سر جھکا دیا۔

ایک ہم ہیں کہ خدا کی بھی پرستش نہ ہوئی

آج کل کا مسلمان! چھوٹے چھوٹے مسئلے ہمارے یہاں دارالافتاء میں آتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایسا کیوں ہیں؟ ارے اللہ کے بندے! ہم تو غلام ہیں اور غلام کو یہ حق نہیں کہ وہ آقا سے سوال کرے کہ آپ نے یہ حکم کیوں دیا؟ آقا جب غلام کو کہے کہ: فلاں کام کرو اور غلام اس پر آقا سے کہے کہ: آپ ذرا یہ بتلادیجیے کہ یہ حکم کیوں دے رہے ہیں؟ تو دو طمانچے مار کے بھگا دے گا، کہ تجھے کیا حق بنتا ہے اس طرح سوال پوچھنے کا؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مظہر ہیں

اور پھر یہ بھی دعا کی کہ: اے باری تعالیٰ! ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت

پیدا کر دیجیے جو تیرے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والی ہو، یعنی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ایک امت بھی مانگی۔ یہ امتِ مسلمہ وہ امت ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تھا، هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ: حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے ہمارے لیے یہ نام بھی تجویز کیا ہے، اور پھر اس امت کی تعلیم وتربیت کے لیے انھوں نے اسی موقع پر اللہ تعالیٰ سے ایک نبی کی بعثت کی بھی دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: اے اللہ! تو اس امت کے اندر جو آپ ہماری اولاد کے اندر پیدا کریں گے، ایک رسول بھی عطا فرما۔ امت بھی مانگی اور امت کے لیے رسول بھی مانگا۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں اپنی خوبیوں کو بتلاتے تھے، وہاں یہ بھی فرماتے تھے: أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی دعاؤں کا مظہر ہوں''(۱)۔ اور انھوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت جو دعا مانگی تھی اس دعا کو قبول فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کیا دعا مانگی؟ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کہ: اے باری تعالیٰ! اس امت میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیجو جو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: کہ تیری کتاب کی آیتوں کو ان کے سامنے پڑھے، اس کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ اس دعا میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد -اور مختصراً کہیں تو

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، تَفْسِيرُ سُورَةِ الأَحْزَابِ.

تین مقصد- بتلائے ہیں،ان میں سے ایک تو تلاوتِ آیات ہے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ : ان کو کتاب بھی سکھلائے اور حکمت بھی، کتاب کی تشریح بھی بتلائے۔تو دوسرا مقصد تعلیمِ کتاب وحکمت ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ: اوران کا تزکیہ بھی کرے،ان کے دلوں کو گندگیوں سے، برے اخلاق سے، بری صفات سے پاک اورصاف کرے،تو آپ کی بعثت کا تیسرا مقصد تزکیۂ قلوب بھی ہے،تو گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بھی اس دعا کے اندر بتلا دیے گئے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد میں اولین مقصد

بہرحال !میں یہ عرض کررہا تھا کہ الفاظِ قرآن کی تعلیم کوئی معمولی چیز نہیں ہے، چناں چہ حضرت مفتی شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں اولین مقصد تلاوتِ آیات یعنی قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دینا ہے، چاہے اندر دیکھ کر ناظرہ کی شکل میں ہو یا حفظ کی شکل میں ہو، یا اس کی تصحیح اور عمدہ انداز میں پڑھنے کی شکل میں ہو۔ ہمارے مدارس میں ناظرہ، حفظ اور تجوید کے جو شعبے ہیں، وہ سب اسی مقصد کے اندر آجاتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بڑا اہتمام تھا،آپ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو قرآن کے الفاظ کو محفوظ کرنے کے لیے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑا اہتمام کرتے تھے۔

’’قرآن‘‘ الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام ہے

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ: ان الفاظ کو رٹنے سے کیا حاصل !حالاں کہ قرآنِ

پاک کے الفاظ کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔ ویسے تو قرآن نام ہی ہے الفاظ اور معانی کے مجموعے کا۔ اصولِ فقہ میں جہاں قرآنِ پاک کی حقیقت بیان کی جاتی ہے، اصطلاحی الفاظ میں تعریف کی جاتی ہے: القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعاً کہ قرآن الفاظ اور معنیٰ دونوں کے مجموعے کا نام ہے(۱)۔ خالی معانی قرآن نہیں ہے، خالی الفاظ قرآن نہیں ہے، الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعے کو قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ اس لیے الفاظ بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

الفاظ کے بغیر معانی کی تعبیر ممکن ہی نہیں ہے

اور ویسے بھی اگر الفاظ کو ہٹا لیا جائے تو معانی اپنے طور پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی آدمی دوسرے کے سامنے پیش کر سکے۔ میں اور آپ اپنے مافی الضمیر کو اگر کسی کے سامنے پیش کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ براہِ راست اپنے دل ودماغ میں سے سامنے والے کے دل ودماغ میں وہ چیز اتار دیں، کہ بھائی! آج کل بلوٹوتھ (bluetooth) کا زمانہ ہے تو اِدھر ایک بٹن دبا دیا گیا، اُدھر کوئی بٹن دبا دیا گیا اور معانی اِدھر سے اُس کے دل ودماغ میں منتقل ہو گئے، نہیں؛ بلکہ کوئی بھی آدمی اپنے مافی الضمیر کو، اپنے دل کی بات کو سامنے والے کے سامنے جب پیش کرے گا تو اس کے لیے اس کو الفاظ کا سہارا لینا پڑے گا، زبان کا استعمال کرے گا، اور زبان کے ذریعہ وہ الفاظ کو ادا کرے گا، اور ان الفاظ ہی کے اندر وہ معانی چھپے ہوئے ہیں،

---

(۱) کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، ۱/ ۴۰.

جب وہ الفاظ سامنے والے کے کان میں پڑیں گے، وہ سنے گا اور اس کا دماغ ان الفاظ کے معانی اور مفاہیم کو سمجھے گا، تو اس طرح یہ بولنے والا اپنے دل کی بات کو سامنے والے کے دل و دماغ تک پہنچا سکے گا۔ یہ الفاظ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآنِ پاک کی تعلیم کو ختم کرنے کی کوشش کرنے والے

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ یہ کہہ کر کہ: الفاظ رٹنے سے کیا حاصل'' یہ اس کی اہمیت کو گھٹانا چاہتے ہیں، دراصل وہ قرآنِ پاک کی تعلیم کے سلسلے کو ختم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ تو ابتدا ہے، کسی بھی فن میں، کسی بھی علم کے اندر اس کے مقاصد کو ابتدا میں الفاظ ہی کے ذریعہ سامنے والے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد آگے دوسرے مراحل آتے ہیں۔ قرآن کے اندر بھی پہلا مرحلہ الفاظ کا ہے، اور قرآن کے اندر تو اس کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ ایک ایک حرف کے پڑھنے پر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، کوئی آدمی سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

ہادی نہ ملے گا قرآن سے بہتر

یہ قرآنِ پاک بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ۱۰۰ ؍ مرتبہ خواب میں دیکھا، ۱۰۰ ویں مرتبہ انھوں نے پوچھا: باری تعالیٰ! آپ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

قرآنِ پاک کی تلاوت، انھوں نے پوچھا: سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ تو جواب دیا گیا کہ چاہے سمجھ کر پڑھو یا بلا سمجھے، کسی بھی طرح آپ پڑھیں گے تو اللہ کے قرب اور نزدیکی کا ذریعہ ہوگا، اور قلب کو صاف کرنے میں اور قلب ودل کو گناہوں سے پاک صاف کرنے اور صیقل کرنے میں قرآنِ پاک کی تلاوت کو بہت بڑا اثر ہے۔

الفاظِ قرآن کی تعلیم وتعلم علومِ قرآن کی تعلیم کا پہلا زینہ ہے

توقرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم اس کی تعلیم کا پہلا مرحلہ ہے، بچوں کی تعلیمِ قرآن کی ابتدا اسی سے کی جاتی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اسی طرح پورا فرماتے ہیں۔

بچپن میں قرآن کے الفاظ رٹانے کی حکمت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قرآنِ پاک جب بچپن میں یاد کیا جاتا ہے تو بہت اچھی طرح یاد رہتا ہے، بڑی عمر میں تو بہت مشکل سے لوگوں کو یاد ہوتا ہے، اور جو یاد کرتے ہیں ان کو بھی اتنا پختہ نہیں ہوتا جتنا بچپن میں یاد کرنے والوں کو ہوا کرتا ہے، إلّا ما شاء اللہ۔ تو جو لوگ کہتے ہیں کہ بچے تو قرآنِ پاک کے معانی کو سمجھتے نہیں ہیں، ان کو رٹانے سے کیا حاصل؟ تو گویا قرآنِ پاک کی حفاظت کا جو ایک سلسلہ ہے، اس کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے اور اس کو پڑھنے، پڑھانے کا بڑا اہتمام تھا۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ پاک کے الفاظ کو جو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام وحی کی شکل میں لے کر کے آتے تھے، اس کو یاد

کرنے کا بڑا اہتمام اور کوشش کرتے تھے۔

نزولِ وحی کا بوجھ نا قابلِ برداشت ہوا کرتا تھا

روایتوں میں ہے کہ: جس وقت آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وحی کے بوجھ کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہوجاتا تھا، سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے لڑھکنے لگتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے نزول کا اتنا زیادہ بوجھ محسوس کرتے تھے(۱)۔ قرآن میں بھی اس کو ''قولِ ثقیل'' سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام اتاریں گے، معلوم ہوا کہ اس کا ثقل جہاں باطنی ہے، وہاں ظاہری بھی ہے۔

خاکساری کے لیے ہے خاک سے انسان بنا

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوتے تھے، حالاں کہ آپ کی اونٹنی ''قصواء'' بڑی مضبوط اور توانا تھی۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ: کوئی اونٹ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس اونٹنی سے رفتار میں آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، اتنی تیز رفتار تھی؛ البتہ ایک موقع آیا کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس اونٹنی سے آگے نکل گیا، اس پر صحابہ کو بڑی ناگواری ہوئی، گویا ان کی طبیعتوں نے اس چیز کو گوارا نہیں کیا کہ کوئی دوسرا اونٹ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی سے آگے بڑھ جائے، ان حضرات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اور

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إلخ

عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا؛ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ دنیا کی کوئی چیز بھی جب سر بلند کرتی ہے تو اللہ اس کو نیچا کر کے رکھتے ہیں (۱)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں ''باب الکبر'' میں بیان کیا ہے، گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی آدمی کو بھی کوئی کمال عطا فرمائے تو اس کے دل میں بڑائی کا جذبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کا علاج کر ہی ڈالتے ہیں۔

وحی کے ثقل سے اونٹنی کا حال

بہر حال! یہ قصواء اونٹنی بڑی مضبوط تھی؛ لیکن لکھا ہے کہ: اس اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اُترتی تھی تو وہ اونٹنی وحی کے بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی اور اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیتی تھی، اس قدر وحی کا بوجھ اور ثقل ہوتا تھا، حالاں کہ وحی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتر رہی ہے، آپ تو فقط اونٹنی پر سوار ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنا زیادہ بوجھ محسوس کرتے ہوں گے۔

ایک کاتبِ وحی: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

بخاری شریف میں ''کتاب التفسیر'' میں روایت ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جن سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی لکھوانے کی خدمت لیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو نزولِ وحی کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب نَاقَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

جمع کر کے جو تازہ قرآن نازل ہوا ہوتا تھا، وہ پڑھ کر بھی سناتے تھے، اور صحابۂ کرام میں جو حضرات لکھنے والے تھے ان میں سے کسی کو بلا کر اس کو لکھوا بھی لیا کرتے تھے۔ آخری زندگی میں یہ خدمت زیادہ تر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لی جاتی رہی۔

قرآنِ کریم کی ایک آیت کے نزول اور اس کی کتابت کا واقعہ

بہر حال! حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وحی کے لکھنے کے لیے قلم اور دوات لے کر کے بلوایا، میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر آپ کے بالکل قریب بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: لکھو! ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ [النساء:۹۵] کہ: ایمان والوں میں سے جو لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکل رہے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ شروع میں یہ آیت اتنی ہی نازل ہوئی تھی، درمیان میں ایک ٹکڑا، ایک کلمہ: غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نہیں تھا۔

عند اللہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے لکھنا شروع کیا، اتنے میں ایک صحابی حضرت عبد اللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، وہ پیچھے بیٹھے تھے، اُٹھ کر آگے آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اس آیت میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ جہاد میں شریک ہوتے ہیں وہ اور جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ ثواب اور اجر کے اعتبار سے، مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے، میں تو

اندھا ہوں ؛اگر یہ اندھا پا نہ ہوتا، یہ معذوری اور مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی جہاد کے لیے نکلتا؛ لیکن کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دل جوئی کیسی منظور تھی! اس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے کی علامتیں شروع ہوگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا: آپ کا چہرۂ انور سرخ ہوجاتا تھا، آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے لڑھکنے لگتے تھے اور خرّاٹوں کی آواز آنے لگتی تھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں آپ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ خالی اتنا ہی جملہ، اب بیچ آیت میں اتنا اضافہ ہوگیا۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: وہ ایمان والے جو معذور نہیں ہیں پھر بھی گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ، اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتے ہیں وہ، دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اب وہ معذور ہیں، ان کو چھوڑ دیا گیا، ان کو اندر سے ہٹادیا گیا۔ تو دیکھو! غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ اتنا سا ٹکڑا ہی نازل ہوا، اس سے فقط ان صحابی کی دل جوئی مقصود تھی۔

وحی کے شدید بوجھ کا ایک نمونہ

حضرت زید بنِ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جس وقت یہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والا ٹکڑا نازل ہورہا تھا، چوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور کی ران کا کچھ حصہ، پاؤں مبارک کا کچھ حصہ میری ران پر پڑ گیا، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ: مجھے اتنا بوجھ معلوم ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اُحد پہاڑ رکھ دیا گیا ہو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ! کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے وقت کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہوگا!!! حالاں کہ اس وقت صرف غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا تھا، اسی لیے اس کو ''قول ثقیل'' سے تعبیر کیا گیا۔

قرآنِ پاک کی عظمت وشرافت

اس ایک کلمے کو لے کر حضرتِ جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اس سے قرآنِ پاک کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام جو فرشتوں کے سردار ہیں، جن کو قرآنِ پاک ــــ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارنے کی خدمت سپرد کی گئی تھی، بعض مرتبہ صرف ایک کلمہ لے کر آسمان سے زمین پر آتے تھے، اس سے آپ قرآنِ پاک کے کلمات کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی پرچی لے کر کسی بہت بڑے آدمی کو یہاں سے دہلی بھیجا جائے یا یہاں سے لندن بھیجا جائے، تو کہنے والا کہے گا نا کہ: یہ چھوٹی سی پرچی کتنی اہم ہے کہ اتنے بڑے آدمی کو دے کر وہاں بھیجا جا رہا ہے، تو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام صرف ایک کلمے کو لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچانے کے لیے آرہے ہیں، اس سے قرآنِ پاک کے کلمات کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

خدا بندے سے یہ پوچھے: بتا تیری رضا کیا ہے؟

اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

دل جوئی اوران کی تسلی کس قدر منظور!تھی اوراس سے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام ومرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ ایک نابینا صحابی ہیں، انھوں نے جب قرآن کے ان الفاظ کوسنااوران کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ میں اپنے اس عذر اور اندھے پن کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کرسکتا، اور انھوں نے اپنے اس احساس کا اظہار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ کلمہ لے کر حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، کہ جولوگ معذور ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں، اس سے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کتنا زیادہ بوجھ محسوس کرتے تھے۔

الفاظِ قرآن کی حفاظت کا نبوی اہتمام

اب اسی وحی کے نازل ہونے کے دوران نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فکر رہتا تھا کہ کہیں وہ الفاظ جو حضرتِ جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں، میں بھول نہ جاؤں؛ اس لیے جب حضرتِ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے اور وحی کے کلمات کو پڑھتے تھے، تو اس کو یاد کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ساتھ ساتھ ان کلمات کو دہراتے تھے۔ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام پڑھ رہے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو ساتھ ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کو دہرارہے ہیں؛ تاکہ یاد رہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے اوران کو محفوظ کرنے کا اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

اس حالت میں کہ آپ اتنا بوجھ محسوس کررہے ہیں، اتنی شدّت اوراتنی مشقت میں مبتلا ہیں، تو بھی یہ الفاظ ذہن سے کہیں نکل نہ جائیں، اس فکر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تکلیف اٹھارہے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبانہ تسلی

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اطمینان دلایا گیا کہ آپ اس فکر میں کہ کہیں وحی کے کلمات بھول نہ جائیں، وحی کے نازل ہونے کے دوران اس بوجھ کی حالت میں، اس مشقت اور تکلیف کی حالت میں آپ اپنی زبان سے وحی کے کلمات کو دہراتے ہیں، ایسا نہ کیجیے۔ سورۂ قیامہ کی جو آیتیں ہیں: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ: اے نبی! وحی کے نازل ہونے کے وقت کلماتِ وحی کو یاد کرنے کے لیے آپ اپنی زبان کو جو جلدی جلدی حرکت دیتے ہیں، ایسا نہ کیجیے، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ: ان کلماتِ قرآن کو، ان الفاظِ قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کردینا اور اس کے بعد آپ کی زبان سے پڑھوانا، اس کی ذمہ داری ہماری ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان دلا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ ہوگیا کہ، جب حضرتِ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر کے آتے تھے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش، سر جھکا کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ پورا ہوجاتا تھا

تو سارے کلمات اور الفاظ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یاد ہو جاتے تھے۔

الفاظِ قرآن کو یاد کرنے اور رٹنے کی بڑی اہمیت ہے

میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے کے لیے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنی مشقت اٹھاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنا کتنی اہمیت رکھتا ہے! اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو اس سلسلے میں وعدہ بھی فرما دیا: اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔

حفظِ قرآن کو آسان بنانے کا وعدۂ اِلٰہی آج بھی قائم ہے

میں تو اپنی طرف سے اضافہ کر کے کہتا ہوں، کہیں دیکھا نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ کہیں لکھا بھی ہو کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو وعدہ فرما دیا کہ آپ قرآن کے الفاظ کو محفوظ کرنا چاہتے ہوں تو آپ کے سینے میں اس کو محفوظ کر دینا اور آپ کی زبان سے پڑھوا دینا، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ آج بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ وعدہ ہے، جو آدمی قرآنِ پاک کو یاد کرنا چاہے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے سینے میں قرآن کو محفوظ کر دیں گے۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ کہ قرآنِ پاک کو یاد کرنے کے لیے، سمجھنے کے لیے– دونوں چیزیں اندر ہیں، مفسرین نے لکھ دیا ہے– ہم نے آسان کر دیا، کوئی ہے اس کو پڑھنے والا؟۔

میں معلم اور سکھلانے والا بنا کر کے بھیجا گیا ہوں

تو قرآنِ پاک کے الفاظ کو یاد کرنے کے لیے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اتنا زیادہ

اہتمام فرماتے تھے، اور پھر جب وحی نازل ہوجاتی تھی تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے ان الفاظ کو پیش کرتے تھے۔ یہ تو پہلی مرتبہ کی بات ہے یعنی وحی نازل ہوتے ہی الفاظ قرآن کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس کے بعد بھی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو الفاظِ قرآن کی تعلیم دینا- معانی کی تعلیم تو ہوتی ہی تھی؛ لیکن الفاظِ قرآن کی تعلیم دینا- بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مستقل کام اور ذمہ داری تھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا(۱): کہ میں معلم اور سکھلانے والا بنا کر کے بھیجا گیا ہوں۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآنِ پاک کے الفاظ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے ہیں

چناں چہ روایتوں میں ہے کہ: بڑے بڑے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآنِ پاک براہِ راست نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا۔ بخاری شریف میں روایت موجود ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ- جن کا قرآن پاک کی تعلیم کے سلسلے میں ایک خاص مقام ہے- فرماتے ہیں کہ: میں نے قرآن پاک کی ستر (۷۰) سے زیادہ سورتیں براہِ راست نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھی ہیں (۲)۔ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بھی جب اپنی نمازوں میں قرآنِ پاک پڑھتے تھے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے اہتمام اور توجہ سے اس کو سنا کرتے تھے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، بَابُ فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ.

(۲) صحیح البخاری، عن شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ رحمۃ اللہ علیہ، باب الْقُرَّاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

دینی باتوں کے نقل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتیاط

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ان کے دورِ خلافت میں ایک آدمی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا کہ: میں ایک آدمی کو کوفہ میں چھوڑ کر آیا ہوں جو لوگوں کو زبانی قرآنِ پاک لکھواتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں دین کی باتوں کے سلسلے میں بڑی احتیاط مدِّ نظر رہا کرتی تھی، اسی لیے جب کوئی آدمی کوئی روایت بیان کرتا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتا تو ان کی طرف سے مطالبہ ہوتا کہ: کوئی دوسرا آدمی لاؤ جس نے یہ بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کے لیے تشریف لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے کاموں میں مشغول تھے، جب یہ پہنچے تو باہر سے انھوں نے سلام کیا اور بذریعۂ سلام حاضری کی اجازت چاہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام تو سنا؛ لیکن چوں کہ کام میں مشغول تھے اور ابھی اپنے پاس بلانا چاہتے نہیں تھے؛ اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی اور اپنے کام میں مشغول رہے، انھوں نے دوسری مرتبہ سلام کیا اور حاضری کی اجازت چاہی، پھر جواب نہیں دیا، پھر تیسری مرتبہ سلام کیا اور اجازت نہ ملی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپسی کا شرعی حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: ابھی میں عبداللہ بن قیس کی آواز سن رہا تھا، یہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے، تو میں ان کی آواز سن رہا تھا، ان کو بلاؤ! کسی نے کہا کہ وہ تو چلے گئے، بلائے گئے۔ اب اگر یہ کہتے ہیں کہ: آپ کام میں مشغول تھے؛ اس لیے میں چلا گیا تو کوئی بات نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: کیوں چلے گئے؟ تو جواب دیا کہ: میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: کوئی آدمی کسی کے گھر جائے اور اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کرے، پہلی مرتبہ کے سلام کے بعد اجازت مل جاوے تو ٹھیک ہے، اور اگر اجازت نہ ملے تو دوسری مرتبہ سلام کرے، اگر اجازت مل جاوے تو ٹھیک ہے، ورنہ تیسری مرتبہ سلام کرے اور پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔

تہذیب، نہ اخلاق، نہ شرافت، نہ حیا ہے

یہی طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی شریعت ہمیں اجازت اور گنجائش دیتی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے نا کہ وہیں جم کے بیٹھ جاتے ہیں، ہم لوگ تو آدابِ معاشرت سے بھی واقف نہیں ہیں، قرآن وحدیث میں اس پر بڑا زور دیا گیا ہے، اس کی بڑی اہمیت ہے۔ کبھی آدمی اپنے کسی ضروری کام میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت اس کے پاس آنے والے کے ساتھ ملاقات کرنے

اور بات چیت کرنے کا موقع نہیں ہوتا، تو اجازت نہ ملنے پر واپس چلے جانا چاہیے۔

زمیں کیا! آسماں بھی تیری کج بینی پے روتا ہے

خود قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَاِنۡ قِیۡلَ لَکُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا﴾ [النور: ۲۸]: جب تم کسی کے گھر جاؤ اور داخل ہونے کی اجازت طلب کرو، اور گھر والے کی طرف سے یہ کہا جائے کہ: میں اس وقت نہیں مل سکتا، آپ واپس تشریف لے جائیے تو قرآن یہ کہتا ہے کہ تم واپس جاؤ!۔ آج ہم میں کوئی ہے جو قرآن کے اس حکم کو ہضم کر سکے؟ ہم اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہوں اور وہاں سے یہ جواب ملے کہ: میں اس وقت آپ سے نہیں مل سکتا، آپ واپس تشریف لے جائیں، تو میں تو یوں سمجھتا ہوں کہ بعد میں وہ دوبارہ اس دوست کا نام بھی نہیں لے گا؛ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ: اگر آپ گئے اور اس نے آپ سے معذرت کر دی تو آپ کو واپس ہو جانا چاہیے۔

آج بھی ملتے ہیں جہاں میں وہ لوگ خال خال

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے ”معارف القرآن“ میں ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ، وہ فرماتے ہیں کہ: مَیں بہت سے لوگوں کے یہاں اسی نیت سے گیا کہ میں جاؤں اور وہ مجھے یوں کہے کہ: واپس جاؤ! تو ان کے اس ”واپس جاؤ“ کے حکم پر مَیں واپس جاؤں اور قرآنِ پاک کے اس حکم پر عمل کروں، اس نیت سے گئے۔

دیکھیے! اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں، کہ ہم کو ایسا جواب ملے تو قرآن کے اس حکم پر عمل کریں۔

بہر حال! ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ ہمارا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی کے یہاں جاویں تو ہمارا اصرار ہوتا ہے کہ ہم کو فوری طور پر بلا لیا جائے، ملاقات ہونی ہی چاہیے؛ لیکن یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غضب کی زد میں

بہر حال! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی، تو انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کہ: تیسری مرتبہ پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ، تو میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا نہیں تھا؛ لہٰذا اپنی عادت کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ: کوئی دوسرا آدمی لاؤ، گواہ لاؤ! یعنی کوئی ایسا آدمی لاؤ جس نے یہ حدیث سنی ہو۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ سب جانتے تھے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا تو کوڑے سے بھی خبر لی جاسکتی ہے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے مسجدِ نبوی میں گئے، بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے، وہاں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انصاری ہیں، ''سید الانصار'' ان کا لقب ہے، ان کا حلقۂ درس لگا ہوا تھا، سب انصار بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مشکل کا حل

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں پہنچے تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کے چہرے کو دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ گھبرائے ہوئے ہیں، حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور کہا: تم میں سے کسی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ حدیث سنی؟ پوچھا: کون سی حدیث؟ جواب دیا: ”جب آدمی کسی کے یہاں جائے تو اجازت حاصل کرنے کے لیے پہلی مرتبہ، دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ بھی سلام کرنے پر جواب نہ ملے تو لوٹ جائے“؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہا کہ: یہاں جتنے ہیں، سب نے سنی ہے۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: مہربانی کرو نا، کوئی ایک آدمی آؤ اور امیر المؤمنین کے پاس آ کر گواہی دو؛ تاکہ میری جان چھوٹے، تو حضرت بن ابی کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اس مجلس میں جو سب سے چھوٹا ہے اس کو ہم آپ کے ساتھ گواہی دینے کے لیے بھیجتے ہیں، اور پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اور گواہی دے آؤ! چناں چہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور گواہی دی، تب آپ کو اطمینان ہوا(۱)۔

اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا نام سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا

مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ: دین کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، تو جب اس آدمی نے کہا کہ: مَیں ایک آدمی کو کوفہ میں چھوڑ کر آیا ہوں جو لوگوں کو زبانی قرآنِ پاک لکھواتا ہے، تو فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے کوڑے پر پہنچا اور دریافت کیا کہ: وہ کون ہے؟ تو اس آدمی نے جواب میں کہا کہ: عبداللہ بن مسعود! جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو کوڑا اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا

(۱) صحیح البخاری، باب الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ.

اور فرمانے لگے کہ: اگر ابن مسعود ہیں تو ان کو یہ حق ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ عشاء کی نماز کے بعد مسلمانوں کو معاملات کے سلسلے میں حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا۔

جن کو کافور پے ہوتا تھا نمک کا دھوکہ

ان حضرات کا ادب دیکھیے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ادب کا خزانہ تھے، حالاں کہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں حضرات سے مشورہ کرتے تھے؛ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر بیان کررہے ہیں تو کیا کہہ رہے ہیں؟ ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا!'' ان حضرات کے دلوں میں حبِّ جاہ اور کوئی بڑائی تھی ہی نہیں۔

ہم تو سراپا گزیدہ ہیں حُبِّ جاہ کے

ہمارا حال تو یہ ہے کہ لوگوں میں کوئی مشورہ ہورہا ہے، ہمارا اس کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں ہے، ہم وہاں پہنچ گئے تو ہم یہ چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ہم سے مشورہ لے لیں، اور کہتے پھریں گے کہ: انھوں نے ہم سے مشورہ لیا۔ وہاں ان سے مشورہ ہورہا ہے تو بھی یہ نہیں کہتے کہ: مجھ سے مشورہ لے رہے تھے؛ بلکہ کہتے ہیں کہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی وہاں موجود ہوتا تھا''، یہ ادب ہے۔

فنِّ تجوید وقرأت میں حضرت ابنِ مسعودؓ کا مقام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز ایسا ہوا کہ جب ہم مشورے سے فارغ

ہوئے اور فارغ ہوکر اٹھے، تو دیکھا کہ ایک آدمی مسجد کے اندر نفل نماز میں بہت عمدہ طریقے سے قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا قرآن سننے کے لیے کھڑے ہوئے اور دیر تک سنتے رہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ دیر تک سننے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ قرآن پاک کو اسی طرح تر و تازہ لے جیسا کہ وہ آسمان سے نازل ہوا ہے، تو اس کو چاہیے کہ عبداللہ بن مسعود کو لازم پکڑ لے(۱)۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ: ان کا حال تو یہ ہے اگر وہ زبانی قرآن لکھوا رہے ہیں تو ان کا حق ہے۔

ابنِ مسعودؓ سے قرآن سنانے کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائش

بخاری شریف میں روایت ہے کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ: مجھے قرآن سناؤ! اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو پڑھ کے سناؤں، حالاں کہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے! تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي: کہ ہاں! مَیں یہ چاہتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن سنوں۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے سورۂ نساء کی تلاوت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹/۲۸۶، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ر: ۱۵۵۵۱.

كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا﴾ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بس! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں (۱)۔

مَیں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قرآن پاک پڑھتے تھے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بڑے اہتمام اور توجہ سے سنتے تھے۔

اے ابوموسیٰ! تم کو حضرت داودؑ کی عمدہ آواز کا کچھ حصہ دیا گیا ہے

بخاری شریف میں ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے گھر پر تہجد میں قرآنِ پاک کی تلاوت فرمارہے تھے، ان کی آواز بہت اچھی تھی اور بہت عمدہ قرآن پڑھتے تھے۔ رات کے سناٹے میں اُن کی تلاوت کی آواز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے میں پہنچی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا پڑھنا پسند آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سننے کے لیے اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر آیا ہوا دیکھ کر حضراتِ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہر آگئیں، اور دیر تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تلاوت سنتے رہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں کہ رات میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

صبح کو جب وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شاباشی دیتے ہوئے فرمایا: يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ

(۱) صحيح البخاری، باب الْبُكَاءِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، رقم الحديث: ۵۰۵۵.

دَاوُدَ: ''مزمار'' عربی زبان میں بانسری کو کہتے ہیں، اسی کی جمع مزامیر آتی ہے، یہاں پر بانسری بول کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عمدہ آواز مراد لی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز کی نعمت عطا فرمائی تھی، اس نعمت کا ایک حصہ تمھیں بھی عطا فرمایا ہے(۱)۔

حضرت داودؑ کے لیے صیغۂ جمع اور حضرت ابوموسیٰؓ کے لیے صیغۂ واحد استعمال کرنے کا راز

چوں کہ حضرت داود علیہ السلام کے لیے مزامیر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا، اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جو عمدہ آواز عطا فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ آپ کو بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے میری تلاوت سنی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، سنی اور مجھے بہت پسند آئی، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اَور اچھا کر کے پڑھتا۔

اللہ والوں کو خوش کرنے کے لیے نیک عمل کرنا اخلاص کے منافی نہیں

اسی حدیث سے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے بڑا عجیب وغریب استنباط کیا،

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن.

فرماتے ہیں کہ: دیکھو! حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی، انکار اور تردید نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جی خوش کرنے کے لیے زیادہ اچھا پڑھتے تو یہ بھی کوئی اخلاص کے منافی نہیں ہوتا؛ لہٰذا کوئی عمل اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو خوش کرنے کے لیے کیا جاوے تو وہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ چوں کہ آدمی اللہ کے نیک بندوں کو خوش کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ راضی ہو جائے؛ اس لیے وہ عمل مخلوط نہیں ہوتا۔

مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ: قرآنِ پاک کے الفاظ کے پڑھنے پڑھانے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بڑا اہتمام تھا، اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں جو نبی بنا کر مبعوث فرمایا تھا، اس کا اولین مقصد یہی تھا: یَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ: قرآنِ پاک کی آیتوں کی آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کرتے ہیں، لوگوں کو اس کے الفاظ سکھاتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضراتِ صحابہ کو مُعلّمِ قرآن بنا کر قبائل میں بھیجنے کا اہتمام

اور یہی نہیں؛ بلکہ جن حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دے کر تیار فرمایا تھا، ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ پاک سیکھنے کی تلقین اور تاکید فرماتے تھے، کہ فلاں سے سیکھو، فلاں سے سیکھو۔ ترمذی شریف میں روایت ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف صحابہ کے نام جیسے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ، وغیرہ صحابہ سے قرآن سیکھنے کی تاکید فرمائی ہے(۱)۔

اسی طرح جب کسی قبیلے کے لوگ ایمان لاتے تھے، اسلام قبول کرتے تھے، تو وہاں خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو قرآن سیکھے ہوئے ہوتے تھے، بھیجتے تھے، وہ وہاں جا کر قبیلے والوں کو قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دیا کرتے تھے، احکامِ اسلام سے واقف کرایا کرتے تھے۔ خود مدینۂ منورہ میں جب اسلام پھیلا تو ہجرت کر کے تشریف لے جانے سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کو اہلِ مدینہ کی قرآنِ پاک کی تعلیم کے لیے اور احکامِ اسلام سے واقف کرانے کے لیے بھیجا تھا۔

اہلِ کوفہ کو قرآن سکھلانے کے لیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب دو شہر: کوفہ اور بصرہ آباد کیے گئے تو کوفہ والوں کی تعلیم کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے شاگردوں کی پوری جماعت کے ساتھ بھیجا، اور کوفہ والوں کے نام ایک خط لکھا، اس میں یہ بات لکھی تھی کہ: ابنِ مسعودؓ کے علم کا مَیں تم سے زیادہ محتاج ہوں؛ لیکن مَیں اپنے مقابلے میں تم کو ترجیح دیتا ہوں؛ تاکہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو۔

---

(۱) خُذُوا القُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ [سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ تعالی عنهما، بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الحديث: ۳۸۱۰]

حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا امتحان

چناں چہ حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قرآنِ پاک اتنی کثرت سے سکھلایا، کہ ان کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں بڑی جماعت تیار ہوگئی۔ بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو قرآنِ پاک سکھلا رہے تھے، کہ اسی دوران حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ اس مجلسِ درس کے پاس آکر کھڑے ہوئے، اور حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے انھوں نے پوچھا کہ: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا یہ سب نوجوان قرآنِ پاک کو اسی طرح پڑھتے ہیں جیسے آپ پڑھتے ہیں؟ جواب میں حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگر آپ چاہیں تو ان میں سے کسی کا قرآن میں آپ کو سنوادوں، تو حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! سنوایئے! چناں چہ حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ بن قیس نخعی رحمۃ اللہ علیہ - جو آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھے- کو حکم دیا کہ: پڑھو! انھوں نے قرآنِ پاک کی پچاس آیتیں تلاوت کیں، جب وہ پڑھ چکے تو حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: انھوں نے کیسا پڑھا؟ تو جواب دیا کہ: بہت اچھا پڑھا! اور جس طرح تم قرآن پڑھتے ہو، اسی طرح یہ بھی پڑھتے ہیں (۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَلْقَمَةَ رحمہ اللہ تعالی، بَابُ قُدُومِ الأَشْعَرِيِّينَ وَأَهْلِ اليَمَنِ، رقم الحدیث: ۴۳۹۱.

غرض مَیں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے!

یہ تو ایک نمونہ تھا۔ حضرت علقمہ بن قیس نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: اگر تم نے علقمہ کو دیکھ لیا تو گویا حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا، ان کی چال ڈھال، انداز پڑھنا، ہر چیز حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح تھی۔ اور حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان کی چال ڈھال، انداز، ان کا اٹھنا بیٹھنا، پڑھنا ایسا تھا جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، اور ابنِ مسعود ہی کی کیا بات! ہر ہر صحابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں پوری امت کے لیے نمونہ بنا ہوا تھا۔

دین میں سند کی اہمیت

تو یہ سلسلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے برابر جاری و ساری ہے، اور یہ اسلام کی ایک خصوصیت ہے کہ اس کی ہر ہر چیز، اس کے جملہ علوم متصل سند سے ثابت ہے، انٹرنیٹ کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ ہر چیز کی سند موجود ہے کہ جو چیز لی جا رہی ہے، کس سے لی جا رہی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے: اَلإِسْنَادُ مِنَ الدِّینِ، وَلَوْلاَ الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ(۱): سند دین کا ایک حصہ ہے، اگر سند ضروری نہ ہوتی تو جو آدمی جو چاہتا، کہہ دیتا؛ لیکن ہمارے جتنے بھی علوم ہیں: قرآن اور حدیث اور علومِ دینیہ، ان سب کی بنیاد سند پر ہے، یہ ایک سلسلہ ہے جو ہم سے لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک چلا گیا ہے: آپ نے اپنے اساتذہ سے

(۱) صحیح مسلم، باب فِی أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّینِ.

پڑھا، انھوں نے اپنے اساتذہ سے، انھوں نے اپنے اساتذہ سے، اس طرح یہ سلسلہ اوپر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا کر ملتا ہے، کوئی ایسا نہیں ہے کہ خود پیدا ہو گیا اور خود آ گیا؛ بلکہ یہ سیکھنے سے آتا ہے۔

یہ کیا ہے آلو؟ ایک مبنی بر حقیقت لطیفہ

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قرآن کے الفاظ بھی از خود نہیں پڑھ سکتا؛ بلکہ سیکھنے سے آتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اپنے بھائی کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ: ایک مرتبہ وہ ٹرین سے سفر کر رہے تھے، اور قرآنِ پاک پڑھ رہے تھے، ایک انگریز بھی اس ٹرین میں ان کے ساتھ تھا، اس نے ان سے پوچھا کہ: آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو جواب دیا کہ یہ قرآنِ پاک ہے۔ اس نے کہا کہ میں ذرا دیکھ سکتا ہوں؟ جواب دیا کہ: ٹھیک ہے، دیکھ سکتے ہو! اس نے دیکھا تو جس لفظ پر نظر پڑی وہ الٓرٰ تھا۔ اب پرانے زمانے کا چھپا ہوا تھا تو ''را'' ذرا ایسا چھپا ہوا تھا کہ ''واو'' نظر آتا تھا، تو وہ دیکھ کر کہنے لگا کہ: یہ کیا ہے؟ آلو لکھا ہے؟ تو انھوں نے قرآنِ پاک لے لیا اور کہا کہ: قرآنِ پاک بغیر سیکھے نہیں پڑھ سکتے۔

الفاظِ قرآن کو صحیح پڑھنا بھی کسی ماہر سے سیکھے بغیر ممکن نہیں

اگر کوئی پڑھا لکھا ہے؛ لیکن قرآن کسی سے سیکھا نہیں ہے، اس کو سورۂ بقرہ پڑھنے کو کہیں تو وہ الٓمّٓ کو کیسے پڑھے گا؟ الگ الگ پڑھے گا؟ نہیں، وہ تو اس کو ملا کر پڑھنے کی کوشش کرے گا۔ جب تک کہ استاذ سے نہیں سیکھیں گے، اس وقت تک قرآن صحیح نہیں

پڑھ سکتے، استاذ ہمیں بتلائے گا کہ اس کو اس طرح پڑھنا ہے کہ: ''الف'' کو الگ پڑھنا ہے، لام کو الگ پڑھنا ہے، میم کو الگ پڑھنا ہے؛ ان کو ملا کر نہیں پڑھ سکتے؛ اسی لیے تو ان کو ''حروفِ مقطعات'' کہتے ہیں۔

الغرض! قرآن کا پڑھنا بھی جب تک کہ استاذ نہ پڑھائے، ممکن نہیں ہے، یہ بھی استاذ سے اخذ کرنے کی چیز ہے، یہ بھی ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔

ایمان کی دعوت پیش کرنے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ کار

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں یہ معمول رہا ہے؛ بلکہ اگر کسی کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت پیش کرنا مقصود ہوتی، تو آپ خود اس کے سامنے قرآنِ پاک کے کچھ حصے کی تلاوت فرماتے تھے، اور اس کے بعد اسلام اور ایمان کی دعوت پیش کیا کرتے تھے، یہ بھی آپ کا معمول تھا۔

درجاتِ حفظ قرآنِ پاک کی حفاظت کے وعدۂ اِلٰہی کے تکوینی نظام کا ایک حصہ ہے

ہمارے یہاں مدرسوں میں، مکاتب میں جو ناظرہ قرآن سکھایا جاتا ہے، حفظ کرایا جاتا ہے، تجوید کے جو درجات ہیں؛ یہ تینوں شعبے قرآنِ پاک کے الفاظ پر محنت کے شعبے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن مقاصد کے لیے اور جن کاموں کے لیے بھیجا گیا تھا، ان مقاصد میں جو اولین مقصد ہے، یہ سلسلے اسی میں محنت کے سلسلے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کو جو وعدہ فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا

لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ: ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کو جو وعدہ فرمایا،قرآن کی اس حفاظت کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں ایک نظام قائم کیا ہے۔یہ جو دنیا کے اندر حفظِ قرآن کے سلسلے جاری ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک اور آئندہ قیامت تک، جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو قرآنِ پاک کی حفاظت مقصود ہوگی، وہاں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس وقت دنیا کے اندر- پورے عالم میں کہیں بھی آپ پہنچ جاؤ-ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی قرآنِ پاک کی حفاظت کے لیے وقف کردی ہے،اپنی ساری صلاحیتیں اس کے پیچھے لگا رکھی ہیں،انھوں نے اپنی زندگی کا مشغلہ ہی اور اپنی زندگی کا مقصود قرآنِ پاک کو یاد کرنے اور سیکھنے،سکھانے کو بنالیا ہے۔

آپ کا جو یہ مدرسہ ہے، یہاں قرآن جو پڑھایا جاتا ہے،اس کے حفظ کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کا جو وعدہ کیا ہے،اسی کی ایک کڑی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

یہ قول حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس وعدے کو اسباب کے طریقے پر پورا کررہے ہیں، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہے؛ ورنہ آپ اندازہ لگائیے! جیسا کہ ابھی کہا گیا کہ: ان بچوں نے ڈیڑھ سال کے اندر قرآن کو مکمل کیا، اب

یہ قرآن تقریباً ۸۰۰ ؍صفحات پر مشتمل ہے، آپ کھول کر دیکھ لیجیے۔ ۸۰۰ ؍صفحے کی کتاب اور وہ بھی عربی زبان میں! یہ ان بچوں کی مادری زبان نہیں ہے، ان بچوں کی مادری زبان تو یہاں پر گجراتی ہے۔ اب جو کتاب اپنی مادری زبان میں نہیں ہے اور اتنی ضخیم کتاب ہے، اس کو اتنی قلیل مدت کے اندر یاد کر لینا! حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بچوں کا کمال نہیں ہے، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کے لیے ایک غیبی نظام چلایا ہے، یہ سب بچے، یہ سلسلے اس کے مظہر ہیں۔

مادیت کے علم بردار ملک میں کلام اللہ کی خدمت

آپ دنیا میں کہیں بھی چلے جاؤ، امریکہ میں چلے جاؤ جو اس زمانے میں مادیت کا سب سے بڑا علم بردار ہے، وہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو مدرسوں میں بیٹھے ہیں اور ۲۴ ؍گھنٹے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کو پیسوں سے کچھ پڑی نہیں ہے، بس اللہ کی کتاب کا کام انجام دے رہے ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کے لیے یہ ایک سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔

ذرائعِ علم سارے کے سارے اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں

یہ بچے قرآنِ پاک کو یاد کر رہے ہیں، انھوں نے جس زبان سے قرآنِ پاک کے الفاظ کو ادا کیا، جس کان سے سنا، جن آنکھوں سے ان حروف کو قرآن کے اوراق میں لکھا ہوا دیکھا، جن ہاتھوں سے پکڑا، جس دل ودماغ سے اس کو یاد کیا اور یاد رکھا، یہ سب کس کا دیا ہوا ہے؟ یہ آنکھیں کس نے دیں؟ یہ کان کس نے دیئے؟ یہ زبان کس نے دی؟ یہ

دل ودماغ کس نے عطا کیا؟ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا ہے، ہمارا کیا ہے؟ تو یوں سمجھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی حفاظت کررہے ہیں۔

اے صانعِ ازل! تیری قدرت کے میں نثار

اورکمال کی بات تو یہ ہے-جیسا کہ میں نے شروع میں بھی عرض کیا تھا- کہ: قرآنِ پاک اچھا کب حفظ ہوتا ہے؟ بچپن کے اندر! پچپن میں کریں گے تو نہیں ہوگا، بڑی عمر میں کریں گے تو نہیں ہوگا، بچپن میں ہوگا۔ تو بچپن میں جو یاد کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اَور اچھی طرح یاد کرادیتے ہیں اور اخیر تک باقی رہتا ہے، یہ بچوں کو جو جلدی اور اچھی طرح یاد ہوتا ہے، اس میں بھی ایک حکمت ہے اور اسی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہیں جو ان کو یاد کرارہے ہیں، اپنی کتاب کی حفاظت ان بچوں سے کروارہے ہیں۔

حالاں کہ یہ چھوٹے بچے تو وہ ہیں کہ ان کے اوپر تو ان کے ماں باپ بھی بھروسہ کرنے کو تیار نہیں۔ ماں باپ کو کہیں جانا ہو اور بچے اسکول یا مدرسے گئے ہوں تو وہ بچوں کو گھر کی چابی نہیں دیں گے؛ بلکہ پڑوسی کو دے کر جائیں گے کہ بچے جب آویں تو گھر کھول دینا۔ ان کو یہ بھروسہ نہیں کہ یہ چابی بھی حفاظت سے رکھے گا یا نہیں! ماں باپ کے ہاتھ میں پانچ، دس ہزار روپئے ہیں تو وہ بچوں کے ہاتھ میں دیں گے کہ ان کی حفاظت کرو؟ نہیں! پانچ، دس ہزار روپئے کے معاملے میں بھی ماں باپ ان پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب کی حفاظت کا کام ان

سے لے رہے ہیں۔ یہ قرآنِ پاک کا معجزہ ہے اور ان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ حفاظتِ کتاب کا اپنا وعدہ پورا فرمارہے ہیں۔

محسن قرآنِ پاک کا اعجاز ہی تو ہے

اور پھر یہ بھی قرآنِ پاک کا ایک معجزہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور یہ بچے عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، ایک ایسی کتاب جو اپنی مادری زبان میں نہ ہو، اس کو کوئی یاد کر کے بتلادے۔ مجھے اور آپ کو کوئی آدمی آ کر ''چینی'' زبان کا ایک جملہ، صرف جملہ یاد کرنے کو کہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کو یاد کرنے میں گھنٹوں لگ جائیں گے، چاہے معنیٰ نہیں سمجھتا؛ لیکن صرف الفاظ کو یاد کرنا بھی انتہائی مشکل ہو جائے گا، اور اگر یاد کر بھی لے تو جب اس کو بولے گا تو لہجہ تو اس زبان کا ہوگا ہی نہیں، گجراتی والا ہوگا، جیسے کوئی اردو بولنے والا گجراتی کا کوئی جملہ بولتا ہے تو ہم اس کو سن کر ہنستے ہیں، حالاں کہ وہ صحیح بول رہا ہے؛ لیکن لہجہ گجراتی کا نہیں ہوتا، تو یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو ان بچوں کی مادری زبان نہیں، مزید براں اتنی ضخیم کتاب! جس کو یہ بچے دو ڈھائی سال میں یاد کر لیتے ہیں، بعض کو اس سے بھی جلدی یاد ہو جاتا ہے۔

حفظِ قرآن کا ایک عجیب واقعہ

لاہور کے اندر ایک بزرگ تھے شیخ محمد اسماعیل سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو ''میاں کلاں'' یا ''میاں وڈا'' سے مشہور تھے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'' میں ایک واقعہ لکھا ہے: ان کے خاندان میں آج بھی حفظِ

قرآن کا سلسلہ چل رہا ہے، لوگوں کو حفظ کراتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی کا ایک لڑکی کے ساتھ نکاح ہوا، اب جب پہلی رات کو وہ اپنی بیوی کے پاس گیا، تو بیوی نے کہا کہ: میں تو قرآنِ پاک کی حافظہ ہوں اور تو حافظ نہیں ہے، اور غیرِ قرآن کو قرآن پر رکھنا درست نہیں ہے؛ اس لیے جب تک کہ تو حفظ نہ کرلے، میں تجھے اپنے پاس آنے نہیں دوں گی۔ وہ بے چارہ پریشان ہوگیا، کہ اب کیا کروں! وہ اس بزرگ کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت! ایک بہت بڑی پریشانی ہے، پھر اس نے قصہ بیان کیا، تو بزرگ نے کہا کہ: تم بھی داخلہ لے لو، سب بچے محنت کرتے ہیں، مشق کرتے ہیں، میں بھی تمھاری مدد کروں گا، دوسرے بچے چھ مہینے میں یاد کرتے ہیں تو تم بھی چھ مہینے میں یاد کرلوگے۔ اس نے جواب دیا کہ: چھ مہینہ کا انتظار تو بہت طویل ہے، کوئی راستہ نکالیے، بہت اصرار کیا تو کہا کہ: اچھا! ایسا کرو، کل فجر کی نماز جماعت کے ساتھ میرے پیچھے پڑھنا اور دائیں طرف کھڑے رہنا۔

اِلٰہی! سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا

دوسرے دن وہ فجر کی نماز میں ان کے پیچھے دائیں طرف کھڑا ہوا، اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے کرامت ظاہر کروائی، کہ جب انھوں نے دائیں طرف سلام پھیرا تو جتنے لوگ دائیں طرف تھے، وہ سب قرآنِ پاک کے حافظ بن گئے اور جو بائیں طرف تھے ناظرہ خواں ہوگئے۔ تو اتنی جلدی بھی قرآنِ پاک حفظ ہوسکتا ہے[1]۔

---

(۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی، ۱/ ۲۳۲، مکتبہ شیخ الہند، دیوبند

اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ

پھر اس کی وجہ سے ان کا مقام کتنا بلند ہوا!! ابھی جو حدیثیں میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھیں، ان میں ایک روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ لِلَّهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ: لوگوں میں سے کچھ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مخصوص لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص میں سے ہیں، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟: صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے خواص کون ہیں؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ (۱): نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن پاک کے پڑھنے پڑھانے والے، یاد کرنے والے اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص ہیں، خاص لوگ ہیں۔

ان طلبہ اور مولویوں کو حقیر مت جانو

کتنا اونچا مقام ہے! یہ بچے پھٹے پرانے کپڑے والے جو آپ کو اس دیہات کے ماحول میں نظر آرہے ہیں، ان کو معمولی مت سمجھو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کا کتنا اونچا مقام ہے، تم نہیں جانتے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: دنیا کے کسی بزرگ اور بڑے آدمی کے پاس کوئی رہتا ہو، تو لوگ کہتے ہیں کہ: یہ تو فلاں بزرگ کے خواص میں سے ہے، اس کو اتنا غرور آجاتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا، اور یہاں قرآن

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضى الله تعالى عنه، فَصْلٌ فِي تَنْوِيرِ مَوْضِعِ الْقُرْآنِ وَهَذَا لِأَنَّهَا مَوَاضِعُ تَشْهَدُهَا الْمَلَائِكَةُ فَمِنَ الْحَقِّ أَنْ يُنَوَّرَ وَيُطَيَّبَ، رقم الحديث ۲۴۳۴۔

پاک کے پڑھنے پڑھانے والوں کو نبیٔ کریم ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص میں بتلا رہے ہیں۔ کتنا اونچا مقام ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا ہے!

حافظِ قرآن کے والدین کا اعزاز

اس پر اَور بھی بہت سارے وعدے ہیں جو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمائے ہیں۔ ابھی ایک روایت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ: جس نے قرآنِ پاک کو پڑھا اور اس پر عمل کیا، دیکھو! اس میں عمل کی بھی شرط ہے، تو نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا، ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ: جس کی چمک دمک اور روشنی سورج کی چمک دمک اور روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، وہ سورج جو تمھارے گھروں میں آجائے۔

والدین کو پہنائے جانے والے تاج کی چمک دمک کا حال

سائنس داں کہتے ہیں کہ: یہ سورج زمین سے ۹؍کروڑ ۳۳؍لاکھ مِیل دور ہے، اتنا دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا یہ عالَم ہے، یہاں کی ہر چیز روشن ہے۔ رات کے وقت بڑی سے بڑی فلش لائٹ بھی روشن کردی جائے، تب بھی اتنی روشنی نہیں ہو سکتی، اور دیوار ہو تو دیوار کے ادھر تو کچھ نظر بھی نہیں آئے گا؛ لیکن سورج کا یہ حال ہے کہ جب وہ نکلتا ہے تو گھر کے اندر، کونے میں بھی روشنی آجاتی ہے، تو وہ سورج اگر گھر میں آجاوے تو کتنی چمک دمک ہوگی! تو قرآن پڑھ کر اس پر عمل کرنے والے کے ماں باپ کو

قیامت کے دن جو تاج پہنایا جائے گا، اس کی چمک دمک اس سے بھی زیادہ ہوگی، حالاں کہ ہوسکتا ہے اس کے ماں باپ بالکل جاہل ہوں، کچھ نہ پڑھا ہو؛ لیکن اس کی وجہ سے ان کے ساتھ اعزاز واکرام کا یہ معاملہ کیا جائے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِی عَمِلَ بِهَذَا(۱): جس نے اس پر عمل کیا، اس کے مقام کا تو تم کیا اندازہ لگا سکتے ہو!! اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو کتنا نوازیں گے!۔

عاصی رشتہ داروں کے حق میں حافظِ قرآن کی سفارش

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ: جس نے قرآن پڑھا، اس کو یاد کرلیا اور اس کے حلال کو حلال سمجھا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا، یعنی اس پر عمل کیا، تو أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِی عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ (۲): اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، اور اس کے خاندان کے ایسے دس آدمی جو اپنی بد عملی کی وجہ سے جہنم کے حق دار ہو چکے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے حق اس کی سفارش قبول کر کے ان کو جنت میں بھیجیں گے۔

قیامت کی ہولناکیوں میں حافظِ قرآن کی اہمیت

حالاں کہ وہاں کا حال تو اتنا خطرناک ہے کہ وہاں اگر کوئی آدمی پکڑا گیا تو کسی کی

---

(۱) شعب الإیمان، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ، فصل فی تعلم القراٰن، ر:۱۷۹۴۔

(۲) سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْاٰنِ، رقم الحدیث:۲۹۰۵۔

طاقت نہیں ہے کہ اس کو وہاں سے چھڑا سکے، ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ﴾ [المعارج: ۱۱، ۱۲] قرآن کہتا ہے کہ: مجرم اس دن یعنی قیامت کے دن تمنا کرے گا کہ اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے سب چیزیں فدیے میں دے دے، ساری دنیا فدیے میں دے ڈالے، تو بھی وہ اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکتا۔ ایسے خطرناک حالات میں قرآن کا پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا اپنے خاندان کے دس آدمیوں کو چھڑا لے گا، اور ان کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی سفارش قبول کریں گے۔ اس سے اس کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ان کی خوش نصیبی کے کیا کہنے!

بہرحال! یہ سلسلہ جو آپ کے علاقے میں چل رہا ہے، میں بستی والوں کو خاص طور پر مبارک باد دیتا ہوں، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو یہ توفیق عطا فرمائی، آپ نے اپنے مال کو اور اپنی چیزوں کو اس کام کے لیے وقف کیا: جنھوں نے زمینیں دیں اور جو لوگ اس میں حصہ لے رہے ہیں، وہ بڑے سعادت مند ہیں، کیا کہنا ان کی قسمت کا! وہ اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کریں، کم ہے، اور وہ یہ سمجھیں کہ ہم احسان نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ بھی یاد رکھیں۔

نہ خلوص سے جہاں سر جھکے، وہاں سجدہ کرنا حرام ہے

آج کل یہ مصیبت بھی عام ہوگئی ہے، کہ مدارس میں یا ایسے اداروں میں کوئی

آدمی ایک لاکھ روپئے دیتا ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ یہ مولوی لوگ مجھے سلام کریں، کہ میں نے ان کے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔ نہیں، بھائی! یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے آپ کو اس کی توفیق دی۔

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد

قرآنِ پاک میں ہے کہ: بعض دیہات والے جو ایمان لے آئے تھے، نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، تو وہ نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے تھے کہ گویا اسلام قبول کر کے انھوں نے حضور پر کوئی احسان کیا ہو، تو قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [الحجرات]: اے نبی! یہ لوگ آپ کے پاس آکر ایسے انداز سے پیش آتے ہیں، گویا اسلام لاکر انھوں نے آپ پر احسان کیا ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ: تم اپنے اسلام کا احسان مجھ پر مت جتلاؤ، یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے آپ کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی		منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد

یعنی کوئی آدمی اگر بادشاہ کی خدمت کرتا ہے تو بادشاہ پر اس کا احسان نہیں ہے کہ وہ اس کی خدمت کر رہا ہے؛ بلکہ بادشاہ کا احسان ہے کہ اس نے اپنی خدمت کے لیے اس کو رکھا ہے۔

آج اگر وزیرِ اعظم اپنے کسی کام کے لیے کسی کو بلالے تو وہ کیا سمجھے گا؟ یہی نا کہ میں بہت خوش قسمت ہوں! وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ میں نے اس پر احسان کیا، وہ تو یہی سمجھے گا کہ اس کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھ کو بلالیا، ورنہ وہاں تو بہت سے لوگ اس کی خدمت کے لیے تیار تھے۔

اور ہو کبھی صلے کے نہ امیدوار تم

تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے آپ حضرات کو قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے قبول کرلیا: آپ کی زمینوں کو، آپ کے مال کو، آپ کی صلاحیتوں اور محنتوں کو قبول کرلیا۔ آپ ان بچوں کی ضروریات کی تکمیل کی راہ میں جو کچھ کررہے ہیں، وہ آپ کا ان بچوں پر احسان نہیں ہے، اللہ کا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائی۔ جتنا دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان مانیں گے اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائیں گے۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس کو ہر مسلمان اپنی خوش بختی اور سعادت سمجھتا ہے اور آپ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

اس دور میں علم کا حصول بہت زیادہ آسان ہوگیا ہے

اس موقع پر میں اس بستی والوں کو بھی اور خاص کر کے بستی کے وہ احباب جنھوں نے اس ادارے کے لیے قربانیاں دیں، بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یہاں کے منتظمین، اساتذہ اور اللہ کے وہ بندے جو دور و دراز رہتے ہیں اور اس ادارے کی کفالت کرتے ہیں اور اس کے لیے مالی تعاون پیش کرتے ہیں، ان تمام کی خدمت میں مبارک باد پیش

کرتا ہوں، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ سعادت عطا فرمائی اور بڑی مبارک بادی
تو ان بچوں کے لیے اور ان کے والدین اور ان کے اہلِ خاندان کے لیے ہے، کہ اللہ
تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس کی سعادت عطا فرمائی اور اس ادارے کے آس پاس کی جو
بستیاں ہیں، گویا ان کے لیے قرآنِ پاک کا سیکھنا سکھانا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسان
کردیا، پہلے تو اس کے لیے بچوں کو دور دور تک بھیجا جاتا تھا اور اب ماں باپ کو اپنے
بچوں سے زیادہ عرصے کے لیے جدائی برداشت کرنی نہیں پڑتی۔

دنیوی تعلیم کے دیوانے

اس لیے آپ اس ادارے سے فائدہ اٹھائیے اور اپنے بچوں کو یہاں بھیجیے، کوئی
خرچہ نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتظام دیکھیے کہ یہاں جو بچے ہیں، ان کے کپڑے ماں
باپ کو سلوانے نہیں پڑتے، نہ ان کے نہانے دھونے کی فکر ہے، نہ کھانا کھلانے کی،
اسکول میں! اسکول میں بچوں کا یونیفارم ماں باپ کو سلوانا پڑتا ہے، کتابوں کے پیسے
ماں باپ کو ادا کرنے پڑتے ہیں، فیس ماں باپ کو ادا کرنی پڑتی ہے، ارے! وہ لانے
لے جانے کے لیے جس کو رکھا ہے، اس کی گاڑی کا کرایہ بھی ماں باپ کو ادا کرنا پڑتا ہے،
دو مہینے کی چھٹیوں کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے اور یہ سب ماں باپ دیتے ہیں۔

ہزاروں اور ہیں جن کا یہی انجام ہونا ہے

میں تو سنتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے! کہاں جا رہے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ کوئی
گارنٹی ہے کہ یہ بچے پڑھ لینے کے بعد ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے؟

ارے! ابھی تو اسکول میں ہے اور ماں باپ کے سر پر جوتا کھولنے کی شروعات کرتا ہے؛ لیکن وہاں سب کچھ ہو رہا ہے، اور یہاں کچھ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتیں رکھی ہیں؛ لیکن اس سے کوئی فائدہ اٹھانے کو تیار نہیں، ایسا تب ہوتا ہے جب کسی قوم کی قسمت پر مہر لگ جاتی ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مکۂ مکرمہ کا گورنر نافع بن عبدالحارث کو مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے گورنروں کا محاسبہ اور پوچھ تاچھ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ: تم نے جنگلات کا امیر کس کو مقرر کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ابنِ ابزی کو! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: یہ ابنِ ابزی کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ہمارا ایک غلام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: تم نے ایک غلام کو جنگلات کا امیر اور ذمہ دار بنایا؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ قرآن کو پڑھا ہوا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فوراً بول پڑے: أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ -صلى الله عليه وسلم- قَدْ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ (۱): اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ جو پڑھیں گے، عمل

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ، وَيُعَلِّمُهُ، وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً مِنْ فِقْهٍ، أَوْ غَيْرِهِ فَعَمِلَ بِهَا وَعَلَّمَهَا.

کریں گے، اس کا حق ادا کریں گے۔ تو ایک غلام ہے پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو یہ مقام عطا فرمایا۔ اور بہت سوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ذلیل وخوار کرتے ہیں، یعنی جو اس کو چھوڑیں گے اور اس پر عمل نہیں کریں گے۔

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

آج ہمارے اوپر جو مار ہے، جن مشکلات اور فتنوں کا ہمیں سامنا ہے، وہ قرآن کی تعلیمات، اس پر عمل اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔

مالٹا کی جیل میں سیکھے ہوئے دو سبق

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے سب کے بڑے ہیں، جب مالٹا میں دو سال کی قید بھگت کر واپس آئے تو بڑے بڑے علما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان علماء کے سامنے فرمایا کہ: بھائی! ہم نے جیل کی تنہائیوں میں دو باتیں سیکھیں: ایک یہ مسلمانوں کے آپس کے اختلاف کو کسی بھی طرح برداشت نہ کیا جائے، ان میں آپس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اور دوسرا یہ کہ قرآن کی لفظاً اور معنیً تعلیم کو عام کیا جائے، الفاظ کی تعلیم کو بھی اور معانی کی تعلیم کو بھی۔

آج قرآن کی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم لوگ ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

قیامت کے محاسبے سے خود کو بچانے کا یہیں پر انتظام کر لیجیے

میں علاقے کے لوگوں سے یہ کہنے جا رہا تھا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا

ہے، کل کو آپ میدانِ حشر میں یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ: اے باری تعالیٰ! ہمارے پاس اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے کوئی انتظام نہیں تھا: پیسے نہیں تھے، جگہ نہیں تھی، پڑھانے والے نہیں تھے۔ سب کچھ ہے، اللہ نے مفت دیا ہے، اب اس کے بعد بھی نہیں پڑھائیں گے تو کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ کل کو اللہ کی پوچھ سے اپنے آپ کو بچانے کا انتظام یہاں سے کر کے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور اس ادارے کو، اس کے منتظمین، اساتذہ اور اس کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے سبھی حضرات کو قبول فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۲)

اقتباس

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے سلسلے میں ہمیں اپنے اسلاف کے حالات کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف جن کو ہم اپنا مقتدا اور اپنا اسوہ سمجھتے ہیں، ان کے حالات پڑھیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جب یہ نعمتیں عطا فرمائیں تو ان حضرات نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق کس طرح ادا کیا، اور جب انھوں نے ان نعمتوں کا حق ادا کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی سرخ روئی عطا فرمائی، آج ہم ان کا نام اپنی زبان پر لانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، اور آخرت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بڑے درجات سے نوازا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ [البقرة:۱۲۹]

وقال تعالىٰ: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [الحجر:۹]

وقال تعالىٰ: ﴿قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا﴾ [يونس:۵۸]

وقال تعالىٰ: ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]

وقال النبی ﷺ: خَيۡرُكُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡآنَ وَعَلَّمَهٗ.

وقال النبی ﷺ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الۡقُرۡاٰنِ اقۡرَأۡ وَارۡتَقِ وَرَتِّلۡ كَمَا كُنۡتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنۡيَا فَإِنَّ مَنۡزِلَكَ عِنۡدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقۡرَؤُهَا.

وقال النبی ﷺ: مَنۡ قَرَأَ الۡقُرۡاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيۡهِ أُلۡبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ ضَوۡؤُهٗ أَحۡسَنُ مِنۡ ضَوۡءِ الشَّمۡسِ فِيۡ بُيُوۡتِ الدُّنۡيَا لَوۡ كَانَتۡ فِيۡكُمۡ فَمَا ظَنُّكُمۡ بِالَّذِيۡ

عَمِلَ بِهٰذَا.

وقال النبی ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِی عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ.

وقال النبی ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ ,قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْاٰنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ. أو کماقال علیه الصلوة والسلام.

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

ہمارے لیے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے اس مدرسے میں ان پندرہ بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ سعادت عطا فرمائی،

ایں سعادت بزورِ بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو چاہتے ہیں یہ سعادت عطا فرماتے ہیں، کسی کے بس کی چیز نہیں ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نعمت کے لیے ان بچوں کا انتخاب فرمایا اور اپنی کتاب کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو جو شغل عطا فرمایا ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

تکمیلِ حفظ کی مجلس میں ہر بچے سے اس کا آخری سبق مستقلاً پڑھوانے کا معمول ہو

یہ جو ابھی بچوں سے ان کا آخری سبق لوگوں نے سنا، میں بھی بڑے غور سے سن رہا

تھا، بہت سے حضرات سوچ رہے تھے کہ ان بچوں کو ایک ساتھ کیوں نہ پڑھوا دیا گیا؟ اور ان کا یہ پڑھنا لوگوں کے لیے بظاہر گرانی بنتا جا رہا تھا۔

بچوں سے ایک ساتھ آخری سبق پڑھوانے کے ہمارے بزرگوں کے معمول کا سبب

دیکھو بھائی! دراصل مقصد تو ان کا اعزاز ہے؛ اس لیے ہر ہر بچے سے الگ الگ پڑھوایا جائے اور باقاعدہ اس کا نام پکارا جائے۔ گذشتہ جب اسی سلسلے میں آنا ہوا تھا اور کچھ بچوں نے حفظ کی تکمیل کی تھی تو میں نے تاکید کی تھی، میں نے کہا تھا کہ: یہ جو سب بچوں سے ایک ساتھ پڑھواتے ہیں، تو ہمارے ایک بزرگ تھے: حضرت قاری سید صدیق صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ۔ حضرت کے پاس وقت بہت کم ہوتا تھا اور کسی علاقے میں جب پہنچتے تھے تو سب لوگوں کا اور مدرسے والوں کا مطالبہ ہوتا تھا، کہ ہمارے یہاں آئیں، اور حضرت کسی کی دل شکنی بھی نہیں کرتے تھے۔ مختصر وقت میں ہر جگہ جانا ہوتا تھا، ایسے موقع پر حضرت فرما دیا کرتے تھے کہ ایک ساتھ پڑھیں۔

بچوں کی محنتوں پر حوصلہ افزائی کی جائے

بہرحال! یہ ایک ضرورت تھی اور "الضرورةُ تتقدّر بقدر الضرورة" اصل تو یہ ہے کہ یہ بچے جو قرآنِ پاک کے حفظ کی تکمیل کر رہے ہیں، انھوں نے بڑی محنت کی ہے، دو سال تک، تین سال تک حفظِ قرآن میں لگے رہے، ان کے اساتذہ جنھوں نے ان پر محنتیں کی ہیں، ان کی محنتیں بھی قابلِ صد مبارک ہیں۔

حفظِ قرآن کے پیچھے ہونے والی محنتوں کی ایک جھلک

عوام کو اور لوگوں کو اندازہ نہیں کہ حفظِ قرآن کے لیے کیسی کیسی محنتیں کی جاتی ہیں؟ بچے کتنی محنتیں کرتے ہیں؟ ۲۴ ر گھنٹے اس کے پیچھے لگے رہتے ہیں، صبح ان کو جلدی اٹھا دیا جاتا ہے، اور جہاں قضائے حاجت وغیرہ سے فارغ ہوئے کہ وضو کر کے بیٹھ جاؤ۔ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور کبھی نیند کا جھونکا آ گیا تو بھی وہ سر ہلا رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں، اسی درمیان میں کچھ وقت نکال کر چائے وائے پلا دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر وہی پڑھنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

خدا کی راہ میں جہد و عمل کا کیا کہنا

گیارہ بجے تک برابر لگے رہتے ہیں، گھنٹی ہوئی تو کھانا کھا کر تھوڑی دیر لیٹ جاتے ہیں۔ ظہر ہوئی تو پھر عصر تک لگ جاتے ہیں اور عصر کے بعد کھانا کھا کر تھوڑی دیر تفریح کر لیتے ہیں، معمولی سی چہل قدمی ہو جاتی ہے اور مغرب کے بعد پھر بیٹھ جاتے ہیں اور عشاء تک پڑھتے ہیں، پھر عشاء کے بعد جب تک کہ نیند کا خوب غلبہ نہ ہو جائے، وہاں تک برابر قرآن لے کر بیٹھتے ہیں۔

مجاہدوں کو فرشتے سلام کرتے ہیں

بڑے مبارک ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب ہاتھوں میں ہے، نگاہوں میں اس قرآنِ پاک کے نقوش ہیں، زبان سے وہی الفاظ پڑھے جا رہے ہیں، کان ان ہی کو سن رہے ہیں، دل و دماغ ان ہی کو محفوظ کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کے کیسے مبارک بندے ہیں

کہ جن کے ۲۴ر گھنٹے اللہ کی کتاب کے اندر مشغولی میں لگ جاتے ہیں۔

دنیا دار کی مشغولی کی ایک جھلک

کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا مال دار اور رئیس ہے تو کیا ہے؟ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ۲۴ر گھنٹے میں ان کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی ایسی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ کا نام زبان سے ادا کرے۔ صبح اٹھے گا اور موٹر کار کی چابی لے کر کے کار کو کھولے گا، فیکٹری میں جائے گا، مزدوروں کے ساتھ مغزماری کرے گا، اپنے آفس کے لوگوں کے ساتھ اِدھر اُدھر کرے گا۔ ۲۴ر گھنٹے میں کوئی ایسا مشغلہ ہے جو ہمارے لیے قابلِ رشک ہو؟ جس کی ایک مؤمن اور دین دار آدمی تمنا کرے کہ کاش! یہ چیز ہمیں بھی حاصل ہوتی! یہ بڑی سعادت کی بات ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

حافظ ہونے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کا نام بھی پکارا جائے

یہ بچے مختلف جگہوں سے آئے، ابھی آپ کے سامنے نام پکارے گئے۔ میں نے اسی وقت تاکید کی تھی کہ استاذ کا نام بھی بولو کہ فلاں استاذ کے پاس حفظ کی تکمیل کی ہے، بچوں کا بھی نام بولو؛ تاکہ ان کا جی خوش ہو۔ ارے! اس آخری مجلس میں ان کا نام نہیں پکاریں گے تو کب پکاریں گے!!

مجھ کو معلوم ہے پیرانِ حرم کے انداز

وہ انعام کے دو پیسے دیتے ہیں، ان کے نام تو مدرسوں میں بہت زور زور سے

پکارے جاتے ہیں۔ ارے! یہ نہیں بھی دیں گے تو کیا ہوا! یہ ان کی سعادت ہے، دیتے ہیں تو دیں، نہیں دیں گے تو کون سی کمی آنے والی ہے؟ ان کے لیے تو بار بار اعلان کیے جاتے ہیں، اور یہ جو ختم کر رہے ہیں، جنھوں نے اتنی محنتیں کی ہیں، ان کا نام ایک مرتبہ بھی نہ پکارا جائے! چھوٹے بچے ہیں، ان کی زیادہ حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کی ہمتوں کو بڑھایا جائے گا تو اتنا ہی زیادہ کام کریں گے۔

بڑے خوش بخت ہیں یہ حضرات!

اساتذہ نے کتنی محنتیں کیں! یہ آدمی کے لیے کتنا محنت کا کام ہے! یہ پڑھنا، پڑھانا سب سے مشکل کام ہے۔ عوام کیا سمجھتے ہیں کہ مولویوں کو کیا ہے؟ گدّی پے بیٹھ کے لکڑی چلاتے رہتے ہیں۔ یہ جو یہاں آئے ہیں نا، وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے، نہیں بھائی! یہ تو بڑی پتّہ ماری کا کام ہے، خون کو پانی کرنا پڑتا ہے۔ یہ مدرسے والے کیسے وقت گذارتے ہیں، آپ کو اس کا اندازہ نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو قبول کرلیا کہ وہ اس کی کتاب کی خدمت کے لیے، اس کی حفاظت کے لیے، اس کی اشاعت کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قبولیت یہ بھی کوئی معمولی سعادت نہیں ہے۔

نعمتِ قرآن کے مقابلے میں دنیوی نعمتوں کو افضل سمجھنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ قرآن'' میں ایک روایت نقل کی ہے، کہ جس آدمی

کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی ہو اور پھر کسی اَور صاحبِ نعمت کو جس کو دنیا کی کوئی نعمت دی گئی ہے، اس کو دیکھ کر یہ سوچے کہ اس کو جو نعمت دی گئی ہے وہ مجھے عطا کردہ نعمت کے مقابلے میں بڑھ کر ہے۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی، آپ کسی صاحبِ دولت وثروت کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ اس کو مال کی جو نعمت ملی ہوئی ہے، وہ ہماری نعمت سے بڑھ کر ہے۔

قرآن کے ساتھ وابستگی سب سے اعلیٰ اور قابلِ فخر نعمت ہے

کسی اونچے منصب اور عہدے والے کو دیکھے، کوئی وزیرِ اعظم ہے، صدرِ اعلیٰ ہے، کسی صوبے کا گورنر ہے، اس کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے، وہ ہمیں دی ہوئی نعمت سے بڑھ کر ہے، یا دنیا کی کوئی اَور نعمت ہے اس کو اپنی اس نعمت سے بڑھ کر سمجھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جو یہ نعمت عطا فرمائی، اس نے اس کی ناقدری کی۔ گویا ہمیں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی اس نعمت پر خوش ہونا چاہیے، فخر کرنا چاہیے، قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا: یہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھا ہے، یہ اس قابل ہے کہ ہم اس پر فخر کریں، خوش ہوں اور خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ: دنیا کے لوگ جو چیزیں جمع کر رہے ہیں، چاہے کوئی بھی چیز ہو، کوئی بھی دنیوی نعمت ہو، دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی ڈگری اور منصب ہو، اس کے مقابلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمت عطا فرما رکھی ہے، وہ بہت زیادہ ہے، بہت بڑھ کر کے ہے، اور یہ اس قابل ہے کہ اس کے اوپر فخر کیا جائے، اور

اس پر فخر کرنے کا اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں۔

ہر لفظ کو سینے میں بسالیں تو بنے بات

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ (۱) کہ جو آدمی قرآن کے ذریعہ غنا حاصل نہ کرے، استغنا اور بے پروائی کا مظاہرہ نہ کرے، یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت اور دولت عطا فرمائی ہو، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی ساری چیزوں سے بے رغبت ہو کر اپنے آپ کو اس کے اندر مشغول کر لے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی دعا ہے: اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي (۲): کہ اے اللہ! قرآنِ پاک کو میرے دل کی بہار اور میرے غم کا مداوا اور میری فکر کے دور ہونے کا ذریعہ بنا دے۔

گویا ہمارے لیے قرآن ہی ایک ایسی چیز ہو جو ہمارے رگ و ریشے میں پیوست ہو چکی ہو، قرآن کے حفظ کا تقاضا یہی ہے۔

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحْبَابِ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ.

(۲) المستدرك على الصحيحين، عن عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ تعالى اللّهُ عَنْهُ، كِتَابُ الدُّعَاءِ، وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّهْلِيلِ، وَالتَّسْبِيحِ وَالذِّكْرِ، رقم الحديث: ۱۸۷۷.

ایمان کی دولت حاصل ہونے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اظہارِ مسرت

حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بیان میں یہ قصہ سنایا کہ: ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت خوشی میں ہیں، اور اس کا اظہار کرتے ہوئے ناچ رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ بلال! کیا بات ہے؟ کس چیز پر اتنے خوش ہو رہے ہو؟ تو جواب دیا کہ: میں یہ سوچ کر خوش ہو رہا ہوں کہ ایمان کی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی، اس کی تقسیم انسانوں کے حوالے نہیں کی کہ تم تقسیم کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی اپنے فیصلے سے اس نعمت کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ اگر انسانوں کو دی جاتی کہ تم تقسیم کرو تو بلال کا نمبر کہاں لگتا؟

اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، ویسے بھی اس قوم کو اہلِ دنیا کمزور اور حقیر سمجھتے ہیں، اور مزید براں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک غلام ہیں تو پتہ نہیں، میرے حصے میں یہ نعمت آتی بھی یا نہیں؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہربان چچا اور آپ کے حامی ومددگار

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرتِ ابوطالب جنھوں نے زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی، سپورٹ کیا اور پوری زندگی آپ کی مدد کرتے رہے، دشمنوں کے مقابلے میں آپ کو تقویت پہنچاتے رہے۔

حضرتِ ابوطالب کی آخری گھڑی اور ابلیسی گماشتوں کی سرگرمیاں

جب ان کی موت کا وقت آیا - بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے - تو مکہ میں

بات پھیل گئی کہ ابوطالب کا آخری وقت ہے، تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ آپس میں یہ کہتے ہوئے ابوطالب کے پاس پہنچ گئے کہ: کہیں آخری وقت میں ان کے بھتیجے ان کے پاس آکر کلمہ نہ کہلوا دے؛ اس لیے دونوں جلدی جلدی وہاں پہنچے۔

ابوطالب جہاں لیٹے ہوئے تھے، وہاں دو آدمیوں کے بیٹھنے کے بقدر جگہ تھی تو انھوں نے اس جگہ پر قبضہ کرلیا؛ تاکہ جب نبیٔ کریم ﷺ کو پتہ چلے اور آپ تشریف لاویں تو آپ کو بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔

اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ وہاں پہنچے، وہاں بیٹھنے کی جگہ تو تھی نہیں۔ کھڑے کھڑے نبیٔ کریم ﷺ نے چچا سے درخواست کی کہ: چچا! کلمہ پڑھ لیجیے! ایک مرتبہ آپ کلمہ پڑھ لیجیے پھر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کردوں گا۔

عار انسان کو بہت ساری خوبیوں سے روکنے والی ہے

ابوجہل نے کہا: ابوطالب! اگر آخری گھڑی میں کلمہ پڑھ لوگے تو مکہ کی عورتیں اور بچے کیا کہیں گے! کہ آگ سے ڈر گیا! عار دلائی، یہ عار ہے نا عار، وہ آدمی کو بہت ساری خوبیوں سے روکتی ہے۔ ابوطالب نے کہا: أختارُ النار علی العار: میں نار کو عار کے مقابلے میں اختیار کرتا ہوں، یعنی مجھے جہنم گوارا ہے؛ لیکن مکہ کی عورتیں اور بچے یہ کہیں کہ ابوطالب ڈر گیا اور کلمہ پڑھ لیا، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ دیکھئے! یہ عار آدمی کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ

ضمناً ایک بات یاد آ گئی: ان ہی کے پوتے حضرت حسن رضی اللہ عنہ - جو حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے جانشین بنائے گئے، آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی نوبت آئی تو ایک بڑا لشکر لے کر کے ان کے مقابلے کے لیے نکلے، بہت بڑا لشکر تھا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ: بھائی! ان عورتوں اور بچوں کا کیا مسئلہ ہوگا؟ یعنی اسی طرح اگر جنگیں ہوتی رہیں تو عورتیں بیوہ ہوں گی، بچے یتیم ہوں گے تو ان کو کون سنبھالے گا؟ کوئی ہے جو ان کو جا کر یہ پیغام دے کہ خدا کے واسطے جو شرط بھی وہ کہیں، مَیں منظور کرنے کے لیے تیار ہوں، شرائط لکھنے کے لیے کورا کاغذ دے دیتا ہوں۔ بات چیت ہوئی، کچھ حضرات اس کے لیے تیار ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔

دادا اور پوتے کے جواب کا فرق

حضرت حسن رضی اللہ عنہ صلح کے لیے آمادہ ہوگئے؛ لیکن آپ کے لشکر میں بڑی تعداد وہ تھی جو اس نظریے کی قائل تھی کہ ہمیں تو مقابلہ ہی کرنا ہے، ہم ہر حال میں ان کا جواب دیں گے۔ ان کو یہ صلح ناگوار گذری، تو وہ حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کہا کرتے تھے: یا عار المسلمین! اے مسلمانوں کے لیے باعثِ ننگ و عار! تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے: أختار العار علی النار: میں نے عار کو نار پر ترجیح دی ہے، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت ہے۔

ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے

جب ابوطالب دنیا سے ایمان سے محروم ہونے کی حالت میں گئے، تو نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وجہ سے بڑا دُکھ ہوا، کہ میرے چچا جو پوری زندگی میری مدد اور حمایت کرتے رہے، وہ ایمان سے محروم دنیا سے چلے گئے! اس موقع پر باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیت نازل فرمائی: ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِيۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ [القصص:۵۶] اے نبی! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا دنیا سے ایمان سے محروم جارہے ہیں اور بلال ہیں جو ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت کی عطا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے

تو اسی طرح علم اور حفظِ قرآن کی یہ دولت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے؛ ورنہ آپ دیکھیے! نام آپ نے بھی سنے ہوں گے کہ یہ بچے یہاں کہاں کہاں سے آئے ہیں! ایسے ایسے دیہات اور بستیوں کے یہ رہنے والے ہیں کہ جہاں رہنے والے ان ہی بچوں کے دادا، پردادا نے - میں تو سمجھتا ہوں کہ - قرآن کا ایک حرف بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ دولت اگر انسان کے ہاتھوں میں ہوتی تو ان کو کہاں ملتی؟ وہ تو بڑے بڑے خاندان والوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیتے کہ ان کو دو، ان کو دو۔ جو لوگ دور دراز کے دیہاتوں میں پڑے ہوئے ہیں، جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں، ان کو کون یہ دولت دیتا!!!۔

محروم بستیوں کو اس دولت سے مالا مال کرنے کا قدرتی نظام

بہرحال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دولت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے؛ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حفظِ قرآن کی نعمت سے مالا مال کیا جائے، تو اس کے لیے یہ انتظامات کر دیے۔ اب یہ بچے دور دور سے، بیرونِ ممالک سے بھی آرہے ہیں اور یہ دولت حاصل کر رہے ہیں، اساتذہ کے پاس رہ کر قرآن یاد کر رہے ہیں، حالاں کہ نہ بچے ان اساتذہ کو پہچانتے ہیں، نہ اساتذہ اور منتظمین ان بچوں کو جانتے ہیں، صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے ان کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی، یہ جذبہ ڈال دیا، یہ ان محروم بستیوں کو حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت سے مالا مال کرنے کا قدرت کی طرف سے ایک نظام ہے، اور اس کے لیے یہ ادارہ قائم فرما دیا۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتی ہے

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ علمِ دین سے محروم ان بستیوں کو بھی اس نور سے منوّر کیا جائے، ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ [القصص:۵]: یہ بنی اسرائیل کے لیے کہا گیا تھا کہ آج تک جن لوگوں کو، جس قوم کو کمزور بنا کر رکھا گیا تھا، ہم چاہتے ہیں کہ ان کے اوپر مہربانی کریں، اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نظام قائم فرما دیا۔

اس پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے، عرض کر دیتا ہوں، بڑا عبرت انگیز واقعہ ہے:

ایک چشم کُشا و عبرت نشاں واقعہ

ہمارے جامعہ ڈابھیل کے ایک فاضل ہیں: مولانا ایوب صاحب، جو مولانا ابراہیم صاحب دیولوی کے بھتیجے ہیں، ڈابھیل سے فارغ ہیں اور ایک افریقی ملک ''ملاوی'' میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے ایک واقعہ سنایا جو بڑا عبرت انگیز ہے، اس کو سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ کیا اللہ کا نظام ہے!!

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لیے

انھوں نے بتلایا کہ: ایک مرتبہ میں اپنی درس گاہ میں پڑھا رہا تھا کہ میری درس گاہ کے سامنے ایک کالا بچہ نیکر پہنے ہوئے، ''چڈّی'' پہنے ہوئے آیا، بنیان وغیرہ کوئی دوسری چیز پہنی نہیں تھی۔ جن لوگوں نے ان افریقی ممالک کا سفر کیا ہے اور وہاں کالے بچوں کو دیکھا ہے، وہ تصوّر کر سکتے ہیں کہ اس کا کیا حُلیہ ہوگا۔ وہ بچہ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر کچھ بول رہا ہے۔ ان مولوی صاحب کے پاس کالے بچے پڑھتے ہیں اور ماشاء اللہ ان پر اچھی محنت بھی کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے بچوں میں سے ایک بچے کو اس کے پاس بھیجا کہ جاؤ اور سنو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس بچے نے آ کر بتلایا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ: آپ مجھے پڑھائیں گے؟ کہتے ہیں کہ: میں نے اس کو کہا کہ: ہاں! پڑھاؤں گا۔

بچوں کی اچھی کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے

کہتے ہیں کہ: مَیں نے اس کو بلوایا، نہلایا، اس کے لیے کپڑے بنوائے اور اپنے

پاس پڑھانے کے لیے رکھا۔ کھانے، پینے کا انتظام تو وہاں تھا ہی۔ کہتے ہیں کہ: میں نے اس کو شروع سے پڑھایا۔ اس نے جب حفظ کرنا شروع کیا تو انعام کے طور پر اس کو کچھ رقم دے دیتا تھا؛ تاکہ اس کو شوق و رغبت پیدا ہو۔

آرام سے ہوں فقر کے بستر پہ میں گدا

دیکھو یہ اساتذہ! آپ کے یہاں بھی ایسے اساتذہ ہوں گے جو اچھا پڑھنے والے بچوں کو موقع بہ موقع انعام یا ان کی دل جوئی کرتے ہیں۔ ویسے آپ دیکھیں گے کہ ان کی تن خواہ کتنی ہے؟ دیکھئے! ان علماء کا اور دین کی خدمت کرنے والوں کا حوصلہ کتنا بلند ہے! ان کی تن خواہ آپ معلوم کریں گے تو وہ آپ کے دماغ میں ہی نہیں آئے گی! دو، ڈھائی ہزار تن خواہ ہوتی ہے۔ آپ کے گھروں میں تو چائے کا خرچہ بھی اس سے پورا نہیں ہوتا۔ یہ مولوی اتنی تن خواہ سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں بھی پوری کر رہا ہے اور یہاں بچوں کو انعام بھی دے رہا ہے۔ یہ حوصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ہی کو عطا فرمایا ہے، صحیح بات تو یہ ہے۔

بچے پھر بچے ہوتے ہیں

کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں دار الاقامہ میں جائزہ لینے کے لیے گیا تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک چھوٹا سا ٹرانجسٹر ہے۔ اب اس کے گھر والے تو بالکل غریب تھے، وہ کیا دیتے؟ یہاں سے انعام کے طور پر ملنے والی رقم سے ہی خریدا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ: میں نے یہ منظر تو دیکھا تو بڑا غصہ آیا اور ٹرانجسٹر زور سے زمین پر پٹکا اور ٹکڑے ٹکڑے

کر دیا، اور کہا کہ: میں تجھے اس لیے انعام کے طور پر پیسے دیتا ہوں؟ اب بچے تو بہر حال بچے ہوتے ہیں، وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ: ایک آدمی کو لے کر اس کو تلاش کرنے کے لیے بیس کیلو میٹر کا پیدل سفر کیا، وہ پہاڑی علاقہ ہے، پیدل ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال! اس کو تلاش کر کے لے آیا اور اس کو سمجھایا اور دوبارہ تعلیم شروع کی۔

کیا کہنا ان بوریہ نشینوں کا

اپنے پاس پڑھنے والے بچے کے ساتھ استاذ کو جو تعلق ہوتا ہے، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک بلاکم ہوئی، نہیں، نہیں، نہیں۔ ایک بچہ جب ہنستا ہے تو استاذ کے دل پر کیا گذرتی ہے، وہ استاذ سے پوچھو، اس کو اپنے شاگردوں کے ساتھ اپنے بیٹے جیسی محبت ہوتی ہے، یاد نہ کرنے کی وجہ سے اس کو مارتا بھی ہے، یہ الگ بات ہے، باقی یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقِ قلبی ہوتا ہے۔

پہاڑی راستوں میں اس طرح پیدل بیس کیلو میٹر کی مسافت طے کرنا کوئی آسان کام ہے!۔

ایک طالبِ علم کی تلاش کے لیے پنجاب کا سفر

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے استاذ کا قصہ سناتے تھے کہ: ایک طالبِ علم ان کے پاس پڑھتا تھا، قرآنِ پاک حفظ کرتا تھا، وہ بھاگ گیا تو اس کو تلاش کرنے کے لیے گنگوہ سے پنجاب گئے۔ وہ لڑکا پنجاب کا تھا، وہاں گئے اور اس کو تلاش

کر کے لے آئے۔

طالبِ علم سے استاذ کے تعلق کا دل فریب نظارہ

ان کی عادت یہ تھی کہ کسی وجہ سے بچے کو مارتے تھے تو ایک لکڑی بچے کو مارتے اور ایک لکڑی اپنی ذات کو مارتے۔ گویا یہ بتلانا چاہتے تھے کہ میں یہ بدرجۂ مجبوری مار رہا ہوں، کوئی شوق میں نہیں۔ کیسا تعلق ہوتا ہے استاذ کو ان بچوں کے ساتھ!

اس بچے کا واقعہ آپ کو سنا دوں، وہ بھی عبرت والا ہے:

در تیری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

اس کی حفظ کی تکمیل ہوئی تو جیسے تکمیلِ حفظِ قرآن کی یہ مجلس ہے وہاں بھی ایک مجلس منعقد کی گئی اور لوگوں کو اس میں جمع کیا گیا، اس جلسے میں وہاں کے ایک وزیر بھی شریک تھے- ہماری بھی ان سے ملاقات ہوئی ہے، ابراہیم نام ہے اور اس مدرسے کے ذمہ دار بھی ہیں، دین کے کاموں میں مدد کرتے رہتے ہیں- جب اس بچے کا نام اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا گیا تو انھوں نے اس کو حیرت سے دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کہتے ہیں کہ: میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے جواب میں بتلایا کہ:

یہ وہ بچہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوا تو اس وقت اس کی ماں کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا۔ پیدا ہونے پر اس کی ماں نے اس کو اٹھا کر کوڑا دان میں ڈال دیا۔ میں اسی محلے میں رہتا تھا، ایک عورت نے آکر مجھے بتلایا کہ فلاں عورت کو بچہ پیدا ہوا اور اس نے

اس کو کوڑا دان میں ڈال دیا ہے۔ میں وہاں گیا اور اخبار کے ایک کاغذ میں اس کو لپیٹ کر ہسپتال لے آیا، وہاں اس کو طبّی امداد پہنچائی گئی، پھر اس کو دوسری جگہ رکھا گیا، یہ وہی بچہ ہے جو کوڑے دان میں ڈال دیا گیا تھا۔ آج جب میں نے اس کا نام سنا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت پر حیرت ہوئی، کہ وہ بچہ کہ جس کے ساتھ پیدائش کے وقت یہ معاملہ کیا گیا تھا، آج قرآن کی دولت سے مالا مال ہے۔

اس کے لطف وکرم کے کیا کہئے

اسی بچے کے متعلق انھوں نے سنایا کہ: وہ بچہ قرآنِ پاک بہت عمدہ پڑھتا ہے، ویسے بھی کالے لوگوں کی آواز اچھی ہوا کرتی ہے۔ اب وہاں دبئی میں قرأتِ قرآن کا مسابقہ ہوتا ہے اور مختلف ممالک کے حُفّاظ اور قُرّاء کو وہاں مدعو کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں بھی دعوت آئی اور ہمارے یہاں جو انجمن تھی، اس میں اس بچے کا نام تجویز کیا گیا اور اس کو وہاں بھیجا گیا۔

بچے کے باپ کی مالی حیثیت

اب اس کا باپ غریب آدمی تھا، مسجد ہی میں رہتا تھا اور اس کی صاف صفائی کی خدمت کرتا تھا، حالاں کہ کسی نے اس کام کے لیے اس کو مقرر نہیں کیا تھا، اپنے طور پر یہ خدمت انجام دیتا تھا۔ یہ مسجد بازار کے اندر ہے، جب روزانہ جھاڑو سے، صاف صفائی سے فارغ ہوتا تھا تو وہاں بازار میں دکانوں کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاتا تھا، لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ مسجد کی صاف صفائی کر کے آ گیا ہے، تو لوگ اس کو کچھ نہ کچھ دے دیتے

تھے اور اسی سے اس کی گذر بسر ہوتی تھی۔

بچے کی قسمت کھل گئی

جب اس بچے کو مسابقے میں بھیجا گیا تو اس کو تین ہزار ڈالر کا انعام ملا، اب اس کو انجمن کی طرف سے بھیجا گیا تھا تو انجمن نے انعام کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ اس انعام کا کچھ حصہ تو انجمن کے لیے ہوگا، ایک حصہ بچے کے لیے، ایک حصہ اس کے استاذ کے لیے اور ایک حصہ اس کے باپ کے لیے۔ وہ کہتے ہیں کہ: مجھے انعام کے بارے میں کہا گیا تو میں نے کہا کہ: مجھے تو اس انعام میں سے کچھ نہیں چاہیے۔ اب اس کا اور اس کے باپ کا جو حصہ تھا، اس کو بینک میں جمع کرایا گیا۔

یہ بچہ حافظ ہوگیا اور اس کے بعد ساؤتھ افریقہ میں مدرسہ زکریا مزید پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ ہم دو سال پہلے گئے تھے تو انھوں نے کہا کہ اس سال وہ بچہ فارغ بھی ہوجائے گا۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے!

غریب آدمی کا امیرانہ جذبۂ سخاوت

اب باپ کے پاس ایک ہزار ڈالر کی رقم آئی تھی۔ اس کے بعد یہ ہونے لگا کہ اس کا باپ میرے پاس آتا اور چیک پر دستخط کراتا، کبھی سو ڈالر اٹھاتا کبھی ڈیڑھ سو، کبھی دو سو، تھوڑے سے عرصے میں وہ ساری رقم ختم ہوگئی۔ اس کے بعد اس کو کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ میرے پاس آیا، مجھے بڑا غصہ آیا اور غصے میں کہا کہ: تو بھی بڑا عجیب آدمی ہے، اتنی بڑی رقم تو نے اتنی تھوڑی سی مدت میں فضول خرچی کر کے ضائع کر دی۔ میری

ناراضگی دیکھ کر وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کو لے کر آیا، اس آدمی نے مجھے کہا کہ: یہ کہہ رہا ہے کہ آپ مجھ سے جو ناراض ہو رہے ہیں تو ناراض نہ ہوں، وہ جو رقم مجھے ملی تھی، وہ قرآن کی نسبت پر ملی تھی، اس میں سے ایک پائی بھی میں اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام سمجھتا ہوں، میری بستی کے اندر مسجد کی ضرورت تھی، میں نے اس رقم سے مسجد بنوائی، یہ اس کا جذبہ تھا۔

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: یہ دولت اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، یہ بچے جو حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا انعام اور اکرام ہے، اور ایسی دولت ہے جس پر فخر کرنا بجا ہے۔

یہ دو آدمی حقیقت میں قابلِ رشک ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَهُوَ يُنْفِقُهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ: دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر رشک کیا جا سکتا ہے، ان کو دیکھ کر آدمی یہ تمنا کر سکتا ہے کہ کاش! یہ نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بھی دی ہوتی: ایک تو وہ آدمی جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی اور اتنا ہی نہیں، اس کے بعد اس کا قدرداں رہتا ہے، رات اور دن اس قرآن کو لے کر کھڑا ہوتا ہے،

(۱) صحیح مسلم، عن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما، باب فَضْلِ مَنْ يَقُوْمُ بِالْقُرْاٰنِ وَيُعَلِّمُهُ وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً مِنْ فِقْهٍ أَوْ غَيْرِهِ فَعَمِلَ بِهَا وَعَلَّمَهَا.

یعنی ہاتھ میں پکڑ کر نہیں ؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے نیت باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور نماز میں اس قرآن کی تلاوت کرتا ہے، وَارْزُقْنِی تِلَاوَتَهُ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ ، ہمیں دعا بتلائی کہ، اے اللہ! ہمیں رات اور دن کی مختلف گھڑیوں میں اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما۔

خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں

گویا اس کی زبان پر قرآن جاری ہے، جب دیکھو! تلاوت کر رہا ہے۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو فجر سے قرآن پڑھنا شروع کرتے ہیں اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، دس پارے ختم کرتے ہیں، ایک منزل ختم کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ، یعنی پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ ہے: کتابیں پڑھاتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے دوسرے کام بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ تلاوت کا یہ سلسلہ بھی جاری ہے۔

زمیں کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے

ہمارے طلبہ کا تو یہ حال ہے کہ ان سے پوچھئے جو کتابیں پڑھتے ہیں کہ: آپ روزانہ کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ حالاں کہ مدارس والوں نے قرآن کی تلاوت کا باقاعدہ وقت فارغ کر رکھا ہے دس منٹ، پندرہ منٹ؛ لیکن پھر بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو قرآن لے کر بیٹھتے ہیں اور سر جھکائے ہوئے ہیں، اس کی تلاوت کے بجائے دوسری مصروفیات میں لگ جاتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تلاوت میں مشغول ہیں،

نگرانی کرنے والوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ نے اسی کو بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا: ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرۃ:۹] وہ ایسا سمجھتے ہوں کہ ہم نے نگران کو دھوکہ دیا تو حقیقت میں نگران کو دھوکہ نہیں دیا؛ بلکہ خود اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جو آدمی بھی ایسے کام میں جو اس کی بھلائی کے لیے کیا جارہا ہے، ایسی شکلیں اختیار کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، اس میں مدرسہ والوں کا، منتظمین کا، آپ کے استاذ کا، نگران کا کوئی نقصان نہیں، نقصان صرف آپ کا ہے، یہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

ہمارے طلبہ بہت سی چیزوں میں ایسی شکلیں اختیار کرتے ہیں: نماز کی شکل بناتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے، کتاب کھول کر مطالعے کی شکل بناتے ہیں اور مطالعہ نہیں کرتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے نگران کو، اپنے استاذ کو دھوکہ دے رہے ہیں، نہیں! یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینا ابھی سمجھ میں نہیں آئے گا، بعد میں پتہ چلے گا۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے سلسلے میں ہمیں اپنے اسلاف کے حالات کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف جن کو ہم اپنا مقتدا اور اپنا اسوہ سمجھتے ہیں، ان کے حالات

پڑھیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جب یہ نعمتیں عطا فرمائیں تو ان حضرات نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق کس طرح ادا کیا، اور جب انھوں نے ان نعمتوں کا حق ادا کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی سرخ روئی عطا فرمائی۔ آج ہم ان کا نام اپنی زبان پر لانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بڑے درجات سے نوازا۔

اب اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو یہ نعمت عطا کر رہے ہیں؛ لیکن ہم اس نعمت کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں، اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے جو طریقہ، جو انداز ان حضرات نے اختیار کیا تھا اور جو عملی نمونہ ہمارے لیے اس دنیا سے بتلا کر گئے، ہم اس نمونے کو اختیار نہیں کرتے، تو نقصان کس کا ہے؟ نقصان تو اپنا ہی ہے۔

طلبہ کو اسلاف کے حالات پڑھ کر انھیں اپنے لیے نمونہ بنانے کی ضرورت ہے

ہمیں تو ضرورت ہے کہ ان چیزوں کو دیکھیں کہ انھوں نے علم کو پڑھا تو اس کا حق کس طرح ادا کیا؟ اس علم کی ترویج اور اشاعت کے لیے انھوں نے کس طرح اپنے آپ کو قربان کیا؟ کس طرح انھوں نے خدمتیں کیں؟ اس علم کو پڑھ کر کے اس پر عمل کرنے کے کیسے نمونے پیش کیے؟ ایک ایک چیز میں کتنی احتیاط ہوا کرتی تھی! ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک ارشاد جب سنتے تھے تو وہ ان کے دل و دماغ کے اندر محفوظ ہو جاتا تھا، ان کے دل پر نقش ہو جاتا تھا، اور جب وقت آتا تھا

تو اس پر عمل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

احادیثِ رسول پر عمل کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بے مثال جذبہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جس پر انھوں نے خراج مقرر کیا تھا، یعنی اس کی جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک حصہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈال رکھی تھی، ایک مرتبہ وہ کھانے کی کوئی چیز لے کر کے آیا اور حضرت کے سامنے رکھ دیا، دو چار روز سے فاقہ تھا؛ اس لیے حضرت نے فوراً ایک لقمہ لے کر کے حلق سے نیچے اتار دیا، اس غلام نے کہا: آقا! آپ تو روزانہ مجھ سے سوال کرتے تھے جب بھی میں کچھ لاتا، کہ کہاں سے لایا؟ آج آپ نے کچھ نہیں پوچھا، کیا بات ہے؟ فرمایا: کئی وقت کا فاقہ تھا؛ اس لیے پوچھنا بھول گیا، بتا کہاں سے لایا؟ اس نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں میں نے کہانت کی تھی۔

کہانت کا مفہوم

زمانۂ جاہلیت میں کہانت جس کو ہم گجراتی میں ''جیوتشی'' کہتے ہیں، لوگ ان کے پاس اپنے ہاتھ وغیرہ دکھاتے تھے اور آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھتے تھے، اس زمانے میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے پاس شیاطین کا آنا جانا ہوتا، اور وہ شیاطین ان کو اس قسم کی باتیں ان کو بتلاتے تھے، اور یہ کاہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے تھے جن میں کوئی ایکا دبات آسمان کی ملی ہوئی شیاطین کے پاس ہوتی تھی، وہ بھی آجاتی تھی، اور اس کی وجہ سے ان کا کاروبار چلتا رہتا تھا۔

کریلا اور نیم چڑھا

تو غلام نے کہا کہ: میں نے زمانۂ جاہلیت میں کہانت کی تھی، کچھ لوگ میرے

پاس آئے تھے اور انھوں نے مستقبل کے متعلق کچھ باتیں مجھ سے پوچھی تھیں، میں نے بتلائی تھی اور مجھے کہانت کرتے آتا نہیں تھا، میں نے ان کو دھوکہ دیا۔ ایک تو کہانت خود ناجائز کام تھا، مزید براں اس میں دھوکہ دہی شامل ہوگئی تھی، ''کریلا اور نیم چڑھا'' کے مصداق، تو بہرحال! اس نے کہا کہ: اس وقت اس کا معاوضہ اور اجرت دینے کے واسطے ان کے پاس کچھ تھا نہیں، تو انھوں نے کہا کہ: کسی دوسرے وقت جب ہمارے پاس کچھ مال ہوگا، ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ اس کے بعد تو یہ غلام مسلمان ہو گیا۔ کہا کہ: آج میں ان کے علاقے سے گذر رہا تھا، وہاں کوئی تقریب تھی، کھانا پکا ہوا تھا، یہ پکا ہوا کھانا مجھے انھوں نے اسی کے معاوضے میں دیا ہے۔

اب جو معاوضہ کہانت کے اندر دیا جاتا ہے، اس کو ''حُلوان الکاھن'' کہا جاتا تھا: کاہن کی خدمت میں پیش کی جانے والی چیز۔ اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بہت زیادہ طبیعت پر اثر ہوا اور فرمایا: تُو تو مجھے ہلاک کر کے رکھ دیتا، اور حلق میں انگلی ڈالی اور ایک لقمہ جو حلق سے نیچے اترا تھا اس کو باہر نکالنے کی کوشش کی، کہ قے ہو اور نکلے، اب وہ ایک ہی تو لقمہ تھا اور وہ بھی کئی وقت کے فاقے کے بعد پیٹ میں گیا تھا، تو بھلا وہ کیسے نکلتا! نہیں نکلا۔

اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

کسی نے کہا: حضرت! کچھ پانی پی لیجیے اور پھر قے کریں، شاید اس پانی کے ساتھ نکل آئے گا۔ چناں چہ ایک بڑے پیالے میں پانی منگوایا، پیا اور پھر انگلی ڈال کر

قے کی، اور بڑی مشکل سے وہ لقمہ باہر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر کسی نے حضرت سے عرض کیا: حضرت! ایک ہی تو لقمہ تھا اور اس کو پیٹ سے نکالنے کے لیے آپ نے اتنی ساری مشقت اٹھائی؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی، ضرورت ہے کہ اس بات کو ہم اپنے دل پر نقش کرلیں، کیا فرمایا: ''اگر یہ لقمہ میری جان کے ساتھ نکلتا تو بھی مَیں اس کو نکال کر رہتا''، یعنی اس لقمے کو نکالنے میں اگر میری جان نکل جاتی تو بھی مَیں اس لقمے کو نکالتا؛ اس لیے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ: حرام غذا سے جسم کا جو حصہ تیار ہوا: إِنَّهُ لاَ يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلاَّ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ (۱): کہ جسم کا جو گوشت حرام مال سے پل کر کے تیار ہوا ہو، جہنم کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے، اور میں گوارا نہیں کرتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ حرام غذا سے تیار ہوا اور وہ مجھے جہنم میں لے جائے۔

علم کا حق

دیکھیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے دماغ میں کیسا بیٹھا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کیسی مشقت اٹھائی! دراصل علم کا حق یہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس علمِ دین کی نعمت ہمیں عطا فرمائی، اس نعمت کا حق کیا ہے؟ اس کا حق یہی ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے، اس کا حق ادا کرنے کے لیے، اس کی ترویج واشاعت کے لیے، اس کی خدمت کے لیے، اس کی حفاظت کے لیے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے

---

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي، ۱۴/۱۱۸، باب اتّقاء الشبهات.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقے بتلائے ہیں اور ہمارے اسلاف نے اس پر عمل کر کے اس کے نمونے ہمارے سامنے چھوڑے ہیں، ہم اسی کو اختیار کریں۔ اگر اسی راہ پر چلیں گے تو ہی ہم کامیاب ہوں گے۔

تمھیں آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج ہمارا سب سے بڑا المیہ اور پرابلم جو ہے وہ یہی ہے، کہ ہم علم کے الفاظ حاصل کرتے ہیں، علم کے حصول کے لیے سالہا سال لگا دیتے ہیں، محنت کرتے ہیں؛ لیکن اس علم کا حق ادا کرنے کے لیے ان حضرات نے ہمارے لیے جو عملی نمونے چھوڑے تھے، ان کو ہم نے اپنے ذہن و دل سے نکال دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ جن کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے تھے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت میں جو سرخ روئی عطا فرمائی تھی، وہ ہمیں حاصل نہیں ہے۔ یہ تو ہمارا قصور اور ہماری کوتاہی ہے۔

میں آپ حضرات سے خاص طور پر یہ کہوں گا کہ: بھائی! جب ہم نے اپنی زندگی کا مقصد علمِ دین کو بنالیا کہ ہم یہی کریں گے، تو اب اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی دنیوی کام میں لگا ہوا ہو، وہ اِدھر اُدھر دھیان نہیں دیتا۔

ہماری بدذوقی اور غفلت

کہیں کوئی تماشا ہو رہا ہو، لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہیں، میچ ہو رہا ہے اور لوگ ٹی وی کے پاس کھڑے ہیں، اندر ٹی وی ہے اور لوگ باہر بھیڑ لگائے کھڑے ہیں، اب جو اندر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہیں، ان کو اس کا کوئی پتہ نہیں کہ باہر کون آجا رہا ہے؟ وہاں

کیا ہورہا ہے؟ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں، اپنی ذات سے بھی بے خبر ہیں۔ ایک تماشا دیکھنے والا تماشے کے لیے سب کچھ کررہا ہے، اور اِدھر ہمارا حال یہ ہے کہ اہم سے اہم اور بڑی سے بڑی دینی بات ہورہی ہے؛ لیکن اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، اِدھر مجمع میں سے کوئی کھڑا ہوگیا تو سارا مجمع اسی کی طرف دیکھنے لگے گا، اُدھر سے کوئی آرہا ہو تو پیچھے مڑ کر کے دیکھیں گے۔

ہمیں علم کے آداب معلوم ہی نہیں اور اس کو حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے، جب ان کا لحاظ نہیں ہوگا تو علم کے برکات کیسے آئیں گے!!

حُفّاظ اور مدارسِ دینیہ

حفاظتِ قرآن کے وعدۂ الٰہی کی تکمیل کا ایک حصہ ہیں

میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت قرآنِ پاک کی شکل میں عطا فرمائی ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، یہ اس نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ یہ پہلے ہی میں آپ کو بتلاچکا ہوں کہ اس نعمت کے حصول میں ہماری کسی سعی کو دخل نہیں ہے، یہ تو بہانہ ہے کہ ہم قرآن کھول کر کے بیٹھتے ہیں، یہ کوئی ہماری قوتِ حافظہ کا کمال نہیں، یہ کوئی ہماری محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے، یہ تو درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اس کتاب کی حفاظت کے لیے ایک نظام دنیا میں چلا رکھا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر ہمارے زمانے تک اور آگے قیامت تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو جب تک قرآنِ پاک کی حفاظت منظور اور مقصود ہے، وہاں تک یہ چلتا رہے گا، اور اللہ

تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس نظام کے اندر ڈال کر ہمیں بھی استعمال کرلیا، ہمیں اس نظام کا ایک حصہ بنالیا، یہ اللہ کا کرم ہے۔

حفظِ قرآن کو اللہ تعالیٰ ہی نے آسان کردیا ہے

ان بچوں نے قرآنِ پاک دو سال میں، ڈھائی سال میں یاد کرلیا، عام طور پر ڈھائی سال میں پورا ہوجاتا ہے، چھ مہینے دور چلتا ہے، عام دستور یہی ہے؛ لیکن اتنی ضخیم کتاب جس کو انھوں نے یاد کیا، یہ دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے، ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]: یہ اللہ نے آسان کردیا ہے؛ ورنہ آپ ان بچوں سے کہیے کہ: اتنی ہی ضخیم کتاب، عربی کی نہیں، اپنی زبان کی، گجراتی کی دو تین سالوں میں ایسی پختہ یاد کیجیے تو ممکن نہیں ہے، ہم اس کتاب کے تین صفحے، چار صفحے روزانہ یاد کرتے ہیں تو گجراتی کتاب کے تین چار صفحے یاد کرکے دکھلائیں! حالاں کہ یہ دوسری زبان کی کتاب ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا معنی ہے؟ جانتے نہیں ہیں، پھر بھی دیکھیے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسان کردیا۔

قرآنِ پاک کے الفاظ بھی مقصود ہیں

قرآنِ پاک کے الفاظ بھی مقصود ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الحجر:۱] اور ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ [النمل:۱] قرآن کے دو نام ہیں: (۱) قرآن اور (۲) کتاب، قرآن یعنی مَا يُقْرَؤُ یعنی جو پڑھا جائے، قرآن کو ''قرآن'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو پڑھا جاتا ہے، جو چیز

پڑھی جائے وہ قرآن ہے، اور پڑھا کیا جاتا ہے؟ الفاظ! زبان سے اس کے کلمات کا تلفظ ہوتا ہے، اور کتاب یعنی مَا یُکْتَبُ: جو لکھا جائے۔

لفظ کی حقیقت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: لوگو! یہ الفاظ ہی نہیں، یہ کاغذ کے اوپر لکھے ہوئے جو نقوش ہیں، وہ بھی مقصود ہیں، الفاظ تو ان کو کہا جاتا ہے جو زبان سے ادا کیے جاتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں، نحو پڑھتے ہیں کہ لفظ کا معنی پھینکنا ہوتا ہے تو زبان سے اس کو ادا کیا جاتا ہے؛ اس لیے اس کو لفظ کہتے ہیں، ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ [ق:۱۸] کہ اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے، پھینکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک نگران اس کو لکھنے کے لیے، نوٹ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اور وہ بھی ایسا چوکس ہے کہ کوئی چیز چھوڑتا نہیں ہے۔

صرف الفاظ ہی نہیں، قرآن کے نقوش بھی مقصود ہیں

بہر حال! الفاظ تو زبان سے ادا کیے جاتے ہیں، اور کتاب کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس کے نقوش کاغذ کے اوپر لکھے جاتے ہیں، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: لو بھائی! اب تک تو بات الفاظ کی تھی، اب تو نقوش بھی مقصود ہو گئے۔ ''گئے تھے نماز معاف کرانے اور روزے گلے پڑ گئے'' والا معاملہ ہو گیا؛ لیکن یہ نہیں ہے، یہ بات تو وہ لوگ کرتے ہیں جو ناقدری کرنے والے ہیں۔

قرآنِ پاک کا رسم الخط توقیفی ہے

تجوید وقرأت کے شعبے میں رسم یعنی لکھنے کا طریقہ بھی ایک مستقل موضوع ہے، اس پر قُرّ اء نے با قاعدہ کتابیں لکھی ہیں، ہم اپنی چاہت اور مرضی سے جس طرح چاہیں قرآن کی آیات اور جملے نہیں لکھ سکتے، قرآن کے لکھنے کے بھی با قاعدہ اصول وقواعد ہیں، اسی طریقے سے لکھنا ضروری ہے۔ حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جس طریقے پر صحابہ کے اجماع سے لکھا گیا، اسی طریقے سے لکھنا ضروری ہے۔

قرآن کے رسم الخط میں عدمِ تبدیلی کے وجوب کی حکمت

چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے، تو اس کے لیے ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا کہ جس میں وہ سارے طریقے سمو دیے گئے۔ یہ تو ہمارے لیے زبر، زیر، پیش اور نکتے لگائے گئے؛ ورنہ پہلے جو لکھا جاتا تھا اس میں زبر، زیر، پیش اور نکتے نہیں ہوتے تھے، اب یہ زبر، زیر، پیش اور نکتوں کو آپ نکال دیں تو یہ جتنی بھی قرأتیں منقول ہیں، یہ ان سب پر منطبق ہو جائے گا۔

آپ سورۂ فاتحہ کو دیکھو: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، اب مٰلكِ يَوْمِ الدِّيْنِ دیکھیے: کیسے لکھا گیا ہے؟ اس میں ''الف'' نہیں؛ تا کہ دونوں طریقے سے پڑھا جا سکے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، اسی طرح دوسری بہت سی آیات ہیں، تو بہر حال! قرآن کے یہ نقوش بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ضروری ہیں، اس کے علاوہ کسی اَور طریقے سے لکھنا جائز نہیں ہے۔

قرآن کی شکل میں انتہائی قیمتی خزانہ اللہ تعالیٰ نے امت کو عطا فرمایا ہے

تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کسی بادشاہ نے کسی کو بہت بڑا موتی دیا اور کہا کہ: دیکھو! اس کی خوب حفاظت کرنا۔ جاؤ، گھر کے اندر جا کر کے، الماری کے اندر رکھ کر کے اس موتی کے اوپر تالا لگاؤ، اور اس الماری کو بھی گھر کے محفوظ کمرے کے اندر رکھو۔ اب جو اس کی قدر و قیمت جانتا ہے، وہ بادشاہ کے اس حکم کو سمجھے گا کہ برابر ہے، ایسا ہی کرنا چاہیے، اور جو نہیں جانتا وہ کہے گا کہ: ایک تو یہ موتی خود مصیبت تھی، اوپر سے اس کے لیے تجوری بھی لاؤ اور تالا بھی لاؤ۔

یاد کرنے کے بعد قرآن کو برابر پڑھتے رہنا بھی ضروری ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت ہمیں عطا فرمائی؛ اس لیے اس کی حفاظت کی بھی تاکید فرمائی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا (۱): قرآن کو کثرت سے پڑھا کرو؛ اس لیے کہ حفظ کرنے کے بعد اطمینان سے بیٹھ گئے کہ اب تو یاد ہو گیا، ہمارے سینے میں آ گیا، اب تو نکلے گا نہیں، ہم نے اس کو تجوری کے اندر بند کر دیا ہے۔ نہیں بھائی! یہ اندر ہے؛ لیکن یہ اندر اسی وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ آپ اس کو کثرت سے پڑھتے رہیں گے، پڑھنے کا سلسلہ باقی

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ، باب استذکار القرآن وتعاهده.

رکھیں گے تو باقی رہے گا، پڑھیں گے نہیں تو نکل جائے گا۔

نعمتِ قرآن ہمیں بلا استحقاق عطا ہوئی ہے

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ اس قابل ہے کہ ہم اس پر فخر کریں، اس پر خوش ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں بلا استحقاق عطا فرمائی ہے، ہمارا کوئی حق نہیں تھا کہ ہم دعویٰ کرتے کہ: ہم کو یہ ملنا چاہیے۔ حقوق تو ایسی چیز ہے کہ اگر نہ ملیں تو دعویٰ کر کے وصول کرتا ہے، لیتا ہے؛ یہ کوئی ہمارا حق نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا فرمایا، اور اتنی بڑی نعمت دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارا انتخاب فرمایا۔

دولتِ علم کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں میں رکھی ہے

ایک طالبِ علم کسی دیہات کا رہنے والا ہے، اس دیہات میں دنیا کی بہت سی چیزیں پہنچی نہیں ہیں، وہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اٹھا کر کے یہاں پہنچ دیا، کاہے کے لیے؟ قرآن سیکھنے کے لیے! اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کی عطا کے لیے اس کو منتخب فرمالیا، یہ محض اس کا فضل ہے۔ اگر اس دولت ونعمت کی تقسیم دنیا والوں کے ہاتھوں میں دی گئی ہوتی کہ تقسیم کرو، تو ہمارا نمبر کہاں لگنے والا تھا؟ مجھے اور آپ کو کوئی نہیں پوچھتا کہ اپنے گاؤں کے اندر پڑے رہو اور مزدوری کرتے رہو، کھیتی کرتے رہو، بیل ہانکتے رہو اور ہل چلاتے رہو۔ ہمیں اور آپ کو کون پوچھتا؟ بڑے بڑوں کو دے دی جاتی۔ یہ نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھوں میں رکھی اور اس کونے میں سے

جہاں دنیا کی سہولتیں پہنچتی نہیں ہیں، ہمیں یہاں مدرسے میں پہنچایا۔

اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے

ہمارے مرغوب بھائی تھے - اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے - کہا کرتے تھے کہ: ہمارا گاؤں تو اتنا پس ماندہ ہے کہ ساری دنیا میں سب سہولتیں پہنچ جائیں، سب جگہ پختہ سڑکیں اور روڈ بن جائے۔ اب پوچھیں گے کہ کوئی رہ گیا؟ تو کہیں گے کہ: خانپور رہ گیا۔ بجلی ساری دنیا میں پہنچ جائے اور اس کے بعد حکومت والے آکر تحقیق کریں کہ کوئی گاؤں رہ گیا؟ تو کہیں گے کہ خانپور رہ گیا۔ ہمارا گاؤں تو ایسا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ایسے گاؤں میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے لیے مدرسے میں پہنچادیا، یہ کوئی ہمارے اختیار کی بات تو ہے نہیں۔

میں آپ کے سامنے یہی کہہ رہا ہوں، ایک نمونہ پیش کر رہا ہوں کہ آپ سوچیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہاں سے اٹھایا، کہاں پہنچایا۔ یہ نعمتیں دیں تو ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کو آگے بڑھانا، یہ ہمارا کام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے موقع دیا گیا ہے اور اس کے سارے اسباب بھی مہیا کیے گئے ہیں۔

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا نہیں ہے

ایک آدمی غریب ہے اور کہتا ہے کہ: میرے پاس روزی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اب وہ کسی سے درخواست کرتا ہے کہ آپ میری اتنی مدد کردیں کہ میں بھروچ میں کسی آبادی میں ایک دکان خریدلوں۔ اس نے دکان خرید کر دلوادی، مال بھی لاکر بھر دیا اور

کہا کہ: اب بیٹھو۔ اب وہ نہ دکان کھولتا ہے اور نہ مال بیچتا ہے تو آپ کیا کہیں گے؟ جو کچھ اسباب ہونے چاہیے تھے، وہ تو مہیا کردئے، اب آگے کے کام اس کو کرنے ہیں، وہ بھی نہ کرے تو کیا کہیں گے؟ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو جو موقع دیا گیا تھا، اس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت

اسی طرح ہم دیہات میں پڑے تھے، وہاں حصولِ علم کے اسباب تھے نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں سے یہاں پہنچایا، سارے اسباب مہیا فرمائے، ساری سہولتیں عطا فرمائیں، اس کے باوجود کچھ نہ سیکھیں، نہ پڑھیں، محنت نہ کریں۔ اسی طرح علم حاصل کرنے کے بعد عمل کا اہتمام نہ کریں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟ اور جب یہ نہیں ہوگا تو آگے کی منزل کیسے پار ہوگی؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے بڑے عالم بن جائیں۔ اگر تمناؤں کی وجہ سے کوئی عالم ہوتا تو آج دنیا کے اندر سبھی عالم ہوتے، یہ تمناؤں سے حاصل ہونے والی چیز نہیں ہے، اس کے لیے تو خون کا پانی کرنا پڑے گا۔

حاصل کردہ علم پر عمل بھی ضروری ہے

اور محنت کے بعد بھی خالی علم حاصل ہوا، اس علم کے بعد آگے عمل کے درجات، مراحل، یہ بھی بہت اہم ہیں، یہ بھی ضروری ہے، اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اس کی طرف سے غفلت برتی جارہی ہے، اس کا اہتمام کرنے کی

بھی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی علم کی اس دولت کی قدر کی جائے، بڑی عظیم دولت ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی قدردانی نصیب فرمائے۔ جن بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل کی ہے، ان کو، ان کے والدین اور اساتذہ کو مبارک بادی دیتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مجلسِ تکمیلِ حفظِ قرآن (۳)

اقتباس

اس میں بھی تلاوتِ آیات کا درجہ پہلا ہے؛ البتہ بیان میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر مقدم فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جن قلوب کو کتاب وحکمت سے آراستہ کیا جا رہا ہے، ان کو پہلے پاک صاف کر لینے کی ضرورت ہے۔ ہم جب کسی برتن میں کوئی عمدہ چیز: دودھ، حلوی وغیرہ رکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس برتن کو اچھی طرح دھولیں گے، صاف کرلیں گے، گندے، میلے کچیلے برتن کے اندر اچھی چیزیں نہیں ڈالی جاتیں، تو کتاب وحکمت کے انوار جب ہم اپنے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کی پہلے صفائی ہو جانی چاہیے، اسی اہمیت کو جتلانے کے لیے پہلے اس کو بیان کیا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ [البقرة:۱۲۹]

وقال تعالىٰ: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [الحجر:۹]

وقال تعالىٰ: ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]

وقال النبی ﷺ: مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلاَّ أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب كَيْفَ نُزُولُ الْوَحْيِ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ)

وقال النبی ﷺ: لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ.

(صحیح مسلم، عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما، باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ الخ)

وقال النبی ﷺ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِى الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا.

وقال النبی ﷺ: تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا. (صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ، باب استذکار القرآن وتعاهده.)

وقال النبی ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِى بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِى عَمِلَ بِهٰذَا.

وقال النبی ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِى عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ

وقال النبی ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ, قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْاٰنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ.

انعقادِ مجلس ہٰذا کی دو وجہیں

حضراتِ علماءِ کرام، مشائخِ عظام، اربابِ علم وفضل اور میرے مسلمان بھائیو!

آج کی یہ مجلس، یہاں یہ ادارہ جو قائم ہے اور چند سالوں سے کام کر رہا ہے، اس میں ایک تو جو نئی جگہ منتخب ہو کر اس میں نئی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں، اور اس میں تعلیم اور رہائش وغیرہ امور منتقل ہونے والے ہیں، تو ان حضراتِ اکابر کو دعوت دے کر، ان کی برکات حاصل کر کے تعلیم اور رہائش کا سلسلہ شروع کیا جائے، ایک مقصد تو یہ ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ ادارہ جو گذشتہ چند سالوں سے شروع ہوا ہے، آج اس میں پہلی مرتبہ کچھ طلبہ حافظ ہو رہے ہیں جو ہمارے سامنے اپنا آخری سبق سنائیں گے۔ کوئی آدمی جب باغ لگاتا ہے اور اس کا پہلا پھل آتا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی، بڑا خوش ہوتا ہے کہ آج ہمارے باغ میں لگائے ہوئے درخت کا پہلا پھل ہم لے رہے ہیں۔

یہاں بھی آپ حضرات کی کوششوں اور تمناؤں اور اہلِ علم کے تعاون سے ''دارالاحسان'' کے نام سے ایک سلسلہ جو پچھلے دنوں شروع کیا گیا تھا، اب وہ بار آور ہو رہا ہے اور ترقی کر رہا ہے، اور آپ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دیکھئے! یہاں کتنے اہلِ علم، بڑے بڑے علماء، محدثین، مدارس سے تعلق رکھنے والے اور مشائخ موجود ہیں، صلحاء کی بڑی جماعت ہے۔ واقعۃً آپ حضرات نے بڑا اہتمام کیا ہے، ان حضرات کو یہاں دعوت دے کر، بلا کر ان کی برکات کو حاصل کرنے کا اچھا اہتمام کیا ہے۔

بعثتِ محمدی، دعائے ابراہیمی کا ثمرہ ہے

بہر حال! یہ ایک مسرّت کا موقع ہے، اسی نسبت سے یہاں جمع ہوئے، ویسے تو ایسے موقع پر موقع کی مناسبت سے کچھ باتیں پیش کر دی جاتی ہیں کہ بچے حفظِ قرآن کی تکمیل کریں گے اور یہ ادارہ جن مقاصد کے لیے وجود میں آیا ہے، وہ کیا ہیں؟ تو میں نے آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی جو آیتیں تلاوت کیں، ان میں پہلی آیت دراصل

سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی وہ دعا ہے جو انھوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت کی تھی۔

بنائے کعبۃ اللہ کے وقت دعائے ابراہیمی

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے تعاون سے اس کی بنیادیں اٹھائیں، اور اللہ ہی کے حکم سے اس کی عمارت کو ازسرِ نو تعمیر کیا، قرآن میں باری تعالیٰ اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ: ’’یاد کرو اس وقت کو اور اس منظر کو اپنی نگاہوں میں تازہ کیجیے، اس کا تصور کیجیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے اور صاحب زادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس کام میں ان کا تعاون اور مدد کر رہے تھے‘‘۔ اور پھر وہ اس کام کو انجام دیتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا بھی کر رہے تھے، کیا دعا کر رہے ہیں؟: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: ’’اے باری تعالیٰ! ہمارے اس عمل کو قبول فرمائیے، اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیے‘‘۔

اعمالِ صالحہ کی انجام دہی کے وقت قبولیت کی امید کے ساتھ عدمِ قبولیت کا ڈر بھی رہنا چاہیے

سوچنے کی بات ہے! اللہ کے حکم سے، اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے کی رہنمائی میں انجام دیا جا رہا ہے، پھر بھی ڈر رہے ہیں کہ پتہ نہیں قبول ہو یا نہیں؟ اس میں ہم دین کا

کام کرنے والوں کے لیے سبق ہے، کہ ہم چاہے کتنا ہی بڑا کام کر رہے ہوں؛ لیکن کبھی اپنے اس کام پر اِترانا نہیں چاہیے؛ بلکہ ڈرتے رہنا چاہیے، کہ پتہ نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ دیکھو! حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام دعا کر رہے ہیں، حالاں کہ یہ کام تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے کیا جا رہا تھا، فرشتے رہنمائی کر رہے تھے، اس کے باوجود ڈر رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: ''اے ہمارے پروردگار! تو ہماری طرف سے اس عمل کو قبول فرما، تو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا اور ان کے دلوں کے حال سے واقف ہے''۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اسی موقع پر اللہ تعالیٰ سے ایک نبی کی بعثت کی بھی دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: اے اللہ! تو اس امت کے اندر اس کی ہدایت کے لیے، اس کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک رسول بھی عطا فرما۔

دعائے ابراہیمی میں مقاصدِ بعثتِ محمدی کی طرف اشارہ

اس رسول کا کام کیا ہوگا؟ وہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اسی دعا کے اندر بیان کر دیا گیا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: کہ وہ رسول لوگوں کے سامنے تیری کتاب کی آیتوں کو پڑھے، اس کی تلاوت کرے۔ اس دعا میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد - اور مختصراً کہیں تو تین مقصد - بتلائے ہیں، ان میں سے ایک تو تلاوتِ آیات ہے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: ان کو کتاب بھی سکھلائے اور حکمت

بھی، کتاب کی تشریح بھی بتلائے، تو دوسرا مقصد تعلیمِ کتاب وحکمت ہے۔ وَيُزَكِّيهِمْ: اوران کا تزکیہ بھی کرے، ان کے دلوں کو گندگیوں سے، برے اخلاق سے، بری صفات سے پاک اورصاف کرے تو آپ کی بعثت کا تیسرا مقصد تزکیۂ نفوس بھی ہے، تو گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقصد بھی اس دعا کے اندر بتلا دیے گئے۔

دعائے ابراہیمی کے علاوہ آیت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کا بیان

اورقرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کا اسی طرح بیان کیا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ: ''وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں کے اندران میں سے ایک نبی بھیجا، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اوران کو گندگیوں سے اور بری صفات اوراخلاق سے پاک اورصاف کرتے ہیں، اوران کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔ اتنا ہے کہ ذراسی ترتیب بدل دی: حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی دعا میں وَيُزَكِّيهِمْ آخر میں ذکر کیا تھا، اللہ نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ کیا وہاں يَتْلُوا کے بعد وَيُزَكِّيهِمْ اور پھر وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ذکر فرمایا۔

آیتِ بالا میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر مقدم کرنے کی حکمت

اس میں بھی تلاوتِ آیات کا درجہ پہلا ہے، البتہ بیان میں تزکیہ کو تعلیمِ کتاب پر

مقدم فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ، جن قلوب کو کتاب وحکمت سے آراستہ کیا جا رہا ہے، ان کو پہلے پاک صاف کر لینے کی ضرورت ہے۔ ہم جب کسی برتن میں کوئی عمدہ چیز: دودھ، حلوی وغیرہ رکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس برتن کو اچھی طرح دھولیں گے، صاف کرلیں گے، گندے، میلے کچیلے برتن کے اندر اچھی چیزیں نہیں ڈالی جاتیں، تو کتاب وحکمت کے انوار جب ہم اپنے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کی پہلے صفائی ہو جانی چاہیے، اسی اہمیت کو جتلانے کے لیے پہلے اس کو بیان کیا گیا۔

آیتِ بالا دین کے تمام شعبوں پر حاوی ہے

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد قرآنِ پاک میں کئی جگہوں پر بتلائے گئے ہیں، جو یہی تین ہیں: (۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیمِ کتاب وحکمت (۳) تزکیہ۔ دین کے تمام شعبے اس میں آ گئے ہیں کہ قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دینا بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک بڑا مقصد ہے، اور قرآنِ پاک کے معانی اور اس کی حکمت سے لوگوں کو آگاہ کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ہے، اور ساتھ ہی ساتھ قلوب کے اندر جو گندگیاں ہیں، بری عادتیں ہیں، ان سے دلوں کو پاک اور صاف کرنا یعنی تزکیہ بھی۔ تو گویا مکتب بھی ہے اور اوپر کی تعلیم کے جو سلسلے ہیں یعنی مدارسِ عربیہ، دار العلوم، وہ بھی ہیں اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے بعد کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر تزکیہ ہوتا ہے یعنی خانقاہی سلسلہ بھی ہے، تینوں چیزیں اندر آ جاتی ہیں۔

مقصدِ اول کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی

ہمارے اکابر نے ان ہی مقاصدِ بعثت کو دنیا کے اندر عام کرنے کے لیے یہ سلسلے قائم کیے ہیں، مدارس کے اندر ایک تو شعبہ ہوتا ہے قرآن کی تعلیم کا، اس کے الفاظ کی تعلیم کا، اس میں ناظرہ بھی ہے، حفظ بھی ہے اور تجوید وقرأت بھی ہے، اس میں صرف قرآنِ پاک کے الفاظ پر محنت ہوتی ہے اور قرآن کے الفاظ کی اسی تعلیم کے لیے ہمارے اکابر نے گاؤں گاؤں اور دیہات دیہات میں مکاتب کا سلسلہ بھی قائم کیا ہے۔تو گویا تلاوتِ آیات جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد ہے، یہ سب اس سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔

مقصدِ ثانی کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی

اور پھر مدارسِ عربیہ اور دارالعلوم قائم کیے جن میں علومِ عربیہ کی تعلیم ہوتی ہے، وہ مقصد نہیں ہے، ان کو تو کہتے ہی علومِ آلیہ ہیں، وہ تو قرآن وحدیث سمجھنے اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں، چناں چہ شروع میں نحو، صرف وغیرہ علوم پڑھا کر کے اخیر میں مقاصد یعنی قرآن وحدیث پڑھائے جاتے ہیں، تو یہ تعلیمِ کتاب وحکمت کا سلسلہ ہے۔

مقصدِ ثالث کی تکمیل کے لیے ہمارے اسلاف کی سعی

اور پھر اس کے بعد کسی اللہ والے کی خدمت میں جا کر تزکیۂ نفوس کا مرحلہ طے کیا جاتا ہے، جس کے لیے ہمارے اکابر نے خانقاہی سلسلہ قائم کیا ہے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

ویسے ہمارے اکابر جنھوں نے ہمیں اس راہ پر لگایا ہے، ہم جب ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں یہ تینوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، وہ قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ آج تو ہمارے مدارس کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہر مدرس یہ چاہتا ہے کہ مجھے بخاری پڑھانے کو مل جائے، اور اسی کو اپنی معراجِ کمال سمجھتا ہے، اور قرآن کے الفاظ کی تعلیم کی دلوں میں وہ وقعت نہیں جو بخاری کی تدریس کی ہوا کرتی ہے۔

دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دینے والے جملے

یہ حال جب دیکھتے ہیں تو دل کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے، دماغ پر چوٹ لگتی ہے، بعض حضرات کو پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھاتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ جلالین کا متن پڑھاتے ہیں، بیضاوی کا متن پڑھاتے ہیں۔ یہ جملے ہوتے ہیں اہلِ علم کے! یہ کتنا خطرناک جملہ ہے، حالاں کہ تلاوتِ آیات، الفاظِ کتاب کی تعلیم تو مقاصدِ بعثت میں سے ہے۔

آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز

حالاں کہ ہمارے تمام اکابر کے جو شیخ المشائخ ہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکی نور اللہ مرقدہ، ان کو ''سید الطائفہ'' اسی لیے کہتے ہیں کہ طائفۂ دیوبندیہ کے سرخیل ہیں، اور ان کے جو شیخ ہیں حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی نور اللہ مرقدہ، ان کی پوری زندگی آخر کس میں گذری؟ قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم میں۔ یوپی کی اصطلاح میں

''میاں جی'' کہتے ہی ہیں قرآنِ پاک کے الفاظ پڑھانے والے، مکتب پڑھانے والے کو۔ اتنے بڑے بزرگ اور اتنے اونچے مقام پر فائز ہونے کے باوجود پوری زندگی قرآنِ پاک کے الفاظ کی تعلیم دی ہے۔ اور ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: وہ بچوں کو الفاظِ قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اسی میں صاحبِ نسبت بنادیا کرتے تھے۔ یہ حال تھا ان کا!

مکاتب کی تعلیم کی حالیہ کمزوری بڑا المیہ ہے

ہمارے اہلِ علم کے لیے ضرورت ہے کہ ہم قرآن پاک کے الفاظ کی تعلیم کی اہمیت کو ہم پہچانیں، اور اس کی تعلیم کی طرف ہم توجہ دیں۔ آج مکاتب کی تعلیم کا نظام پہلے کے مقابلے میں کمزور اور ابتر ہوتا جارہا ہے، شکایتیں آرہی ہیں۔ وہ بستیاں، وہ آبادیاں جہاں پہلے علماء کی ایک پوری جماعت ہوا کرتی تھی۔ یہ جو ہمارے سورت اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے، اس کے بعض قصبوں میں کسی زمانے میں علماء کی بڑی تعداد ہوتی تھی، آج ایسا نہیں ہے، وہاں کے لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آج مکتب کی تعلیم کا وہ معیار باقی نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔

اہلِ مدارس کی ذمہ داریاں

تو ضرورت ہے کہ جہاں ہم بڑے مدارس قائم کررہے ہیں، وہاں ان مدارس کے ساتھ ساتھ دیہاتوں کے مکاتب کی تعلیم کا بھی فکر کریں۔ جہاں بھی بڑا مدرسہ ہو، اپنے اطراف کے دیہاتوں کے مکاتب کی نگرانی اور ان میں تعلیم کا بہتر سے بہتر نظام

بنانے کے لیے اپنی طرف سے پوری کوشش ہو اور ایک نظام ہو۔ گویا جہاں کوئی بڑا مدرسہ قائم ہو رہا ہے تو صرف اتنا ہی نہیں کہ اطراف کے بچوں کو اپنے یہاں بلا کر، دار الاقامہ میں رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت کرے؛ بلکہ آس پاس کے دیہاتوں میں مکاتب کے قیام اور ان دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں کی دینی تعلیم وتربیت کا بھی انتظام کرے، وہاں ایسے علماء کا تقرر کرے جو موقع بہ موقع ان کو دین کی باتوں سے مسائل سے واقف کرتے رہیں، اور حالات کے مناسب معلومات فراہم کرتے رہیں۔

ہمارے ملک میں چپّے چپّے پر پھیلے ہوئے مدارس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو یہ سلسلے جاری ہیں، میں تو جب دیکھتا ہوں تو دل کے اندر عجیب اثرات ہوتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت پر بہت شکر ادا کرتا ہوں۔ بیرون ممالک میں جاتے ہیں، جیسے یورپ کے ممالک میں جانا ہوتا ہے، امریکہ وغیرہ کا سفر ہوتا ہے اور جو حضرات جاتے ہیں، ان کو بھی اندازہ ہے۔

بیرون ممالک میں حفظِ قرآن کی نعمت اور اس کی قدردانی

ایک مرتبہ نیوجرسی جانا ہوا، وہاں غالباً دو بچے حفظ کی تکمیل کر رہے تھے، وہاں ہمارے ایک شاگرد ہیں، انھوں نے درجۂ حفظ شروع کر رکھا ہے، وہاں تکمیلِ حفظ کی مجلس قائم کی گئی، اور دور دور سے لوگ اس میں شرکت کے لیے آئے تھے اور بڑی خوشی کا اظہار کر رہے تھے، بڑی دعوتیں ہو رہی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ دیکھیے! یہاں ایک، دو بچوں

نے حفظ کی تکمیل کی ہے، اُس پر اِس قدر مسرّت کا اظہار کیا جارہا ہے، اور ہمارے یہاں ایک مجلس میں تیس، تیس، چالیس، چالیس، پچاس، پچاس بچے حفظِ قرآن کی تکمیل کرتے ہیں، اور سال بھر میں بارہا ایسے مناظر دیکھنے کی ہمیں نوبت آتی ہے۔ ہمارے اکابر کی محنتوں اور توجہات کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔

ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے مدارس کا یہ سلسلہ ہمارے اکابر کے فکر اور کوششوں کا نتیجہ ہے

ہمارے اکابر نے ہندوستان کے اندر انگریز کے تسلط کے بعد قرآنِ پاک کے حفظ کا اور دینی تعلیم کا یہ سلسلہ مدارس کی شکل میں شروع کیا۔ اس زمانے میں ایک مدت تک تو یہ کوشش کی گئی کہ اس کا تسلط ختم کیا جائے، اس کے لیے باقاعدہ مسلّح جدّوجہد کی گئی؛ لیکن اس مسلّح جدوجہد کے اندر جب ناکامی ہوئی تو ہمارے اکابر نے مشورے سے یہ طے کیا، کہ اگر اس ملک کے اندر دین وایمان کو باقی رکھنا ہے تو اس کے لیے مدارس کا سلسلہ قائم کیا جائے؛ چناں چہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اسی فکر کے نتیجے میں پڑی تھی، اور اس کے بعد ان بزرگوں کی کوششوں اور ان کی توجہات کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دارالعلوم ہی کے طرز پر ملک کے مختلف حصوں میں یہ متعدد ادارے اور مدارس قائم فرمائے۔

دنیا کے کتب خانوں کو چاہے تم جلا ڈالو

ویسے تو یہ سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ انگریز جب شروع میں آیا تو اس نے دونوں کوششیں کی تھیں: ایک کوشش تو یہ کی تھی کہ قرآنِ پاک کو باقاعدہ ختم کیا جائے، چناں چہ

بڑی تعداد میں قرآن کے نسخے خریدے جاتے تھے اور ان کو جلا کر ضائع کیا جاتا تھا، یہ چیز جب چلی تو لوگوں میں اس کی وجہ سے اشتعال پھیل گیا۔

جلے گا کیا میرا قرآن جو ہے حافظ کے سینے میں

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک بڑے میاں ایک بچے کو لے کر کے انگریز حاکم کے پاس پہنچے اور بچے سے کہا کہ: بیٹا! پڑھو! بچے نے قرآن سنایا، بڑے میاں نے کہا کہ: دیکھو! ہمارے یہاں تو اس طرح بچہ بچہ قرآنِ پاک کا حافظ ہے، اگر آپ اس طرح قرآن کے نسخوں کو خرید کر کے ضائع کریں گے، تو اگر اس سے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن ختم ہو جائے گا تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ دوسری طرف دین وایمان ختم کرنے کے لیے اس نے پادریوں کی بڑی ٹیم منگوائی تھی اور ان کو پورے ملک کے اندر پھیلا دیا گیا۔ ملک میں عیسائیت کو ترویج دینے کے لیے حکومت کی طرف سے ہر طرح کے حربے استعمال کیے گئے: زر، زور، لالچ؛ ہر طرح کے حربے آزمائے گئے؛ لیکن اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی، اس کے لیے باقاعدہ ہمارے علماء میدان میں اترے اور پادریوں سے مناظرے کیے، ان میں سر خیل حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی کتاب ''اظہار الحق'' ہے۔

پورے عالم میں پھیلے ہوئے مدارس
ہندوستان کے مدارسِ دینیہ ہی کے فیض کا اثر ہیں

بہر حال! یہ ایک سلسلہ ہے جو ہمارے اکابر کے زمانے سے شروع ہوا، اور یہیں سے

یہ سلسلے پورے عالم کے اندر پھیلے، ہمارے ملک ہندوستان سے پڑھ کر کے جو حضرات دوسرے ملکوں میں گئے، وہاں پر بھی انھوں نے یہ سلسلے شروع کیے۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ دشمن لوگ سازشیں کر کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو بھی وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔

مدارس ومکاتب کی اہمیت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے مکتب اور مدرسوں میں پڑھانے والے علماء پر اشکال کرتے ہوئے کچھ کہا تھا، تو انھوں نے جواب میں کہا تھا کہ: ان کو مت چھیڑو، ان کو رہنے دو، یہ نہیں ہوں گے تو تمھیں معلوم ہے کہ کیا ہوگا؟ وہ منظر میں اسپین کے اندر دیکھ کر کے آیا ہوں، جہاں ۸۰۰ ر سال تک مسلمانوں کی حکومت رہنے کے باوجود آج وہاں اسلام کا نام ونشان نہیں ہے۔

اسپین کے سفر کے دوران حضرت کا ذاتی تجربہ

میں ابھی گذشتہ دنوں وہاں گیا تھا، جب ہمارا قافلہ جامعِ قرطبہ میں پہنچا، بارہ آدمی تھے تو باقاعدہ ہماری نگرانی ہورہی تھی، ایک نگران ہمارے ساتھ تھا، جب ہم نے وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس نگران نے فوراً فون کر کے کئی نگران بلا لیے، اور ہم میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک آدمی لگا دیا کہ یہ کہیں بھی، کسی کونے میں بھی ایک رکعت پڑھنے نہ پاویں۔

دشمنانِ اسلام کی اسلام مخالف مہم جوئی

یہ زمانہ وہ ہے کہ لوگ اخبار کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ، دیہات کے اندر بھی

آدمی جب تک کہ تازہ اخبار نہیں پڑھے گا وہاں تک چائے کا گھونٹ اس کے حلق کے نیچے سے اترتا نہیں ہے۔ صبح ہوئی نہیں کہ اخبار! اوران اخباروں نے ایک مہم چلا رکھی ہے۔ یہ جو میڈیا ہے- چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو- اس نے شعائرِ اسلام کی عظمت اور محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کی مہم چلا رکھی ہے۔

مسلمان اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

اور آپ نے یہ سنا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بنیاد کیا بتائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کے دل میں بھری جائے۔ آج کا دشمنِ اسلام اور دشمنِ مسلمین طبقہ بہ خوبی جانتا ہے کہ مسلمانوں کے بچے بچے کے دل میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیوست ہے، بھری ہوئی ہے، اس کا دل اس میں ڈوبا ہوا ہے، کیسا ہی بدعمل کیوں نہ ہو، کیسا ہی بدکار اور بددین مسلمان کیوں نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کی بات آتی ہے تو وہ جان دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اس چیز کو سمجھتے ہیں؛ اس لیے انھوں نے اب نئے انداز سے اس امتِ مسلمہ کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی ہے۔

ہماری کمزوری

یہ جو میڈیا ہے، وہ ایسی بحثیں چھیڑ رہا ہے کہ جس سے ہمارے نوجوانوں اور ہماری آنے والی نسلوں کے دلوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، قرآنِ پاک کی محبت، شعائرِ اسلام کے ساتھ جو محبت اور عشق ہے، وہ ختم ہو جائے، ایسی نئی نئی باتیں اور اعتراضات

چھیڑ دیتے ہیں۔ انھوں نے کوئی شوشہ چھوڑ دیا، اب اس پر بحثیں چل رہی ہیں اور لوگ اس پر اپنی رائے قائم کر رہے ہیں۔

اسیرانِ شہرت و نام و نمود

اور پھر کمال تو یہ ہے کہ جس کو کچھ لینا دینا نہیں، اب یہ میڈیا والے اس کے پاس جا کر پوچھتے ہیں کہ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ اور وہ حضرت بھی- جب میڈیا والے اس کے پاس پہنچ گئے تو- اس کے بارے میں بولنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور پھر میڈیا والے اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ: فلاں کا انٹرویو لیا گیا اور فلانے کا انٹرویو لیا گیا۔ گویا دین ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس پر ظلم کرتے رہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ’’الاعتدال فی مراتب الرجال‘‘ کے اندر لکھا ہے کہ: دین ہی بے چارہ ایک ہے جس کے بارے میں ہر ایک سمجھتا ہے کہ مجھے رائے زنی کرنے کا حق ہے۔

دخل در نا معقولات

حالاں کہ کوئی بڑے سے بڑا وکیل ہو، سپریم کورٹ کا وکیل ہو؛ لیکن ڈاکٹری کے پیشے سے متعلق کسی چیز کے بارے میں وہ بولے گا تو ڈاکٹر اس کو منہ توڑ جواب دے گا کہ: وکیل صاحب! آپ سپریم کورٹ کے وکیل ہیں اور ملک کے معروف و مشہور وکیل ہیں، اپنی جگہ! لیکن یہ آپ کا موضوع نہیں ہے، اس میں آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر وہ سمجھ دار ہوگا تو بولے گا ہی نہیں، اور اگر کسی نے بول دیا تو اس کی فوراً پکڑ کی جائے گی، کہ اس معاملے میں بولنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے؛ لیکن دین کے معاملے

میں ہر کوئی بولنا اپنا فریضۂ منصبی سمجھتا ہے۔

دین کے معاملے میں بولنے کا حق کس کو ہے؟

ویسے تو ہر مسلمان کو دینی معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔ کتنے سارے دینی مدارس قائم ہو گئے ہیں؟ اس لیے دین کی صحیح معلومات حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں رہا ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح مت کرو، تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ: کیا دین کے بارے میں بولنے کا سارا پروانہ آپ کے پاس ہی ہے؟ کیا اس کا حق صرف آپ ہی کو حاصل ہے؟ نہیں، نہیں! ایسا نہیں ہے، یہ مدرسے کھلے ہوئے ہیں، آپ بھی آیئے، داخلہ لیجئے اور دین کی با قاعدہ تعلیم حاصل کیجیے۔ اس کے بعد آپ کو جو کچھ بولنا ہو، بولئے۔ اس کے شرائط پورے کیے بغیر آپ بولتے ہیں؛ اس لیے ہم ایسا کہتے ہیں، یہ تو ایمان واسلام کا معاملہ ہے۔

باطل کے رسیا

اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر اتنی معلومات رکھتا ہو کہ کوئی بھی آدمی اس کے عقائد کو متزلزل نہ کر سکے۔ یہ صدی علم کی صدی ہے۔ مجھے ہمارے مسلمان بھائیوں پر تعجب ہوتا ہے، ہمارے یہاں جو گجراتی اخبارات ہیں، ان میں تو اب روزانہ کوئی اضافی حصہ لازماً شائع ہوتا رہتا ہے، جس کو گجراتی میں ''پورتی'' کہتے ہیں، اور سارے اخبار ''دھارمک پورتی'' بھی شائع کرتے ہیں، اور اس میں ان کے سارے توہّمات اور باطل خیالات اور نظریات ہوتے ہیں، اور یہ ہمارا مسلمان طبقہ اس

کاایک ایک لفظ پڑھتا ہے۔ یہ جو روزانہ اخبار پڑھنے والے ہیں، وہ اس ''دھارمک پورتی'' کو بھی پڑھتے ہیں۔

دینی معلومات سے ہماری بے اعتنائی کی انتہا

اوراسی مسلمان کے پاس دینی لٹریچر پڑھنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ جو ابھی جلسہ ہورہا ہے نا، تو بہت سے اللہ کے بندے وقت کے مناسب دینی باتوں کے پمفلیٹ شائع کرتے ہیں: رمضان کا مہینہ آ گیا تو رمضان کے احکام کے متعلق چھوٹے چھوٹے پمفلیٹ کتابی شکل میں چھاپے جاتے ہیں، جب لوگ جلسے سے باہر نکلتے ہیں تو وہاں آدمی کھڑا رہتا ہے، وہ ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ اب وہ ''نا'' تو کہہ نہیں سکتا، نا کہنے جائیں گے تو لوگ کیا کہیں گے! کہ دیکھو نا، دین کی باتیں مفت میں دی جارہی ہیں اور یہ لینے سے انکار کررہا ہے؛ اس لیے وہ اس کو لے گا؛ لیکن ایسا ہی پڑا رہے گا، اس کو اسے دیکھنے کی بھی توفیق نہیں ہوگی، خالی سرِ ورق ہی دیکھ لے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ عنوان کیا ہے؟ اسی طرح پکڑے ہوئے جائے گا اور گھر میں جا کر کے جھولے پر ڈال دے گا۔

اب رمضان میں کوئی مسئلہ پیش آیا، قے ہوگئی، اس نے مسئلہ پوچھا کہ مولوی صاحب! روزے کی حالت میں قے ہوگئی تو کیا کروں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ ارے بھائی! وہ جلسے میں چھوٹا سا پمفلیٹ دیا گیا تھا نا، اس میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے، اس کو پڑھا نہیں؟ تو کہتے ہیں کہ: وہ تو گھر میں جا کر ڈال دیا تھا! اس کو پڑھنے کی تو فرصت نہیں ہے اور یہ اخبار جو آپ کے اور ہم سب کے دشمن ہیں، ان میں اسلام اور اہلِ

اسلام کے متعلق جو ''رپورٹنگ'' ہوتی ہے، وہ کیسی ہوتی ہے! وہ ہم سب جانتے ہیں۔

موجودہ اخبارات کی خبروں کا حال

ان کی رپورٹنگ کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی واقعہ آپ کے سامنے پیش آیا ہو، تو دوسرے دن اسی واقعے کی رپورٹنگ آپ اخبار کے اندر پڑھیں گے کہ آپ نے کیا دیکھا اور اخبار کے اندر کیا لکھا ہوا ہے! آپ دونوں میں موازنہ کر لیجیے، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتنا سچا ہے اور کتنا جھوٹا ہے!۔ جب ہمارے سامنے پیش آمدہ واقعے کی رپورٹنگ کا یہ حال ہے تو دوسری خبروں کا حال خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیسی ہوتی ہیں! پھر بھی ان اخبارات کی باتیں مانتے ہیں۔

اخبارات کی صریح دروغ گوئی کا ایک تازہ ترین نمونہ

بعض مرتبہ تو کسی کے متعلق کوئی خبر آ گئی، ہم تو دارالافتا لیے بیٹھے ہیں نا تو کبھی کوئی بے چارہ سر برآوردہ آدمی آیا۔ آج ہی ایک صاحب راستے میں ملے، انھوں نے کہا کہ: ایک ''فِلم'' آرہی ہے، اللہ حفاظت فرمائے، ''الرسالہ'' نامی، ابھی مجھے کسی نے بتایا۔ اب مسلمان تو اس کو عبادت سمجھ کر دیکھے گا، حالاں کہ یہ تو اسلامی شعائر کی توہین ہے، ویسے تو کسی مسلمان کے لیے سنیما دیکھنا جائز ہی نہیں ہے اور اس کے اندر بھی ایسی چیز دیکھنا تو اَور بھی زیادہ خطرناک ہے؛ لیکن بہر حال! کسی نے بتلایا کہ اس سنیما کے جواز کے متعلق بہت سے علماء کے نام پیش کیے گئے ہیں: فلانے صاحب نے جائز کہا، کلبِ صادق نے یہ کہا، بہت سوں کے نام تو غیر معروف ہیں، اس میں بعض نے بتایا کہ: مفتی

عزیز الرحمٰن صاحب جو ممبئی میں مفتی صاحب ہیں، ان کا بھی نام ہے۔ میں نے کہا کہ: بھائی! وہ تو ایسا نہیں کر سکتے، میں ان سے واقف ہوں۔ میں نے فوراً ایک عالم پر فون کر کے رابطہ کیا جو ہمارے شاگرد ہیں، وہ مفتی بھی ہیں، ان سے کہا کہ: دیکھو بھائی! ابھی میں نے ایک صاحب سے ایسا ایسا سنا ہے، کیا یہ ان ہی مفتی صاحب کی بات ہے اور صحیح ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ: ہاں! کل ہی یہ بات آئی تھی، مفتی صاحب سے اس کی تحقیق کی تو انھوں نے کہا کہ: میرے فرشتوں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ میں نے ایسی بات کہی ہے، اور پھر دوسرے دن اخبارات کے اندر اپنی تردید شائع کی، اور ایک پورا مضمون لکھا کہ اس طرح کی فلمیں دیکھنا بھی جائز نہیں ہے، یہ مضمون ''اردو ٹائمز'' میں دو قسطوں میں آیا۔

اخباروں کی خبروں پر بغیر تحقیق کے اعتماد نہ کریں

اب یہ اخبار میں آیا نا تو کوئی اس کی تحقیق نہیں کرے گا، بس اس کو چلا دے گا، اور بہت سے سر پھرے ایسے بھی ہوں گے جو دارالافتاء میں اس تقریر کو بھیج کر پوچھیں گے کہ مفتی صاحب! ایسا کہنے والے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ہم لوگوں کا ایسا مزاج بن گیا ہے۔ ہمارے متعلق کوئی غلط خبر آئے تو ہم اس کی تردید کرتے پھرتے ہیں اور دوسروں کے متعلق ہم مان لیتے ہیں! کیوں مان لیتے ہیں؟

ہمارے پاس تو ایسا کوئی مسئلہ آتا ہے تو فوراً واپس کر دیتے ہیں، کہ بھائی! اخبار ہم پڑھتے ہیں اور ان اخباروں کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے متعلق، اسلام کے متعلق یہ کیسی جھوٹی اور غلط باتیں لکھتے ہیں، تو ان کی خبروں کا کیا اعتبار ہے۔ اور میری اور تمھاری کیا حیثیت ہے؟ وہ ہمارے، تمھارے متعلق کچھ بھی لکھ دیں گے، تو اسی کی بنیاد پر تم اس کے بارے میں ہم سے فتویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو؟

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جو چیزیں بالکل بے بنیاد ہیں، ان کو ہم قصداً و ارادۃً اپنے دل و دماغ میں بسا رہے ہیں۔ ایک سڑی ہوئی غذا ہے، کیا کوئی اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ کر کھائے گا؟ نہیں کھائے گا؛ لیکن یہ اخبار میں جو سڑا ہوا مواد ہے، ہم جان بوجھ کر اس کو اپنے دل و دماغ میں بسا رہے ہیں، اور ایک پاکیزہ چیز آپ کو دی جا رہی ہے اور آپ اس کو لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آج تو ہمارے دماغ بھی خراب ہو چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اس کی اصلاح کریں، اس کی طرف توجہ کریں۔

اس دور میں علم ہے امراضِ ملّت کی دوا

بہر حال! ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کریں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ: آپ اپنے ۲۴ رگھنٹوں میں سے صرف پندرہ منٹ فارغ کیجیے، جس میں آپ اسلامی معلومات حاصل کریں۔ آج تو ماشاءاللہ گجراتی میں بہت سارا لٹریچر موجود ہے۔ بہت سے اداروں میں نشر و اشاعت کا شعبہ ہے، اس میں سے ہر چیز چھپ کر نکل رہی ہے۔ آپ اگر خالی گجراتی جانتے ہیں تو گجراتی میں جتنا بھی اسلامی لٹریچر شائع ہوا ہے، اگر آپ اس کو مختلف مدارس اور اداروں سے منگوا

لیں گے، تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ آپ کی معلومات کے لیے بہت کافی، وافی ہے؛ لیکن اس کی فرصت نہیں ہے۔

امت کی بے راہ روی پر حضرت کا درد اور کُڑھن

بہر حال! میں کہاں سے کہاں نکل گا؛ لیکن کیا کریں، دل میں ایک کُڑھن ہے کہ: ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیوں ہم اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں؟ سب کچھ ہے: مدرسوں میں بیٹھے بھی رہیں گے، مدرسوں کا تعاون بھی کریں گے، میں اس پر آپ کو مبارک باد بھی دیتا ہوں؛ لیکن اپنی ذہن سازی، اپنے عقائد کو ٹھیک رکھنا، اپنی اولاد کے اوپر دھیان دینا بھی بہت ضروری ہے۔

اولاد کی دینی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت

ابھی بتایا نا آپ کو کہ آپ کو اپنے بچوں کی تربیت بھی کرنی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:۶] اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ آج باپ کو بیٹے کے ساتھ بات کرنے کی فرصت نہیں ہے، بیٹے کی تربیت تو کہاں کرے گا! صبح جب گھر سے نکلتا ہے تو بیٹا سویا ہوا ہوتا ہے، اور پھر رات کو بارہ بجے آئے گا اس وقت بھی بیٹا سویا ہوا ہوگا، وہ کب اُٹھا؟ کہاں گیا؟ کس کی صحبت میں رہا؟ کیا سیکھا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہاں! اپنے باپ ہونے کا حق ادا کرنے کے لیے سنیچر اتوار کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیسے دیے ہیں، گاڑی دی ہے تو سب بچوں کو اس میں بھر کے لے جائے گا، کہاں؟ قریب میں دریا ہے:

''اُبھراٹ''، یا ''اُکائی'' میں ڈیم ہے، وہاں لے جائیں گے، آئس کریم کھلا دیں گے، تفریح کرا دیں گے اور ان کے پیچھے پانچ سو، ہزار کا ایک دن میں خرچ کر دیں گے۔

دینی مدارس پر خرچ کرنے کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں

یہ پانچ سو، ہزار تو میں کم بول رہا ہوں۔ اب تو ماشاءاللہ لوگ پانچ پانچ ہزار، دس دس ہزار خرچ کر دیتے ہیں؛ لیکن اسی بچے کی تعلیم کے لیے ''دارالاحسان'' والے یا ''نواپور'' کے ذمہ دار حضرات آپ کے پاس آئیں گے کہ: بھائی! مکتب کے مدرّسین کی تنخواہ کے لیے ہم فنڈ جمع کر رہے ہیں، آپ بھی کچھ دیجیے تو بڑی مشکل سے سو، دو سو نکال کر دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ: بس! تو آپ کہتے ہیں کہ کیا یہ کم ہیں؟ ارے بھائی! ایک ہزار کی تو آپ اپنے بیٹے کو آئس کریم کھلا دیتے ہیں، اسی بیٹے کو قرآن سکھانے کے لیے، کلمہ سکھانے کے لیے یہ ادارے ہیں۔ یہ ادارے والے تو آپ کا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں، اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت تو آپ کا فریضہ ہے، یہ مدرسہ اور مکتب والے وہ فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو تو ان کا احسان ماننا چاہیے؛ لیکن وہاں پیسہ خرچ کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ ہمارے ذہن ختم ہو چکے ہیں، ہماری سوچ بگڑ چکی ہے، ہماری اولاد چاہے بھوکی رہے، چاہے پیوند والے کپڑے پہنیں؛ لیکن اپنی اولاد کو صحیح تعلیم دینا ہے، چاہے دین کی ہو یا دنیا کی ہو۔

تعلیم گاہ میں داخل کرانے کے بعد بھی اپنی اولاد کی خبر لیتے رہیے

اب جو بھیجتے ہیں، ان کو بھی پروا نہیں، جن کو مدرسے کے اندر بھیج رکھا ہے، یا اسکول

کے اندر ڈال رکھا ہے تو آپ ان پر پیسے خرچ کررہے ہیں؛ لیکن وہ پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے ہیں، اس کا آپ کو علم نہیں ہے، سالہاں سال سے ڈال رکھا ہے؛ لیکن وہ کیا کررہے ہیں؟ ہمیں اس سے کوئی نسبت نہیں۔

حضرت کے والد کا حضرت کی تعلیم کے بارے میں تحقیق کرتے رہنا

مجھے اپنے والد کا حال معلوم ہے، مجھے پڑھنے کے لیے راندیر میں داخل کیا تھا، اس زمانے میں تین امتحان ہوتے تھے: (۱) سہ ماہی (۲) شش ماہی (۳) سالانہ؛ تو امتحان ہوتے ہی جہاں نتیجہ سامنے آیا تو میرے اوپر لازم تھا کہ میں خط لکھ کر بتاؤں کہ میرے اتنے نمبرات آئے، نیز میرا خط جانے کے باوجود وہ اپنے طور پر مہتمم صاحب کے نام جوابی خط بھیجتے تھے کہ میرے بیٹے کا امتحان ہوچکا ہے، اس کا نتیجہ آپ بھیج دیں، اور اگر کسی کتاب میں نمبر کم آئے تو فوراً تنبیہ کردی گئی کہ اس میں نمبر کم کیوں آئے؟

اپنے بچوں کی تمام نقل وحرکت سے واقف رہیے

ہر چیز کی نگرانی ہوتی تھی تو آپ بھی نگرانی کیجیے، پیسے خرچ کیجیے؛ لیکن آپ یہ تحقیق بھی کرتے رہیں کہ ہمارا بچہ کیا پڑھ رہا ہے؟ میں تو آپ سے کہوں گا کہ: آپ کے جو بچے مدرسے کے اندر پڑھ رہے ہیں، ان کی طرف دھیان دیجیے، جیسے اسکولوں کے اندر اس کے لیے مستقل ایک ڈائری ہوتی ہے، ویسی ڈائری یہاں بھی بنائی جائے اور آپ دیکھیں، اپنے بچوں کے لیے وقت نکالیں۔ اخبار پڑھنے کے لیے گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ موجود ہے، آپ کے دوستوں کے ساتھ بیٹھنے کے لیے گھنٹے موجود ہیں، اور کلب میں

جانے کے لیے اور تفریح وغیرہ سب کے لیے وقت موجود ہے؛ لیکن اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف دھیان دینے کے لیے، ان کے ساتھ رہنے کے لیے آپ کے پاس ایک دو منٹ کا وقت بھی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ہر گھنٹے میں سے ایک منٹ نکالیے تو ''۲۴'' گھنٹوں میں سے ''۲۴'' منٹ نکل آئیں گے، اس وقت میں آپ ان کو لے کر بیٹھیں کہ: بیٹا! تم کو کلمہ برابر آتا ہے؟ فلاں دعا یاد ہے؟ نماز ٹھیک سے پڑھتے ہو؟ سورۂ فاتحہ صحیح پڑھتے ہو؟ روزانہ یہ معمول ہونا چاہیے۔

ہے ربطِ باہمی سے قائم نظام سارے

پہلے زمانے میں بچوں کی تربیت بہت آسان تھی۔ ہمارے بچپن کے زمانے میں اجتماعی خاندان، غیر منقسم خاندان ''سیونکت کٹنب'' والا سسٹم جاری تھا، اب اس میں جو بڑے تھے وہ تو کمانے اور کاروبار سنبھالنے میں لگے ہوتے تھے؛ لیکن جو بڑے ابا ہیں بڈھے اور وہ ریٹائر ہو چکے ہیں، وہ سب بچوں کو برابر دیکھ رہے ہیں، ان کو مدرسے بھیج رہے ہیں، مدرسہ کا ٹیوشن بھی گھر پر ہو رہا ہے اور اسکول کا ٹیوشن بھی گھر پر ہو رہا ہے، نماز کی تربیت بھی گھر میں ہو رہی ہے۔ بڑے حضرات خاندان کے تمام چھوٹے بچوں کو نماز کے لیے مسجد لے جا رہے ہیں۔

آج تو یہ حال ہو گیا کہ ابھی شادی کو دو دن ہوئے نہیں کہ بیوی کہتی ہے کہ: میں تمھارے ابا کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اپنا گھر الگ کرو۔ اب جب الگ کریں گے تو ان

بچوں کی نگرانی کون کرے گا؟ ان کی تربیت کون کرے گا؟ باپ تو بے چارہ دکان پر جا رہا ہے، کاروبار کے لیے نکل رہا ہے، اب ان بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں، اور یہ بچے ایسی قوم ہے کہ ان کی تربیت مرد کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا، یہ عورتوں کے بس کا روگ ہے ہی نہیں، ان کے قابو میں تو آتے ہی نہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان ساری باتوں کی طرف توجہ کی جائے۔

''چراغ تلے اندھیرا'' والا معاملہ نہیں ہونا چاہیے

بہرحال! یہ مدرسہ شروع ہوا، اس میں ترقی ہورہی ہے؛ لیکن اس ترقی سے آپ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں؟ دیکھنا یہ ہے۔ جو حضرات مدرسے قائم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: فلانے علاقے میں بڑی جہالت ہے اور مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ مدرسے کی تعمیر ہوگئی اور سب کچھ انتظام ہوگیا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے ادارے میں کتنے بچے پڑھتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ۵۰۰/، پھر پوچھا کہ: آس پاس کے کتنے ہیں؟ آپ نے جس علاقے کی تعلیم وتربیت کے لیے، فلاح وبہبود کے لیے، جس کی کُڑھن کو لے کر آپ نے یہ ادارہ قائم کیا تھا، وہاں کے کتنے طلبہ پڑھتے ہیں؟ تو بڑا افسوس ناک جواب ملتا ہے کہ: آس پاس کے بس دس، پندرہ بچے ہیں، اور باقی ۴۹۰/ دوسرے علاقے کے ہیں۔

ہم اپنے علاقے کے مدرسے سے خوب فائدہ اٹھائیں

ہم ''نا'' نہیں کہتے، کسی بھی مسلمان کا بچہ ہمارے یہاں آئے گا، ہم شوق سے

پڑھائیں گے، ہمارا فریضہ ہے؛ لیکن میں اس کے ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ: جب آپ نے یہ کہہ کر لوگوں سے چندہ لیا اور ادارہ یہاں پر قائم کیا، اب وہ لوگ بچے بھیج نہیں رہے ہیں، تو کیا یہ آپ کا فریضہ نہیں بنتا کہ آپ ان کے پاس جاویں اور ان کے بچوں کو مدرسے میں لاکر پڑھاویں؟ یہ ضروری ہے کہ علاقے کے بچے بھی فائدہ اٹھاویں، آپ کے علاقے سے ساری دنیا فائدہ اٹھاوے- اللہ تبارک وتعالیٰ خوب ترقی دے-؛ لیکن آپ کے بچوں کو پہلے فائدہ پہنچنا چاہیے؛ اس لیے اس ادارے سے آپ لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایئے! آپ جب اس ادارے سے فائدہ اٹھائیں گے تو آپ کے فائدہ اٹھانے کی برکت سے آپ کی پوری بستی میں، آپ کے گھروں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی برکتیں نازل ہوگی۔

تحصیلِ علوم کر کہ دولت ہے یہی

میں سب سے عرض کروں گا اور جو حضرات مالی تعاون کرنے والے ہیں، ان سے بھی میری خاص طور پر درخواست ہے۔ اب تو الحمد للہ! مالی تعاون کرنے والوں میں بھی بہت سے وہ ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو قرآن اور علمِ دین سیکھنے، سکھانے کے اندر لگا دیا ہے؛ لیکن پھر بھی کچھ حضرات ایسے ضرور ہیں جو مدارس کا مالی تعاون تو کرتے ہیں؛ لیکن اپنی اولاد کو اس میں لگانے سے گریز کرتے ہیں، ان سے بھی میری درخواست ہے، کہ اصلی دولت تو یہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دنیا کے اندر رکھی گئی ہے، اس لیے اپنی اولاد کو بھی اس کے اندر لگائیں۔

وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں

یہ ضروری نہیں ہے کہ پڑھانے کے بعد آپ ان کو کسی مسجد کا امام یا کسی مدرسے میں مدرِّس بنادیں، نہیں، آپ اس کو اپنی تجارت میں لگائیے، اس کو عالم بنانے کے بعد دوسرے کاموں میں لگا سکتے ہیں؛ بلکہ علمِ دین میں لگنے کے بعد اس کی سوجھ بوجھ اَور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور علم حاصل کرنے کے بعد پہلے کی بہ نسبت زیادہ احسن طریقے سے وہ ان کاموں کو انجام دیا کرتا ہے؛ اس لیے حصولِ علمِ دین سے کسی مدرسے یا مسجد میں ملازمت اور خدمت ہی مقصود نہ ہو۔

بہرحال! میں نے اصل موضوع سے ہٹ کر یہ باتیں عرض کی ہیں اور اصل موضوع پر کلام رہ گیا؛ لیکن وقت بہت گذر چکا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو باتیں کہلوائی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ میرے، آپ کے اور سب کے لیے ان کو نفع بخش، کار آمد اور مفید بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو، اس کے منتظمین، اساتذہ اور اس کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے سبھی حضرات کو قبول فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اساتذہ اور مدرّسین کے لیے رہنما باتیں

بمقام: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی (ضلع: بھروچ)

بوقت: ۱۹/ ۱۲/ ۲۰۱۳

اقتباس

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: جو کتاب پڑھائی جاتی ہے تو کتاب خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ مقصود وہ فن ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ کتاب تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً آپ ’’نور الایضاح‘‘ پڑھاتے ہیں، تو ’’نور الایضاح‘‘ خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ ’’نور الایضاح‘‘، فنِ فقہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، تو اصل تو ہم فنِ فقہ کو پڑھا رہے ہیں، مسئلے مسائل پڑھا رہے ہیں، مسئلے، مسائل کو سمجھنے، سمجھانے کے لیے ’’نور الایضاح‘‘ تو ایک آلہ، ذریعہ اور واسطہ ہے، اور ذرائع خود مقصود نہیں ہوتے، مقصود تو وہ چیز ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے لیے ان ذرائع کو اختیار کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ [المؤمنون:۸]

وقال النبی ﷺ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

(صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب الجمعة في القرى والمدن)

وقال النبی ﷺ: الدِّينُ النَّصِيحَةُ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (صحيح مسلم، عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِیِّ رضی اللہ عنہ، باب بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمِ دین کے ساتھ ہمیں جونسبت عطا فرمائی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عظیم انعامات میں سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔

علمِ دین اسی کو ملتا ہے جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا جاتا ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ يُرِدِ

اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ: اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں۔ ''خَيْرًا'' یہاں تنوین تعظیم اور تکثیر کے لیے ہے: ''خَيْرًا عَظِيْمًا''، ''خَيْرًا كَثِيْرًا''، اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بہت زیادہ اور بہت عظیم خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ بوجھ اور علم عطا فرماتے ہیں(۱)۔

اگر تمھیں عذاب دینا مقصود ہوتا تو اپنے دین کا علم تمھارے سینے میں نہ رکھتا

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے علمِ دین کا عطا کیا جانا بہت بڑا انعام ہے۔ صاحبِ دُرِّ مختار نے مقدمے میں لکھا ہے کہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سامنے کھڑا کر کے فرمایا کہ: اے محمد! اگر تمھیں عذاب دینا مقصود ہوتا تو اپنے دین کا علم تمھارے سینے میں نہ رکھتا۔

علمِ دین کی نشر واشاعت کا موقع ملنا بھی بہت بڑا انعامِ الٰہی ہے

ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دین کا علم عطا فرمایا ہے، پھر اس پر مزید انعام یہ فرمایا کہ: اسی علمِ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو پڑھانے کا موقع بھی عطا فرمایا؛ اس لیے کہ ہمارے، آپ کے بہت سے ساتھی ہوں گے جن کو آپ اور ہم جانتے

---

(۱) صحیح البخاری، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ.

ہیں کہ وہ پڑھنے میں، علمِ دین حاصل کرنے میں ہمارے ساتھ شریک تھے اور یہ تعلیمی نصاب مکمل بھی کیا؛ لیکن بعد میں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس علمِ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو پڑھانے کا موقع نہیں ملا، وہ انھوں نے طور پر اپنے لیے فیصلہ کرکے یا حالات سے مجبور ہو کر- جو بھی شکل ہو- اپنے آپ کو علمِ دین پڑھانے اور پھیلانے کے لیے فارغ نہیں کیا اور دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ یہ دوسرے کاموں میں لگ جانا ان کے حق میں بڑی محرومی کی بات ہے۔

حصولِ علم کے بعد اس کی اشاعت نہ کرنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاذ امام ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ''ربیعۃ الرائے'' کے نام سے مشہور ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمِ دین عطا فرمایا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع نہ کرے (۱)۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو جو علم ملا ہے، وہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

لفظِ قرآن سبھی علومِ دین کو شامل ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (۲): تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا: قرآن کے الفاظ، قرآن کے معانی،

---

(۱) صحیح البخاری، باب رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُورِ الْجَهْلِ.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ عُثْمَانَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه.

قرآن کے احکام، سبھی اندر آ جاتا ہے، ہمارا جو علوم کا سلسلہ ہے، سبھی اس میں داخل ہے، لفظِ قرآن کا اطلاق سبھی پر ہوتا ہے: الفاظِ قرآن پر بھی اور قرآن کے معانی ومفاہم پر بھی۔

لفظِ قرآن سے سبھی علومِ دین مراد ہونے پر استدلال

دیکھو! حدیث کے اندر آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: دو آدمی اس قابل ہیں کہ ان کے ساتھ رشک کا معاملہ کیا جائے۔ اب اس روایت میں دو الگ الگ چیزیں آتی ہیں: کہیں تو یہ ہے: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ (۱): اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کو قرآن عطا فرمایا اور وہ اس کے ذریعہ سے دن اور رات کی مختلف گھڑیوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑا رہتا ہے، یعنی نفل پڑھتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔

دیکھو! یہاں رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ میں قرآن کے الفاظ کا علم مراد لیا گیا۔

اور دوسری روایت بھی بخاری ہی کے اندر ہے: وَآخَرُ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (۲)۔

یہاں حکمت سے قرآن مراد ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قرآن کے الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا، معانی سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کا علم عام ہے: چاہے الفاظ کا ہو یا معانی ومطالب ومفاہم کا ہو یا احکام کا ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب اغتباط صاحب القرآن.

(۲) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب إنفاق المال في حقه.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سبھی علومِ دین کی تعلیم کے لیے ہوئی ہے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان سبھی چیزوں کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا تھا، هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ: اس میں يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ میں قرآن کے الفاظ کا علم آجاتا ہے اور وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ میں معانی، مطالب، مفاہم اور احکام ساری چیزیں آجاتی ہیں۔

بات یہ چل رہی تھی کہ ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم دیا اور دوسرے: اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کا ہمیں موقع عطا فرمایا۔

مدرّسین اور طلبہ دونوں کو اربابِ مدارس کا احسان مند ہونا چاہیے

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: یہ جو اربابِ مدارس ہیں، جنھوں نے مدارس قائم کیے ہیں، ہمیں ان کا احسان مند ہونا چاہیے، مدرّسین کو بھی اور طلبہ کو بھی۔ مدرّسین کو تو بایں معنیٰ کہ اس نظام کو قائم کرنے کی وجہ سے ہمیں اپنا علم طلبہ تک پہنچانے کا موقع ملا۔ اگر مدرسے کا یہ نظام قائم نہ ہوتا تو ہم پڑھانے کے لیے کہاں جاتے؟ اپنا حلقۂ درس کہاں قائم کرتے؟ ایک بنا بنایا اسٹیج اور بنی بنائی مسندِ درس موجود ہیں، یہ اہلِ مدرسہ اور منتظمین کا احسان ہے۔ طلبہ کو بھی ان اہلِ مدارس کا احسان ماننا چاہیے کہ ان کے لیے یہاں حصولِ علم کے اسباب ان حضرات نے فراہم کیے۔

مدرّسین طلبہ کا بھی احسان مانیں

اور مدرّسین کو جہاں انتظامیہ کا احسان ماننا چاہیے وہاں طلبہ کا بھی احسان ماننا

چاہیے، کہ انھوں نے اپنے قلوب کی زمین کو علم کی تخم ریزی کے لیے ان کے سامنے پیش کیا، گویا ہم اپنے علم کا بیج ان کے قلوب کی زمین پر ڈالتے ہیں جہاں وہ بار آور ہوگا، تو یہ طلبہ کا بھی بڑا احسان ہے۔ ایک طرف استاذ کا طالبِ علم پر احسان ہوتا ہے تو دوسری طرف طالبِ علم کا استاذ پر بھی دوسری حیثیت سے احسان ہوتا ہے، کہ اس کے ذریعہ سے استاذ کا علم آگے بڑھ رہا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مانتے ہیں

آپ نے امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں پڑھا ہوگا، امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں؛ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ: انھوں نے ان سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جتنا میں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے ان سے کیسے فائدہ اٹھایا؟ تو لکھا ہے کہ وہ سوالات کرتے رہتے تھے، پوچھتے رہتے تھے کہ: اس حدیث کے متعلق کیا ہے؟ اس کے متعلق کیا ہے؟ آپ نے ترمذی میں دیکھا ہوگا کہ: جگہ جگہ یہ جملہ آتا ہے: سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ، تو امامِ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جگہ جگہ پوچھتے رہے، تو طلبہ کا بھی اساتذہ پر بہت بڑا احسان ہے۔

انعاماتِ الٰہیہ کی شکر گزاری انعامات میں اضافے کا باعث ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنا علم دوسروں تک پہنچانے اور پڑھانے کا جو موقع عنایت فرمایا ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مزید انعام واحسان ہے، ایک احسان وانعام تو یہ تھا کہ اس نے ہمیں علمِ دین کی دولت سے نوازا۔ اب جب یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام

ہے، اس کی بہت بڑی نعمت ہے تو اس نعمت کی قدر دانی اور اس کی شکر گزاری بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے، لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ: اگر تم میری نعمت کا شکر ادا کرو گے تو میں اس نعمت میں اضافہ کروں گا۔

شکر گزاری کا مفہوم

اور شکر ہر نعمت کا اس کے مناسبِ حال ہوا کرتا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال کی نعمت عطا فرمائی تو اس کا شکر یہ ہے کہ: اس نعمت کو وہاں خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوتے ہیں، اور جہاں خرچ کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھ کی نعمت عطا فرمائی تو اس کا شکر یہ ہے کہ: اس آنکھ کی نعمت کو جہاں استعمال کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہاں استعمال کریں، اور جہاں استعمال سے روکا ہے وہاں استعمال کرنے سے احتراز کریں۔

نعمتِ علم وتدریس کی شکر گزاری

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم اور اس کو پڑھانے کی نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے، تو اس کا شکر یہ ہے کہ: اس کی قدر دانی کرتے ہوئے اس کا بھرپور حق ادا کرنے کا ہماری طرف سے اہتمام کیا جائے۔

خدمتِ تدریس کے حق کی ادائیگی

اب اس کے حق کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: ایک تو علمی لائن سے اور دوسرے عملی اور تربیتی لائن سے ہے۔ علمی اعتبار سے اس کے حق کی ادائیگی یہ ہے کہ: مدرّس

ہونے کے اعتبار سے تدریس کی غرض سے جو کتابیں اس کے حوالے کی گئی ہیں، ان کتابوں کو ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہوئے پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

تدریس میں مقصود بالذات کتاب کو نہیں، فن کو سمجھیں

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: جو کتاب پڑھائی جاتی ہے تو کتاب خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ مقصود وہ فن ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ کتاب تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً آپ ''نورالایضاح'' پڑھاتے ہیں، تو ''نورالایضاح'' خود مقصود بالذات نہیں ہے؛ بلکہ ''نورالایضاح'' فنِ فقہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، تو اصل تو ہم فنِ فقہ کو پڑھا رہے ہیں، مسئلے مسائل پڑھا رہے ہیں، مسئلے، مسائل کو سمجھنے، سمجھانے کے لیے ''نورالایضاح'' تو ایک آلہ، ذریعہ اور واسطہ ہے اور ذرائع خود مقصود نہیں ہوتے، مقصود تو وہ چیز ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے لیے ان ذرائع کو اختیار کیا جاتا ہے۔

ہمارے پاس پڑھنے والے بچے فن میں ماہر بننے چاہئیں

آپ ''ہدایت النحو'' پڑھا رہے ہیں، تو خود ''ہدایۃ النحو'' مقصود نہیں ہے؛ بلکہ ''ہدایۃ النحو'' کا تعلق چوں کہ فنِ نحو سے ہے، تو گویا ہم اس ''ہدایۃ النحو'' کے ذریعہ بچوں کو فنِ نحو پڑھا رہے ہیں، تو اب ہماری پوری توجہ اور کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جن بچوں کو ہم ''ہدایۃ النحو'' پڑھا رہے ہیں، ان کو نحو کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے، ان کو فنِ نحو آ جائے۔

آپ کتاب کی عبارت پڑھا دیں گے، ترجمہ کرا دیں گے، وہ دو چار لفظ زبانی بول دے گا؛ لیکن نحو کے مسائل اور فن کی متعلقات اس کو آئی نہیں تو پھر ''ہدایۃ النحو'' کا مقصد

حاصل نہیں ہوگا۔اس چیز کو خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، ہمارے اکابر کے یہاں اسی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

ہرفن کی درسیات کے عموماً تین درجے ہوتے ہیں

اب جو کتابیں ہیں، مثلاً شروع میں ’’ہدایۃ النحو‘‘ ہے، اس کے بعد ’’کافیہ‘‘ ہے، ہرفن کے اندر کچھ کتابیں وہ ہوتی ہیں جو اس فن کے اندر ابتداء میں پڑھائی جاتی ہیں، اور کچھ اس فن میں متوسطات کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی اس فن کے اندر درمیانی درجے کی کتابیں ہوتی ہیں، اور کچھ اعلیٰ درجے کی کتابیں ہوتی ہیں۔مقصد یہ ہوتا ہے کہ- چاہے ابتدائی کتابیں ہوں، متوسطات ہوں یا اعلیٰ ہوں-مکمل طور پر وہ فن اپنے مالہٗ اور ماعلیہ کے ساتھ طلبہ کو آجائے۔

جیسے ہمارے یہاں عربی دوم میں ’’نورالایضاح‘‘ پڑھائی جاتی ہے، گویا فنِّ فقہ کی شروعات وہاں سے ہوئی، ’’نورالایضاح‘‘ کے بعد ’’قدوری‘‘ پڑھائی جاتی ہے، پھر ’’کنز‘‘ ہوتی ہے، پھر ’’شرحِ وقایہ‘‘ ہوتی ہے، پھر آخر میں ’’ہدایہ‘‘ ہوتی ہے، تو یہ چار، پانچ کتابیں فنِّ فقہ میں پڑھائی جاتی ہیں، تو یہ کتابیں خود مقصود نہیں ہیں؛ بلکہ فنِّ فقہ مقصود ہے۔

فنِّ فقہ کے شروع میں ’’نورالایضاح‘‘ کو رکھنے کا مقصد

اب ’’نورالایضاح‘‘ اس لیے رکھی گئی ہے کہ ’’نورالایضاح‘‘ میں اصل عبادات کو مقصود بنایا گیا ہے، یعنی عباداتِ اربعہ: نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔اس میں ذرا تفصیل کی

ضرورت تھی تو پہلے مرحلے میں اس سے واقف کر دیا گیا، گویا طلبہ کو عبادات کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل تو تفصیل کے ساتھ سمجھ میں آجانے چاہئیں، اور ساتھ ہی ساتھ یاد بھی رہنے چاہئیں۔

''نورالایضاح'' پڑھاتے ہوئے صرف مسائل پڑھائیں، دلائل وغیرہ نہیں

اب جب ''نورالایضاح'' پڑھائی جائے تو خالی مسئلے بتائے جائیں، یعنی مسئلہ سمجھ میں آجائے، اس کے دلائل، اس کے علل وغیرہ سے کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے، بس ہماری کوشش یہی ہو کہ نماز کے فرائض اور فرائض میں بھی نماز کے شرائط کیا ہیں؟ ارکان کیا ہیں؟ واجبات کیا ہیں؟ سنن کیا ہیں؟ مستحبات کیا ہیں؟ ہر چیز برابر سمجھے اور یاد بھی کر لے۔ دلائل وغیرہ کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

''قدوری'' پڑھانے کا صحیح طرز وانداز

اس کے بعد ''قدوری'' کا نمبر آتا ہے، عام طور پر ہمارے یہاں اس کی ابتداء کتاب البیوع سے کراتے ہیں؛ کیوں کہ عبادات کو تو بڑی تفصیل کے ساتھ ''نور الایضاح'' میں پڑھ لیا، اتنی تفصیل کے ساتھ ''قدوری'' میں بھی نہیں ہے، تو اب قدوری کی ابتداء کتاب البیوع سے کی گئی؛ تاکہ عبادات کے علاوہ جو دوسرے مسائل ہیں، چاہے وہ مسائل بیوع سے تعلق رکھنے والے ہوں یا نکاح سے تعلق رکھنے والے ہوں یا طلاق وغیرہ سے تعلق رکھنے والے ہوں، وہ بہ حیثیت مسائل کے، صرف مسئلہ بیان کیا

جائے۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ''قدوری'' میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، طالبِ علم اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اس میں پھر آپ ''قدوری'' کے ساتھ ''ہدایہ'' پڑھائیں گے تو یہ زیادتی ہو جائے گی۔

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ کا ایک مطلب

بلکہ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ: کہ تم ربّانی علماء بنو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے يُقَالُ کہہ کر اس کی تشریح نقل کی ہے: الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِه(۱): کہ جو اپنے ماتحتوں کو سکھاتے ہیں، وہ تربیت کرتے ہیں صغارِ علم کے ذریعہ سے کبارِ علم سے پہلے، یعنی بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے مسائل سے واقف کراتے ہیں۔ تو پہلے دلائل نہیں ہونے چاہئیں۔

قدوری پڑھانے میں حضرت کا طرز و انداز

اب تو ہمارے یہاں مصیبت یہ ہو گئی کہ پڑھانے والے اساتذہ ہیں، ''قدوری'' پڑھا رہے ہیں اور ''ہدایہ'' کا مطالعہ کر کے آتے ہیں اور ہدایہ والی دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ بھائی! دلیلیں مت بیان کرو، خالی مسئلہ سمجھا دو۔ میری عادت بھی یہی رہی ہے۔ میں نے پہلے سال قدوری پڑھائی اور چند سال میرے پاس رہی؛ لیکن میں نے کبھی کوئی دلیل بیان نہیں کی، ہاں! مسئلہ خوب واضح کرتا تھا اور طلبہ سے بھی سنتا تھا۔ یہاں اس وقت ان کو صرف مسائل کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ عبادات کے مسائل تو

(۱) صحیح البخاری، باب الْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ.

''نورالایضاح''میں تفصیل کے ساتھ سمجھ لیے ہیں، اب باقی جو مسائل رہ گئے وہ اجمالی طور پر قدوری میں سمجھیں گے۔ اور قدوری میں کہیں کہیں صاحبِ کتاب نے ائمۂ احناف یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے اختلاف کو بیان کیا ہے، اس میں دوسرے ائمہ کا نام نہیں لیا جاتا۔

''کنز'' پڑھانے کا طرز وانداز

اب اس کے بعد ''کنز'' کا نمبر آتا ہے۔ ''کنز'' کے اندر بھی مسائل ہیں؛ لیکن وہاں کچھ علامتیں رکھی گئی ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ''ف'' رکھا گیا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ''ک'' رکھا گیا ہے، تو یہاں بھی مسائل ہیں دلائل نہیں ہیں؛ لیکن اتنا ہے کہ جہاں انھوں نے علامتیں رکھی ہیں وہاں یہ تفصیل بتائی جائے کہ اس مسئلے میں ہمارا موقف یہ ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں یوں فرماتے ہیں، تو گویا طالبِ علم کے سامنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے یہاں جو مسائل ہیں، وہ بھی تھوڑے بہت آجائیں۔

البتہ یہ کتاب ذرا دقیق ہے، کہ اس کو ایسا مغلق کر کے تیار کیا گیا ہے کہ جس کی وجہ سے ذہنی ورزش زیادہ ہوتی ہے، تو طالبِ علم جب اس کو حل کرنے کی کوشش کرے گا تو اس میں دقیق مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

شرحِ وقایہ پڑھانے کا طرز وانداز

پھر ''شرحِ وقایہ'' کا نمبر آتا ہے، تو شرحِ وقایہ میں کہیں کہیں دلائل بیان کر دیے گئے

ہیں، کوئی مسئلہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور کوئی مسئلہ اجمال کے ساتھ مذکور ہے، تو جو انداز انھوں نے اختیار کیا ہے اس انداز میں پڑھانے کی کوشش کریں، زیادہ تفصیل کے اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے، ''ہدایہ'' کے اندر سب چیزیں آنے والی ہیں۔

الغرض! فقہ ایک پورا فن ہے، اس میں ہمارے یہاں پانچ چھ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس کی ابتداء ''نور الایضاح'' سے ہوتی ہے اور ''ہدایہ'' پر انتہاء ہوتی ہے۔ اس میں ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ پورا فن طلبہ کے سامنے آجائے۔

ہماری ایک تدریسی کمزوری

اب ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے؟ کہ مثلاً مدرّس جب ''قدوری'' پڑھانے کے لیے بیٹھتا ہے تو ''کتاب البیوع'' ہی کے ''۲۵'' صفحات پر وہ ایسی زبردست تقریر کرے گا کہ سالانہ آجائے گا، پھر جیسے بخاری والا بخاری کی خالی عبارت خوانی کراتا ہے یہ بھی باقی ''قدوری'' کی عبارت خوانی کرادے گا۔ حالاں کہ وہاں حدیثوں میں تو خود حدیثیں بھی مقصود ہیں، اس کی عبارت مقصود ہے۔ یہاں کتبِ فقہ میں خالی عبارت مقصود نہیں ہے؛ اس لیے خالی عبارت خوانی سے کام نہیں چلے گا۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھیے؛ اس لیے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

''ہدایہ'' بھی جب پڑھائی جائے تو اسی طرح پڑھائی جائے۔ ہمارے یہاں ایک ایک جلد کو الگ الگ گھنٹے میں رکھا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ پوری جلد اور پوری کتاب طلبہ سمجھ کر کے پڑھیں۔

علومِ عصریہ میں بھی فن ہی پڑھایا جاتا ہے

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ: اصل بنیادی بات یہ تھی کہ کتاب تو محض ایک ذریعہ ہے، اصل مقصود فن ہے۔ دیکھو! یہ نصاب قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے جو اب تک جاری ہے؛ ورنہ ہمارے زمانے میں ہم علومِ عصریہ میں دیکھتے ہیں کہ جو عصری تعلیم گاہیں ہیں: کالج ہیں، یونیورسیٹیاں ہیں تو وہاں کیا ہے؟ وہاں نصاب کے اندر کوئی کتاب مقرر نہیں کی جاتی۔ وہاں نصاب کے اندر طے کردیا جاتا ہے کہ آپ کو فلاں فن کا فلاں حصہ پڑھانا ہے، مثلاً نحو کا مرفوعات، منصوبات، مجرورات۔ فقہ ہے تو عبادات کا حصہ، معاملات کا حصہ اور معاشرت کا فلانا حصہ پڑھانا ہے۔ یونیورسیٹیوں اور کالجوں میں نصاب کی کوئی کتاب متعین کرتے ہی نہیں، بس استاذ کو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ کو اس فن کا یہ حصہ پڑھانا ہے۔

عصری علوم پڑھانے والوں کا اندازِ تدریس

استاذ اس فن کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کرکے جو کچھ پڑھانا ہے، اس کے لیے اپنے طور پر ''نوٹس'' اور یادداشت تیار کرتا ہے اور اس یادداشت کو سامنے رکھ کر وہ زبانی تقریر کرتا ہے، اور کبھی کبھی طلبہ کو یہی یادداشت نوٹ بھی کروادیتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے نوٹ کی ہیں، تم بھی نوٹ کرلو، مگر وہ مقصود نہیں ہوتا، یہ تو صرف اس لیے ہے کہ جو باتیں استاذ نے کہی ہیں اور جو اس طالبِ علم کے ذہن میں ہیں، طالبِ علم اس کو دیکھ کر سمجھے اور ذہن میں مزید پختگی کے ساتھ محفوظ کرے۔ ہمیں بھی یہ کتابیں اسی انداز سے

پڑھانا ہے کہ فن آجاوے؛ اسی لیے ضرورت ہے کہ فن کے ساتھ مناسبت ہو۔

ہمارے طلبہ کی ناکامی کی ایک وجہ

آج کل عام طور پر ہمارے طلبہ کامیاب نہیں ہو پاتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ فن کو پڑھانے میں جیسی توجہ دینی چاہیے، محنت کرنی چاہیے، وہ کرتے نہیں ہیں، اور اس کے نتیجے میں طلبہ کو فن کے ساتھ مناسبت نہیں ہو پاتی، اور طالبِ علم مناسبت کے نہ ہونے کی وجہ سے فن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو زبردستی اپنے آپ کو اس میں لگائے رکھتا ہے اور اکتاہٹ کا شکار ہوجاتا ہے، اس کے نتیجے میں اِدھر استاذ اپنے کام میں لگا ہوا ہے، تقریر چل رہی ہے؛ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ آتا نہیں۔ اسی طرح پورا سال گذر جاتا ہے اور اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

موضوعِ بحث مسئلہ پہلے خود استاذ خوب سمجھ لے

ہم جو کتاب بھی پڑھارہے ہیں اور کتاب میں جو چیز پڑھارہے ہیں، وہ بہ اعتبار فن کے ہمارے دل ودماغ میں بالکل صاف شفّاف ہونی چاہیے، کہ میں یہ مسئلہ پڑھا رہا ہوں۔ آپ نے طلبہ کے سامنے اس مسئلے کی تقریر کی، سمجھایا؛ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا، آپ نے محسوس کیا کہ یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہے تو جب آپ خود اس کو سمجھے ہوئے ہیں تو اب اس کو دوسرے انداز سے سمجھائیں گے۔

ایک واقعہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب ہم اس واقعے کو سمجھائیں گے تو اگر ہم نے محسوس کیا کہ سامنے والا اس طرح نہیں سمجھا تو ہم اس کو دوسرے انداز سے

سمجھائیں گے؛ کیوں کہ ہمیں اس پر قابو حاصل ہے۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ فنّی اعتبار سے آپ کو اس کے بارے میں ایسا انشراح اور سمجھ کی کیفیت ہونی چاہیے کہ آپ اس کو کسی بھی انداز میں سمجھا سکیں۔ علّامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: العلم مَاخَلج به الصدر: علم تو وہ ہے جس کے اوپر قلب کو اطمینان ہو، انشراح ہو، ہم خود منشرح ہوں۔

کنویں میں ہو تو حوض میں آئے گا

بہت سی مرتبہ اساتذہ پڑھاتے ہیں تو انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ الفاظ جو حاشیے وغیرہ میں دیکھے ہیں، وہ زبان سے بول رہے ہیں؛ لیکن خود بھی اس کو سمجھے ہوئے نہیں ہوتے۔ اب ظاہر کہ جب استاذ خود سمجھے ہوئے نہیں ہیں تو کیا ہوگا؟ کنویں میں ہو تو حوض میں آئے گا نا! ہمارے پاس ہی کچھ نہیں ہے تو طالبِ علم کیا سمجھے گا؟

جس کتاب کو پڑھانے کی اہلیت نہ ہو اس کو اپنے ذمے لینا خیانت ہے

اس لیے وہ اساتذہ جو کسی فن کے ساتھ مکمل طور پر مناسبت نہیں رکھتے، ان کی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اہلِ مدرسہ سے، ذمہ داروں سے کہہ دے کہ: میں اس کتاب کا حق ادا نہیں کرسکتا، آپ کسی ایسے کے حوالے کریں جو اس کا حق ادا کرسکتا ہو؛ ورنہ یہ ایک طرح کی خیانت ہوگی۔ میں نے یہ جو آیت پڑھی تھی: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ: ہمارے ان مدرسوں کا پورا نظام ان ہی دو چیزوں پر چلتا ہے: امانت اور عہد و پیمان۔

عہد و پیمان تو عقدِ اجارہ کی شکل میں ہے جو ہم مدرسہ سے کرتے ہیں، جس میں اوقات کی پابندی اور دوسری ذمہ داریاں آتی ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بچے تعلیم وتربیت کے لیے ہمارے حوالے کیے گئے ہیں، تو کوئی بھی ایسی بات جو ان کی علمی زندگی کو متأثر کرسکتی ہو، ہمارے لیے کرنا درست نہیں ہے۔

مسائلِ کتب میں حصولِ انشراح کا آسان طریقہ

ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ: کوئی بھی کتاب جب پڑھاؤ تو جو مسئلہ پڑھا رہے ہیں، اس مسئلے کو سمجھنے اور سمجھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس مسئلے کو آپ اس فن کی دس کتابوں میں دیکھیں گے، جیسے آپ قدوری پڑھا رہے ہیں، اس میں بیع کا ایک مسئلہ آیا تو اب اس کو شرحِ وقایہ میں بھی دیکھو، ہدایہ میں بھی دیکھو، بدائع میں بھی دیکھو، اور کتبِ فقہ میں بھی دیکھو تو جب آٹھ دس کتابوں میں یہ مسئلہ دیکھ لیں گے تو اس مسئلے کی ساری چیزیں، جملہ متعلقات ہمارے سامنے ہونے کی وجہ سے خود ہمیں اس مسئلے کے سلسلے میں انشراح اور اطمینان حاصل ہوگا اور وہ مسئلہ ہمیں اچھی طرح آجائے گا، اور جب ہمیں مسئلہ اچھی طرح آگیا تو اب ہم طلبہ کے سامنے وہ مسئلہ اچھے سے اچھے انداز میں پیش کرسکتے ہیں۔

مخاطبین کے چہروں کا اُتار چڑھاؤ تقریر کی اچھائی، برائی کو واضح کرتا ہے

دیکھو بھائی! جب ہم پڑھا رہے ہوتے ہیں نا تو طلبہ کے چہروں سے آپ کو اندازہ

ہوجائے گا کہ ان کی سمجھ میں آرہا ہے یا نہیں؟ ان کے چہرے بتادیں گے کہ وہ سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کی تقریر ان کی سمجھ میں آرہی ہے تو ان کے چہرے پر چمک ہوگی اور مسرّت کی ایک الگ ہی کیفیت ہوگی، اور اگر سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو اکتاہٹ والی کیفیت ان کے چہروں پر ہوگی، وہ بھی آپ محسوس کرلیں گے، دونوں کیفیتوں میں بیّن فرق ہوتا ہے۔

استاذ اور شاگرد کے تعلق کو خوش گوار اور مضبوط کرنے والی چیز

اور دیکھو! آپ کی پڑھائی سے جب ان کو انشراح اور اطمینان ہوگا تو اس کی وجہ سے وہ آپ سے ٹوٹ کر محبت کریں گے، آپ کے اور ان کے تعلق کو جوڑنے والی چیز یہی ہے کہ آپ کی پڑھائی ان کے حق میں اطمینان بخش اور انشراح والی ہو، اگر آپ کی پڑھائی سے ان کو انشراح اور اطمینان حاصل ہوتا ہے تو یہ چیز شاگردوں کے ساتھ آپ کے تعلق کو مضبوط کرے گی؛ اس لیے کہ اس تعلق کا مقصد یہ ہے کہ آپ علم دیں اور وہ علم لیں، اور یہ مقصد طلبہ کو آپ سے حاصل ہورہا ہے؛ کیوں کہ آپ کی پڑھائی ان کی سمجھ میں آرہی ہے۔

استاذ، شاگرد کے تعلقات کو کشیدہ کرنے والی چیز

اور اگر آپ کی پڑھائی سے ان کو اطمینان اور انشراح حاصل نہیں ہورہا ہے تو استاذ اور شاگرد کے تعلقات کا جو بنیادی مقصد ہے، وہ حاصل نہیں ہورہا ہے، اس کی وجہ سے دونوں کے تعلقات میں مضبوطی نہیں آئے گی، جس طالبِ علم کو انشراح نہیں ہورہا ہے،

اس کو آپ کے ساتھ محبت نہیں ہوگی؛ بلکہ بعض مرتبہ تو یہ چیز تعلقات میں کشیدگی اور نفرت کا باعث بن جاتی ہے۔

طرفین میں تعلقات کی استواری اور بقاء کا فطری قانون

جیسے بیوی اور شوہر کا معاملہ ہوتا ہے کہ شوہر اگر نامرد ہے اور وہ بیوی کا حق ادا نہیں کرتا تو دونوں میں کب تک نبھے گی؟ یہ تو دو آدمیوں کے درمیان تعلق کے بننے اور بگڑنے کی محض مثال دے رہا ہوں۔ ایسے ہی آقا اور غلام، سیٹھ اور نوکر کا تعلق ہے: نوکر اگر سیٹھ کا کام ایسا کرتا ہے جیسے کرنا چاہیے اور سیٹھ بھی نوکر کا حق جیسا ادا کرنا چاہیے کرتا ہے، تو دونوں میں تعلق قائم رہے گا۔ ہر جگہ جو تعلق جس بنیاد اور مقصد پر قائم ہوتا ہے، وہ مقصد حاصل ہے تو وہ تعلق باقی ہے اور اس میں ترقی ہے، اور اگر مقصد حاصل نہیں تو تعلق بھی باقی نہیں رہتا۔

استاذ اور شاگرد کے تعلق کا بھی یہی حال ہے، اس تعلق کا مقصد تعلیم و تعلّم ہے، سیکھنا اور سکھانا ہے، استاذ کی پڑھائی اگر ایسی ہے جس سے طالبِ علم کی سمجھ میں آرہا ہے تو اس تعلق کا مقصد حاصل ہو رہا ہے؛ اس لیے یہ تعلق پھولے گا، پھلے گا، مضبوط ہوگا اور اس سے فائدہ ہوگا، اور اگر استاذ کی پڑھائی طالبِ علم کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو یہ تعلق باقی نہیں رہے گا، ختم ہو جائے گا۔

ہمارے مدارس میں آج کل جو بے کیفی اور اکتاہٹ والی کیفیت نظر آتی ہے اور طلبہ میں روز افزوں ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے؛ اس لیے ہمارا زور اسی پر ہو، تعلیم

ہمارا اوّلین مقصد ہے؛ اس لیے ہر استاذ کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

کہتی ہے تجھے خلقِ خُدا غائبانہ کیا

کوئی بھی استاذ اپنی تعلیم اور پڑھائی کے معاملے میں خوش فہمی میں مبتلا نہ رہے، بعض مرتبہ کوئی استاذ سمجھتا ہے کہ میں تو بہت اچھا پڑھاتا ہوں، میں تو بہت اچھا پڑھاتا ہوں! ارے بھائی! آپ ذرا دیکھ تو لیجیے، اندازہ تو لگائیے، آپ اپنے شاگردوں سے پوچھئے، دوسروں سے تحقیق کروائیے کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کی پڑھائی کے بارے میں آپ کے شاگردوں کی کیا رائے ہے؟ آپ کے پیچھے آپ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

سن تو سہی انجام ہے تیرا فسانہ کیا		کہتی ہے تجھے خلقِ خُدا غائبانہ کیا

بہت سی مرتبہ ہم اپنے منہ میاں مٹھو بنے پھرتے ہیں، اور یوں سمجھتے ہیں کہ میری پڑھائی تو بہت کامیاب ہے، اور حال یہ ہے کہ طلبہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، اپنی پڑھائی کے متعلق پوچھتے بھی رہنا چاہیے، خدانخواستہ ہم کامیاب نہیں ہیں تو دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اہلِ مدرسہ سے کہہ دیں کہ: اس کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا، آپ یہ کتاب کسی اَور کے حوالے کر دیں۔

یہ باتیں تو وہ ہوئیں جن کا تعلق تعلیم سے تھا۔

طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے کا ایک طریقہ

اور مختصراً دوسری چیز یہ ہے کہ: طلبہ کی تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔ تعلیم کی

نسبت سے ان کے اندر پڑھنے کا شوق پیدا کرنا۔آج کل بدشوقی بڑھتی جارہی ہے، اس کی ایک وجہ تعلیم کی کمزوریاں ہیں،تو ہمیں اس انداز سے پڑھانا ہے کہ طلبہ میں شوق پیدا ہو۔جس استاذ کی پڑھائی سے طلبہ کو اطمینان اور انشراح ہو،طلبہ اس کی کتاب کا تکرار بھی کریں گے،محنت بھی کریں گے،اور جہاں اطمینان وانشراح نہیں ہے وہاں کتاب ایسی ہی رکھ کر بیٹھے رہیں گے۔آپ شکایت کرتے ہیں کہ طلبہ فلاں کی کتاب کا تکرار کرتے ہیں،میری کتاب کا تکرار نہیں کرتے۔ارے بھائی! آپ کی کتاب کا تکرار اس لیے نہیں کرتے کہ آپ کی پڑھائی ان کی سمجھ میں نہیں آئی اور آپ مار مار کے زبردستی ایسا کرارہے ہیں،تو یہ چیز ان کے دلوں میں مزید نفرت کا باعث بنے گی،اس کا علاج وہ نہیں ہے جو آپ کررہے ہیں،اس کا صحیح علاج تو وہ ہے جو کرنا چاہیے تھا اور آپ کر نہیں رہے ہیں۔

طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے والی چیزیں

ان طلبہ کو تعلیم کے اندر زیادہ سے زیادہ لگانے کی ضرورت ہے،ان کے اوپر نگرانی رکھو:سبق کی پابندی کررہے ہیں یا نہیں؟ مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں؟ تکرار کرتے ہیں یا نہیں؟ خاص کر کے ذہین طلبہ- جو اچھی ذہانت والے ہیں- سے کام لو،ان کو اس طرح لگائے رکھو کہ وہ فارغ نہ بیٹھیں اور ان کی صلاحیتوں سے ان کو فائدہ پہنچے اور مزید اس میں ترقی کریں،ان کے حوصلے بھی بڑھاؤ،ان کے اچھے اور صحیح جواب پر شاباشی دو، ماشاءاللہ ہی کہہ دو؛ تاکہ ان کے حوصلے بڑھیں۔یہ سب چیزیں ضروری ہیں،اس کے

بغیر تعلیمی نظام پنپ نہیں سکتا، ترقی نہیں کرسکتا۔

طلبہ کی دینی، اخلاقی تربیت کو بھی مدِّ نظر رکھیے

دوسری چیز یہ ہے کہ: ان کی تربیت کیجیے۔ تربیت کے اندر یہ ہے کہ ان کی وضع قطع کا خیال رکھیے کہ کیسی ہے؟ لباس کیسا ہے؟ نمازوں کی پابندی، اخلاقیات، ایک دوسرے کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا، سنتوں کا اہتمام، اوقات کی پابندی؛ ان ساری چیزوں کا انھیں عادی بنائیے۔

تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن

اس تربیت کا تعلق بھی ہمارے اپنے عمل سے ہے، پہلے ہم ان چیزوں میں اپنے آپ کو صحیح اور درست کرلیں۔ بھائی! ہم اور آپ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، سنتوں کا اہتمام نہیں کرتے۔ اب جماعت کی اہمیت کے اوپر طلبہ کے سامنے ایک گھنٹہ بھی تقریر کریں تو اس سے کیا حاصل ہونے والا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ طلبہ کہیں گے کہ: استاذ جماعت کی پابندی کے اوپر تقریر کرتے ہیں؛ لیکن خود تو جماعت کی پابندی نہیں کرتے، ان کی تو رکعت جاتی ہے۔

قول وعمل میں تضاد تاثیر فی الوعظ کو ختم کرنے والا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی عمدہ مثال دی ہے کہ: ایک برتن کے اندر کوئی چیز ہے، حلوی ہے اور اس میں زہرِ ہلاہل ملا ہوا ہے اور وہ اس کو کھا رہا ہے، کہتا جارہا ہے کہ: اس کو کھائیو مت، اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے کہ: ایک طرف تو

کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، اور دوسری طرف خود کھا رہا ہے، تو اس کے عمل اور قول دونوں میں تضاد ہے پھر اس کے قول پر کون عمل کرے گا؟۔

وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے

طلبہ کی تربیت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہمیں ان کے سامنے اپنے آپ کو قُدوہ اور نمونہ بنا کر پیش کرنا ہے: ہم خود جماعت کا اہتمام کریں، صفِ اول کا اہتمام کریں، تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں؛ یہ چیز خود طلبہ کے اندر عمل کا جذبہ پیدا کرے گی۔ وہ ہمیں دیکھ کر کے اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر کریں گے۔

استاذ اگر گھنٹی بجتے ہی درس گاہ کے اندر آجاتا ہے تو کبھی کوئی طالبِ علم دیر نہیں کرسکتا؛ لیکن اگر استاذ ہی دیر سے آتا ہے تو طلبہ بھی دیر سے آنے کے عادی بنیں گے، وہ ان کو کیا کہہ سکے گا؟

حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی پابندیٔ وقت

ہمارے مرحوم مہتمم صاحب: حضرت مولانا سعید صاحب بزرگ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ۱۷ر سال ڈابھیل میں پڑھایا؛ لیکن ان کی عادت یہ تھی کہ جب وہ درس گاہ میں قدم رکھتے تھے تو لوگ اس سے اپنی گھڑیاں ملاتے تھے، حضرت کبھی ایک سیکنڈ بھی دیر سے نہیں آتے تھے، اوقات کی پابندی کا اتنا زیادہ ان کے یہاں اہتمام تھا۔

اوقاتِ مدرسہ کی مکمل طور پر پابندی کیجیے

ہمیں بھی اسی طرح اپنے اوقات کی پابندی کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ اس سے کیا فرق پڑے گا! استاذ یہ سمجھتا ہے کہ ایک دو منٹ ہی تو دیر سے آیا، نہیں، آپ دو منٹ دیر سے آئے، دو منٹ آپ کے خراب ہوئے، آپ کے پاس پڑھنے والے ۳۰/ طالبِ علم ہیں، ہر ایک کے دو دو منٹ خراب ہوئے تو اس طرح ۶۲/ منٹ کا نقصان ہوا، کہنے کو تو دو منٹ ہیں؛ لیکن حقیقت میں ۶۲/ منٹ کا نقصان ہوا، اس طرح جب ہم نقصان کا اندازہ لگائیں گے نا تو اس سے ہمیں اوقات کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

طلبہ کو ان کی حرکتوں پر محبت سے ٹوکیں

نیز جب ہم طلبہ کے اندر کوئی غلط بات دیکھیں تو ان کو آگاہ کریں۔ مارنے، پیٹنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ محبت سے کہو کہ: دیکھو! تمھارا لباس اس طرح کا نہیں ہونا چاہیے، ہمارا تعلق تو اہلِ علم سے ہے؛ اس لیے ہمارا لباس اس طرح کا ہونا چاہیے، ہمیں نماز باجماعت کا یوں اہتمام کرنا چاہیے۔

طلبہ کی تربیت کا حکیمانہ انداز

طلبہ مسجد کے اندر ہیں، نماز پڑھ رہے ہیں اور کوئی خلافِ سنت عمل ہو رہا ہے، مثلاً سجدے میں دونوں کلائیاں زمین پر بچھا دیں، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اب ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم اس پر خاموشی اختیار کریں؛ بلکہ اس کے سلام پھیرنے

کا انتظار کرو اور سلام پھیرنے کے بعد اس کو بلا کر کے کہو کہ سجدہ کس طرح کرتے ہیں؟ ذرا کر کے بتاؤ! اب وہ صحیح کر کے بتائے گا، اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ: تم نے ابھی نماز میں جو سجدہ کیا تھا، وہ تو اس طرح نہیں کیا تھا: ابھی تو تم نے کلائیاں زمین سے اونچی رکھی ہیں؛ لیکن نماز پڑھتے ہوئے تو تم نے بچھا دیا تھا۔ اب بتاؤ! تم کیا پڑھتے ہو؟ ''نورالایضاح'' پڑھتے ہو تو اس طرح کلائیوں کا بچھا دینا مکروہ ہے اور کیسا مکروہ ہے؟ مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر کوئی آدمی مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کرتے ہوئے نماز پڑھے تو اس کے لیے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے؛ اس لیے تم جاؤ اور دوبارہ نماز پڑھ لو۔

اس طرح سمجھا کر کے اس کو بتایا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اِن شاءاللہ تعالیٰ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ ایک استاذ نہیں، سب اساتذہ ایسا کریں گے تو اِن شاءاللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا۔

غلط نماز پڑھنے والے طالبِ علم کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہ

ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا: ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈابھیل کے قیام کے زمانے میں ایک طالبِ علم کو دیکھا کہ اسی طرح کی کوئی غلطی کی، حضرت ٹھیر گئے، فارغ ہونے کے بعد اس کو بلا کر کے کہا کہ: تم نے اس طرح نماز پڑھی؟ تو طلبہ کی جیسے عادت ہوتی ہے تاویل کرنا، تو اس نے کہا کہ: میں تو ایک چھوٹی جماعت کا طالبِ علم ہوں۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: نماز تو ایسی چیز ہے کہ اس کا کسی

چھوٹی بڑی جماعت کے ساتھ تعلق نہیں ہے، یہ تو آدمی اپنے گھر سے سیکھ کر کے آتا ہے۔

دورانِ درس طلبہ کو نماز کی عملی مشق بھی کرائی جائے

آج ہمارے طلبہ کا کیا حال ہوگیا؟ مجھے یاد ہے، میں جب ''ہدایہ'' پڑھاتا تھا، جنھوں نے میرے پاس ''ہدایہ'' پڑھی ہے، وہ آپ کو آج بھی بتائیں گے کہ جب باب صفۃالصلوۃ آتا تھا تو اس کو پڑھا لینے کے بعد ہر ایک کو کہتا تھا کہ: دو دو رکعت پڑھو، اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ: ذرا دیکھو! اس کی نماز میں کون سی کمی رہ گئی، تو جو کمی رہتی تھی وہ دور ہو جاتی تھی۔ تو اس طرح عملی مشق کروانی ضروری ہے۔

ہمارے موجودہ طلبہ کا دینی دیوالیہ پن

آج تو یہ ہو گیا ہے کہ طلبہ کچھ پڑھتے ہی نہیں۔ مکتب سے جب آتے ہیں تو ان کو سب یاد ہے ''التحیات'' یاد ہے، ''درودِ ابراہیم'' یاد ہے، نماز کے اخیر میں پڑھی جانے والی دعا یاد ہے، ''قنوت'' یاد ہے؛ لیکن جب مدرسے میں آتے ہیں تو یہاں تو کچھ پڑھتے ہی نہیں۔ آپ ان کو دیکھ لیں! ان کے ہونٹ تو ہلتے ہی نہیں۔ بھائی! ''اللّٰہ اکبر'' بولیں گے تو ہونٹ تو ہلنے چاہئیں نا، اس میں ''با'' آرہا ہے، اس کی ادائیگی کے لیے ہونٹوں کا ہلنا ضروری ہے۔ اب ہونٹ ملا ہوا ہے اور نماز شروع کر رہا ہے، اس سے تو معلوم ہوا کہ اس نے ''اللّٰہ اکبر'' کہا ہی نہیں۔ یہ تو ایک مثال دے رہا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ''ہدایہ'' پڑھاتے ہوئے کہو کہ: ''التحیات'' سناؤ تو بہت سے وہ ہوں گے جن کو ''التحیات'' یاد نہیں ہوگی۔

مدرسے کے اندر ہفتے میں ایک دن نماز کی تصحیح کا نظام بنایئے

یہ ہماری کمی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ آپ کی کلاس کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ پورے مدرسے کے اندر ایک ایسا نظام بناؤ کہ ہفتے میں ایک مرتبہ آپس میں نماز کا مذاکرہ ہو، اس کی نگرانی بھی ہو۔ اس میں ہر ایک نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، جملہ متعلقات سناوے۔ الغرض! نماز کی تصحیح کا ایک نظام ہو، یہ ضروری ہے۔

طلبہ کے اندر صفِ اول کا شوق ہونا چاہیے، تکبیرِ اولیٰ میں حاضر رہیں، اس کا اہتمام ہونا چاہیے، سنتوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔

تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت بھی ہماری ذمہ داری ہے

آج کل اساتذہ کا ایک مزاج یہ بھی بنتا جارہا ہے کہ منتظمین جانیں، ناظم جانے۔ نہیں، نہیں! تعلیم اور تربیت دونوں ہر ہر استاذ کی ذمہ داری ہے۔ چوں کہ یہ طلبہ دارالاقامہ میں رہنے والے ہیں، ماں باپ نے ان کو مِنْ کُلِّ الوُجوہ ہمارے حوالے کردیا ہے، تو ان کی تعلیم اور تربیت دونوں کی ذمہ داری ہماری ہے؛ اس لیے دورانِ درس موقع بہ موقع ان کو محبت کے ساتھ نصیحتیں بھی کرتے رہیں۔

غلطیوں پر طلبہ کی فہمائش کا ایک حکیمانہ انداز

آپ نے کسی طالبِ علم کو دیکھا کہ ایک رکعت گئی، تو جب پڑھانے کے لیے آئیں گے تو اس سے پوچھیں گے کہ: بھائی! آج تمھاری رکعت کیسے گئی تھی؟ اس کے بعد آپ اس کے سامنے دو چار منٹ نماز کی اہمیت بیان کیجیے، اور پھر تمام طلبہ کو بتادیجیے

کہ اس کی ایک رکعت گئی تھی، اس پر میں نے اس کو یہ دو چار باتیں کہیں، میرا مقصد صرف یہ نہیں؛ بلکہ تم سب کو سنانا ہے، یہ تو صرف ''شانِ ورود'' ہے، باقی اس کا احسان مانو کہ اس کی وجہ سے دو باتیں تمھیں سننے کو ملیں۔

کسی حرام کام کو ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا علماء کی شان نہیں ہے

کسی طالبِ علم کا پائجامہ ہم نے دیکھا کہ ٹخنوں سے نیچے جا رہا ہے، اب ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں، یہ تو حرام کام ہے، ہم اپنے طلبہ کو، اپنے شاگرد کو یہ حرام کرتے ہوئے دیکھیں اور خاموش رہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے!! مارنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ بلکہ اس کو قریب بلا کر کہو کہ: یہ کیا ہے؟ یہ تمھارا پائجامہ کہاں جا رہا ہے؟ تو وہ دیکھ کر فوراً اونچا کر لے گا۔ اس سے کہو کہ: بھائی! دیکھو! حدیث میں تو اس پر بہت ساری وعیدیں آئی ہیں، آئندہ ایسا مت کرنا۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اب کیا ہوگا؟ وہ ایک ہی مرتبہ میں سُدھر جانے والا نہیں ہے؛ لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ جب وہ آپ کو دیکھے گا نا تو وہ پہلے اپنا پائجامہ ٹھیک کرے گا، پھر آپ کے سامنے سے گذرے گا۔ یہ تو ایک استاذ نے یہ کام کیا تو اس کا یہ نتیجہ نکلا، اگر سبھی اساتذہ ایسا کریں گے تو إن شاءاللہ تعالیٰ اس کے بڑے اچھے نتائج سامنے آئیں گے، پورے مدرسے کا ماحول ٹھیک ہو جائے گا، سب کی وضع قطع درست ہو جائے گی؛ اس لیے ان ساری باتوں کا اہتمام ہونا چاہیے، یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

’’سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے‘‘ کا مصداق بنیں

بعض اوقات کہتے ہیں کہ: ہم صرف پڑھانے کے ذمہ دار ہیں! لیکن وہ بھی تو کماحقہٗ ادا نہیں کرتے؛ اس لیے یہ سب کام ہمیں دل سوزی کے ساتھ انجام دینے ہیں۔ طلبہ کے ساتھ ہمارا معاملہ پوری خیر خواہی والا ہونا چاہیے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الدِّينُ النَّصِيحَةُ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ [الکھف:٦] اے نبی! یہ لوگ ایمان نہ لائیں، اس پر افسوس کرتے ہوئے آپ کہیں اپنی جان نہ دے دیں۔

ایک کامیاب شاگرد بھی ہماری نجاتِ ابدی کے لیے کافی ہے

ہمارا معاملہ اپنے شاگردوں کے ساتھ وہی ہونا چاہیے جو ایک باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہے بھی یہ اولاد ہماری۔ وہ نسبی اولاد ہے اور یہ روحانی اولاد ہے، تو جیسے اُن کی خیر خواہی کرتے ہیں، اِن کی بھی کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بن گیا اور ان میں سے کسی ایک نے دین کی مقبول خدمات انجام دے دیں، تو قیامت کے دن ہماری نجات کے لیے وہ کافی ہو جائے گا۔ اسی امید پر ان بچوں پر آپ جتنی محنت کر سکتے ہیں، کیجیے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک موقع دیا ہے اور آپ کی محنت کے میدان کے طور پر اس نئی نسل کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے، اس کی قدر کیجیے۔

ہر طالبِ علم پر اس کی حیثیت کے مطابق محنت کریں، ان کے لیے دعاؤں کا بھی

اہتمام کریں۔ یہ دونوں کام کریں گے تو إن شاءاللہ تعالیٰ سارا نظام ٹھیک ہوگا۔

وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں

جب ہم آپس میں بیٹھیں تو بھی ہمارا چرچا یہی ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ فلانا یوں کرتا ہے اور فلانا یوں کرتا ہے، اور مہتمم یہ کرتا ہے اور ناظم یہ کرتا ہے اور ہماری تن خواہ اتنی کم ہے۔ یہ آج کل ایک مصیبت بن گئی ہے کہ تن خواہ کو موضوعِ بحث بناتے رہتے ہیں، اب کیا یہ بحث کرنے سے ہماری تن خواہ بڑھ گئی؟ وہ تو جو ہے، وہیں کی وہیں ہے، آپ اپنی زندگی کے بیسیوں گھنٹے اسی بحث میں ضائع اور برباد کر رہے ہیں اور فائدہ کچھ نہیں ہے۔ اس کے بجائے جو کام ہمیں کرنا ہے اور جو چیز ہمارے اختیار میں ہے یعنی تعلیم اور تربیت، اس موضوع پر بات بھی کرو اور اسی کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش بھی کرو، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بہتر اجر دیں گے۔

ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں

میں تو کہتا ہوں اور میرا اپنا بھی یہی معمول رہا کہ: بھائی! دیکھو، ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں ہے۔ ہم اور آپ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں جو یہ پرائمری اسکولیں ہیں، اس کے اندر پڑھانے والوں کی تن خواہ کتنی ہوتی ہے؟ ۲۰/ ہزار، ۳۰/ ہزار، ہے نا؟ ہمارے بڑے سے بڑے مدرسے کے شیخ الحدیث کی بھی اتنی تن خواہ نہیں ہے، ''۱۰'' ہزار یا ''۱۲'' ہزار روپیہ، پھر بھی آپ سب جانتے ہیں کہ ان کی یہ زیادہ تن خواہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ''۲۰'' تاریخ تک ہی ختم

ہو جاتی ہے، اور بعض تو آپ مولویوں کے پاس قرض لینے کے لیے آتے ہیں، بعض نے ہمیں سنایا کہ: وہ مولویوں ہی کے پاس آتے ہیں کہ ہم کو قرض دو۔ ارے بھائی! اس بے چارے کی تن خواہ تو تمھاری تن خواہ کی آدھی بھی نہیں ہے، پھر کیوں؟ بات وہی ہے کہ ہماری معاشی مشکلات کا حل تن خواہ کا اضافہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے تن خواہ کا بڑھ جانا ہمارے مسئلے کا حل نہیں ہے، ہمارے مسئلے کا حل تو یہ ہے کہ ہم پڑھاویں، محنت کریں اپنا فرضِ منصبی پورے طور پر ادا کریں تو ہماری تن خواہ میں برکت آئے گی، اس صورت میں آپ کی تن خواہ ہزاروں روپیے ہوگی نا، تو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی ضرورتیں پوری کریں گے، اور اگر ہم اپنا فرضِ منصبی ادا نہیں کریں گے تو اگر ہماری تن خواہ ''۵۰'' ہزار ہوگی، تو بھی اس سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوگی، یہ یاد رکھنا۔

ہمارے اکابر کی زندگیاں اس کا نمونہ ہے؛ اس لیے ہمارا مسئلہ تن خواہ کا بڑھنا نہیں ہے، ہمارے مسئلے کا حل تو یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس لائن سے محنت کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

علماءِ کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں

بمقام: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی (ضلع: بھروچ)

بوقت: ۲۰/۱۲/۲۰۱۳

اقتباس

ساتھ ہی ساتھ سنتوں کو عام کیا جائے، اس کے اوپر عمل کا اہتمام کیا جائے، لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔ سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر کی حد تک تو شریعت کا کوئی حکم ہم سے ٹوٹنے نہ پائے، ہم خود سوفی صد شریعت کے مطابق عمل کرنے والے ہوں: ہماری نمازیں ایسی ہوں، ہمارے معاملات ایسے ہوں، ہماری معاشرت ایسی ہو، ہمارے گھر میں کوئی بھی کام شریعت کے خلاف ہونا نہیں چاہیے؛ اس لیے کہ اگر ایک چیز بھی ایسی ہوگی تو اس عالم کا وقار ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر دین کی کوئی بات عوام کے سامنے کہے گا تو عوام اس کو خاطر میں نہیں لائے گی، کہ خود آپ کے گھر میں تو ایسا ہو رہا ہے، صرف ایک چیز خلافِ شرع ہوئی، اس نے اس کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ تو ہمیں اپنی ذات کی حد تک اور اپنے ماتحتوں کی حد تک بہت زیادہ سخت رہنے کی ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله و حده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى اللّٰه بإذنه و سراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا﴾ [الأحزاب:۲۳]

علم کی نسبت سے اہلِ علم پر من جانب اللہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کی جو دولت آپ حضرات کو عطا فرمائی ہے اور اس علم کی نسبت سے آپ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کو ہر لمحہ اور ہر گھڑی تازہ کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کی ادائیگی کے لیے ہمیشہ اپنے مقدور کوشش بھی کرتے رہنا چاہیے، اس میں ہماری طرف سے کوئی کمی اور کوتاہی نہیں آنی چاہیے۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم پر ڈالی گئی ہے، یہ کوئی لوگوں کا سونپا ہوا

معاملہ نہیں ہے۔

سوچ بدل گئی

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، لوگوں کے نظریات بدل گئے، سوچ بدل گئی اور برتنے اور عمل کرنے کا انداز بدل گیا۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں کہ پہلے ہمارے بچپن میں جب کسی عالم سے پوچھا جاتا تھا کہ: آپ کیا کرتے ہیں؟ تو جواب ہوتا تھا کہ فلاں جگہ خدمت انجام دیتا ہوں، اور آج پوچھا جاتا ہے کہ: کیا کرتے ہو؟ تو جواب ہوتا ہے کہ: فلاں جگہ نوکری کرتا ہوں۔ پہلے وہ جواب ہوتا تھا، آج یہ جواب ہوتا ہے۔

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے

اب یہ نوکری والا خیال جب دل میں آ گیا تو پھر انداز بھی وہی نوکری والا آجاتا ہے، پھر وہ اپنی ہر چیز کی قیمت لگاتے ہیں کہ میں اگر یہ کام کروں گا تو مجھے اس پر کیا ملے گا؟ میری تن خواہ میں کیا اضافہ ہوگا؟ ابھی پانچ سو مل رہے ہیں، اگر میں ایک نماز زیادہ پڑھاؤں گا تو مجھے کتنے ملیں گے؟ یہ سوچ بدلنے کا نتیجہ ہے۔ یہاں تک کہ بڑے مدارس میں پڑھانے والے اہلِ علم کا بھی یہی مزاج بن گیا ہے، ان کو بھی کوئی ذیلی اور ضمنی کام سونپا جاتا ہے کہ بھائی! ذرا طلبہ کی نگرانی کر لیجیے: صبح کے وقت آپ اپنی تلاوت تو کرتے ہی ہیں، یہ بیٹھے ہیں تو آپ بھی ان کے ساتھ بیٹھ جائیے، آپ کے بیٹھنے کی وجہ سے ان پر ایک رعب رہے گا، ایک ماحول بنا رہے گا، طلبہ یکسوئی کے ساتھ پڑھیں گے، دس منٹ کا کام ہے، ویسے بھی آپ گھر جا کر تلاوت کرتے ہی ہیں تو یہاں

کر لیجیے، تو وہ پوچھے گا کہ: مجھے اس پر کیا ملے گا؟

اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

یہ ہمارا ایک مزاج بن گیا ہے، سوچ بدل گئی ہے جس نے ہماری خدمات میں سے، ہمارے دینی کاموں میں سے نور نکال دیا، اخلاص ختم ہو گیا، اللہ کے لیے کرنے کا جو جذبہ تھا، وہ باقی نہیں رہا۔ ٹھیک ہے، ہماری ضروریات بھی ہیں، اس کے لیے تن خواہ دی جاتی ہے؛ لیکن یہ مجبوری کے درجے میں ہے، ورنہ ہمارے متقدمین ائمۂ احناف نے تو اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے، متأخرین نے مجبوری کے درجے میں اس کی اجازت دی ہے، تو اس کو مجبوری کے درجے میں ہی رکھنا چاہیے، اپنی خدمات کا عوض اور اجرت سمجھ کر نہیں لینا چاہیے۔

اہلِ علم کے بارے میں بعض نادانوں کا غلط تجزیہ

آج ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دعوت و تبلیغ میں لگنے والے احباب بعض اوقات اہلِ علم کے متعلق یہ جملہ بول دیتے ہیں کہ: یہ علماء کیا کرتے ہیں؟ یہ تو پیسے لے کر کام کرتے ہیں اور ہم مفت کام کرتے ہیں! دراصل ان کے دلوں میں بھی جو یہ بات آئی ہے، وہ ہمارے نظریات کی تبدیلی ہی کا نتیجہ ہے؛ ورنہ ان کے دلوں میں بھی یہ بات ہرگز نہ آتی۔

ہمارے اکابر نے بھی تن خواہ لی ہے

خود حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس زمانے میں مظاہر میں پڑھاتے تھے

تو آپ تن خواہ لیتے تھے۔ان کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تن خواہ لیتے تھے۔ ہمارے تمام اکابر نے تن خواہ لی ہے۔

مفت کام کرنا اخلاص کی دلیل نہیں

تن خواہ لینا یہ کوئی جرم نہیں ہے اور نہ یہ اخلاص کے منافی ہے، اور مفت کام کرنا کوئی اخلاص کی گارنٹی نہیں ہے، یہ ضروری نہیں کہ مفت کام کرنے والے مخلص ہی ہوں؛ ورنہ تو پھر حدیث میں یہ بھی ہے کہ: اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے والے مال دار لوگ اور ایسے ہی وہ عالم جو مفت میں دین کی خدمت انجام دیتا ہے، کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بلایا جائے گا، پھر اس بنیاد پر کہ ان کے نزدیک اپنے کاموں سے شہرت مقصود تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جہنم میں ڈال دیں گے(۱)۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: ان کا یہ نظریہ غلط ہے؛ لیکن ہمارے غلط نظریات کے غلط اثرات ہم پر بھی پڑتے ہیں اور دوسروں پر بھی پڑتے ہیں؛ اس لیے ہمیں اس نظریے سے اپنے آپ کو دور کرنا ہے، اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر ان خدمات کو انجام دینے کی ضرورت ہے۔

اللہ کے احکام اللہ کے بندوں تک پہنچانا علماء کا فریضۂ منصبی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ علم عطا فرمایا ہے، اس علم کی نسبت سے ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ، ہم اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنْ قَاتَلَ لِلرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ اسْتَحَقَّ النَّارَ.

کو، دین کے احکام کو لوگوں تک پہنچائیں؛ اس لیے کہ علم کے دو ہی حق ہیں: پہلا حق یہ ہے کہ: اس علم پر ہم خود عمل کرنے کا اہتمام کریں، اور دوسرا حق یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچائیں۔

تبلیغ کا غرضِ تعلیم ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے

آپ احادیث کا مطالعہ کر لیجیے، ہر جگہ ان ہی دو چیزوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے: عبد القیس کا وفد آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہی کہا(۱)۔ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ آئے تھے، اور بیس روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہی نصیحت کی(۲)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کون ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سیکھے، عمل کرے اور ایسے لوگوں کو بتلائے جو عمل کرنے والے ہوں(۳)۔

بہر حال! احادیث کا آپ مطالعہ کریں گے تو ہر جگہ علم کے یہی دو تقاضے ہم کو ملیں گے: پہلا تقاضا یہ ہے کہ اس علم پر ہم خود عمل کرنے کا اہتمام کریں، اور دوسرا تقاضا یہ ہے کہ: اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچائیں۔

---

(۱) وفدِ عبد القیس کو احکامِ اسلام سے آگاہ کرنے کے بعد فرمایا: احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ.
(صحيح البخاری، عن ابنِ عَبّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب أَدَاءُ الْخُمْسِ مِنَ الإِيمَانِ)

(۲) اس وفد کو بھی ضروری علوم سے آراستہ کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا. (صحيح البخاری، مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ، باب بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاةٌ لِمَنْ شَاءَ)

(۳) سنن الترمذی، باب مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ، رقم الحديث: ۲۴۷۵.

علماء اپنے علاقے کے مسلمانوں کی علمی تشنگی مٹانے کی کوشش کریں

تو اس علم کی نسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں، ان ذمہ داریوں میں سے یہ ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر رہتے ہوئے اس جگہ کے مسلمانوں کی علمی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کریں۔

یہ کرم نہیں تو کیا ہے

دیکھو! آپ میں سے بہت سے لوگوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر نہیں کیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں یہ موقع عطا فرمایا اور بے شمار ملکوں میں جانا ہوا؛ لیکن ہمارے ہندوستان میں اور ہندوستان میں بھی خاص کر کے ہمارے گجرات کے اس علاقے میں جو دین کی بہار ہے، مکاتب کے سلسلے ہیں، مدارس کے سلسلے ہیں، خانقاہیں ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام ہے، یہ ساری دینی خدمات انجام دی جا رہی ہیں، ہم دوسرے علاقوں میں جا کر دیکھیں گے تو زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ یہ ہمارے اکابر کی ان محنتوں کا نتیجہ ہے جو انھوں نے انجام دیں۔

ہندوستان پر انگریزی تسلُّط اور ہمارے اکابر کی کوشش

اس ملک پر سے جب اسلامی حکومت ختم ہوئی اور انگریز نے اپنا تسلُّط جمانا شروع کیا، تو ہمارے اکابر نے سب سے پہلے تو انگریز کو یہاں سے ہٹانے کے لیے باقاعدہ مسلح جدوجہد فرمائی، شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے انگریزوں سے

مسلّح جہاد کیا۔ اسی طرح وہاں کیرانہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مسلّح جدو جہد کی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور نہیں تھا؛ اس لیے ان کو اس میں ناکامی ہوئی، اور انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ہم بزورِ قوت انگریزوں کو یہاں سے ہٹا نہیں سکتے، تو ان حضرات نے دوسری نہج سے اس کی کوشش کی۔

انگریزی ریشہ دوانیوں سے اسلام اور اہلِ اسلام کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیوبند کا قیام

ان حضرات نے باہم مل کر مشورہ کیا کہ: اس ملک میں اسلام اور اہلِ اسلام کی بقاء کے لیے کیا شکلیں اختیار کی جائیں؟ چناں چہ مشورہ میں یہ طے ہوا کہ ایک ادارہ قائم کیا جائے، اور وہ ادارہ ایسا ہو جس کا بقاء حکومت کے اوپر موقوف نہ ہو، عوام کے تعاون سے چلنے والا ہو، اس کے نتیجے میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ چندے کی شکلیں سامنے آئیں، اصولِ ہشت گانہ میں جو تکثیرِ چندہ ہے، اس کا مقصد صرف اتنا ہی ہے۔

ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کا قیام اور اس کا نظامِ بقاء

آج کل تو اس تکثیرِ چندہ کو لفظی معنیٰ میں رکھ کر کے اہلِ مدارس اس میں اب الگ سے لگ گئے ہیں، حالاں کہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ ادارے حکومت پر موقوف نہ ہوں؛ اس لیے کہ حکومت پر موقوف رہیں گے تو حکومت گئی تو ادارے بھی ختم ہو جائیں گے۔ آج دوسرے ممالک کا حال دیکھ لیجیے کہ وہاں دینی خدمات انجام دینے والے ادارے نہیں ہیں۔ ہمارے اکابر نے جو یہ سلسلہ شروع کیا، یہ ان کی بڑی بالغ نظری،

دوراندیشی اور دور بینی کی بات تھی، کہ انھوں نے اس عوامی چندے سے یہ سلسلہ شروع کیا، کہ ہماری حکومت رہے یا نہ رہے، ہم اپنے اسلام اور ایمان کو باقی رکھنے کے لیے جو سلسلے شروع کریں گے، وہ حکومت کے رہینِ منت نہیں ہوں گے، بس عوام کے تعاون اور چندے پر اکتفا کریں گے۔

چناں چہ آج ڈیڑھ سو، دوسو سال ہو گئے اور یہ ادارے بڑھتے ہی جا رہے ہیں، اور ان ہی بڑے مدارس کے ماتحت مکاتب کا یہ سلسلہ بھی چل رہا ہے۔ مکاتب کا یہ سلسلہ اس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اسلامی ممالک میں بھی علومِ دین کی نشر و اشاعت علمائے ہند کی رہینِ منت ہے

ہم نے تو بہت سے ممالک کا سفر کیا اور بہت سے اسلامی ممالک میں بھی گئے، وہاں کا مکاتب کا یہ نظام نہیں ہے۔ وہاں کا حال یہ ہے کہ وہاں حکومت کی ماتحتی میں اسکول چلتے ہیں، وہاں اسکول کو بھی مدرسہ ہی کہتے ہیں، اس میں مختلف موضوعات پر تعلیم دی جاتی ہے، ان میں ایک موضوع قرآن بھی ہوتا ہے۔ ان اسکولوں اور مدارس میں پڑھنے والے اکثر بچے وہ ہوتے ہیں جو قرآن پڑھنا جانتے نہیں ہیں۔ اللہ جزائے خیر دے ہمارے سلسلے کے ان علماء کو جنھوں نے سعودیہ کے اندر جا کر کے آج سے چند سال پہلے تحفیظِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا، اور ان کے اس عمل کو دیکھ کر وہاں رہنے والوں کو بھی غیرت آئی، اور وہاں انھوں نے بھی اپنی مختلف بستیوں کے اندر جماعتوں کو پابند

کیا اور جماعتوں نے یہ سلسلے شروع کیے، وہاں بھی پڑھانے والے اور محنت کرنے والے تو ہمارے ہی علماء ہیں، وہاں کے علماء تو اس کے لیے بھی میسر نہیں ہوتے، وہاں جو کام کرتے ہیں، ان سے پوچھ لیجیے۔

مدارس ومکاتب کا نظام چلانے اور اس کی بقاء اہل علم کے ذمہ ہے

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے اکابر کو یہ سعادت عطا فرمائی اور ان کے صدقے میں ہم کو اس کام میں لگایا، اور دین کی بقاء کے جو سلسلے ہیں ان سلسلوں کو ہم سنبھال رہے ہیں۔ بقاء کے ان سلسلوں میں دعوت وتبلیغ کا جو سلسلہ ہے، وہ تو ایک الگ نظام ہے جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے لیے قائم کیا، اور جس میں عوامی انداز میں کام کیا جاتا ہے؛ لیکن ایک دوسرا سلسلہ جو اس سے بھی پہلے ہمارے اکابر قائم کر چکے تھے، وہ مدارس اور مکاتب کا سلسلہ ہے، اس کا قیام اہلِ علم کے اوپر موقوف ہے، عوام پر نہیں، اور اس کو باقی رکھنے کی ذمہ داری بھی اہلِ علم کی ہے، اس کو چلانے کی ذمہ داری بھی اہلِ علم کی ہے۔

علم کی قسمِ اول: فرضِ عین کی تفصیل

اس میں کیا ہوتا ہے؟ ایک مسلمان کو بہ حیثیت مسلمان کے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے، جس کو ہم علم کی دو قسموں میں سے پہلی قسم ''فرضِ عین'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور ایک دوسری قسم ''فرضِ کفایہ'' ہے۔ فرضِ عین کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جن کا جاننا ہر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بحیثیت مسلمان کے جب تک وہ

ان امور کی معلومات حاصل نہیں کرے گا، وہ ایمان واسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ جب کوئی بچہ بالغ ہوتا ہے- چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی- تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز فرض ہوجاتی ہے، روزہ فرض ہوجاتا ہے، اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، صاحبِ استطاعت ہے تو حج بھی فرض ہوجاتا ہے؛ تو یہ عبادات آدمی پر اس کے بالغ ہوتے ہی عائد ہوجاتی ہیں، ان میں پہلی جو دو عبادتیں بتلائی گئیں، وہ تو ایسی ہیں جو ہر ایک پر فرض ہیں، کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں، ان عبادتوں کی ادائیگی کے لیے جن جن مسائل سے واقفیت ضروری ہے، اس میں طہارت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ اسی طریقے سے معاشرت یعنی اس پر ماں باپ کے، میاں بیوی کے، بھائی بہن کے، رشتہ داروں کے جو آپسی حقوق ہیں، ان کو معلوم کرنا ضروری ہے، بہ حیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کے لیے ضروری اور بنیادی عقائد کو جاننا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کو اولین درجہ حاصل ہے، اولین درجے میں اسی کو سیکھا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو آدمی کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا، تو یہ عقائد اور عبادات، خصوصاً نماز روزہ، ان کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

قرآن ہماری بنیادی کتاب ہے، اس کو سیکھنا، دیکھ کر پڑھنے کی صلاحیت حاصل کرنا، اس کے اتنے حصے کو حفظ کرنا جس کو نماز میں پڑھا جاسکے اور اس کو صحیح طریقے سے تجوید کے ساتھ پڑھنا۔

پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ معلومات جو مجموعی طور پر عام معلومات کی حیثیت سے

ضروری ہے۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ایک مسلمان کے لیے بہ حیثیت مسلمان کے ضروری ہیں۔

مکاتبِ دینیہ کے قیام کا مقصد

ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے اکابر نے ان مکاتب کا سلسلہ جاری فرمایا ہے، کہ ہر بستی کے اندر ایک مکتب کا نظام ہو اور وہاں ہر مسلمان کے ہر بچے کو اس میں لاکر ان امور سے واقف کرایا جاسکے، کوئی مسلمان بچہ بھی ایسا نہ ہو جو اس تعلیم سے محروم رہے، بس سب بچے آویں اور ان کو دین کی ضروری معلومات سے آراستہ کیا جائے۔ جب یہ ضروری چیزیں اس کے علم لائی گئیں تو اس کا ایمان اب محفوظ ہو گیا۔

مسلمانوں کے ان بچوں کے عقائد بھی درست کرنے ہیں، ان کو صحیح عقائد کی تعلیم دینی ہے، اسی کے لیے ''تعلیم الاسلام'' کا پہلا حصہ ہے کہ: تم کون ہو؟ یعنی بہ حیثیت مذہب کے تمھارا نام کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ: میں مسلمان ہوں۔

جس جگہ دفن ہے اسلاف کی تہذیب جنوں

ابھی رمضان کے بعد ہمارا ''ازبکستان'' کا سفر ہوا تھا، وہ بخارا اور سمرقند کہ جہاں سے پورے عالمِ اسلام کو احادیث کے معتبر ذخائر ملے تھے، وہاں آج کے جو جوان ہیں اور آج کے جو بچے ہیں، ان کو کلمہ تک یاد نہیں ہے۔ یاد ہونا تو دور کی بات ہے، ہم جب ان کو پڑھاتے ہیں کہ پڑھو: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو

کسی طرح پڑھ لیتے ہیں؛ لیکن مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ ان کی زبان پر چڑھتا بھی نہیں۔ آج وہاں مدارس ومکاتب نہ ہونے کی وجہ سے وہ علاقے محروم ہیں، ان مناظر کو دیکھ کر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

مکاتب کے قیام کا اولین مقصد: عقائد کی درستگی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ چیزیں عطا فرمائی، اس پر جتنا شکر ادا کریں، کم ہے۔ تو ایک تو عقائد ہیں کہ عقیدے کی درستگی کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے لیے ہمارے یہاں ''تعلیم الاسلام'' کا پہلا حصہ ہے، یا ''بہشتی ثمر'' میں جو ابتدائی عقائد ہیں، یا جہاں جہاں اس مقصد کے لیے جو جو چیز بھی داخل کی گئی ہے؛ تو ایک چیز تو عقائد کی درستگی ہے۔

مکاتب کے قیام کا دوسرا مقصد: صحت کے ساتھ قرآن کی ناظرہ خوانی

دوسرا: قرآنِ پاک کو صحیح پڑھنا آجاوے، قرآنِ پاک کے الفاظ کا علم یعنی صحت کے ساتھ ناظرہ پڑھنا سیکھ لے۔ ہمارے یہاں مدارس اور مکاتب کے اندر قدیم زمانے سے الحمد للہ! یہ سلسلہ جاری ہے؛ لیکن صحت کا وہ التزام جو اس زمانے میں ہے، پہلے نہیں تھا۔ ہم لوگ جب ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ہمیں یوں کہتے ہیں کہ یہ آپ گجرات والوں کی دَین ہے کہ قرآن کو صحیح پڑھنے کا یہ سلسلہ عام ہوا۔ اب اگر گجرات کی یہ دَین ہمارے ''بھروچ'' میں نہ آوے تو اس سے بڑی بدقسمتی اَور کیا ہوسکتی ہے!

اللہ تعالیٰ کا فضل

اب تو الحمد للہ! ہمارے جو نئے فارغین ہیں، وہ بہترین قاری بھی ہیں۔ پہلے کوئی

تصوّر بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ہمارے ضلع ''بھروچ'' کے اندر ایسے عمدہ قاری پیدا ہوسکتے ہیں؛ لیکن اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر گاؤں میں ایسے قاری عطا فرمائے جو سبعہ، عشرہ کے ایسے اچھے قاری ہیں اور عام طور پر صحت سے پڑھنے والے تو سبھی ہیں۔

بہر حال! صحت کے ساتھ قرآن کو پڑھانا ہے، یہ دوسرا مقصد ہے۔

مکاتب کے قیام کا تیسرا مقصد: احکامِ اسلام کی تعلیم

تیسرا مقصد احکام کی تعلیم ہے: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، پاکی، ناپاکی وغیرہ کے جو احکام ہیں، اور اس سلسلے میں بھی بہت سی کتابیں ہمارے یہاں پڑھائی جاتی ہیں۔

مکاتب کے قیام کا چوتھا مقصد: اسلام سے متعلق عام معلومات

چوتھا مقصد: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور خلفائے راشدین اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق ضروری معلومات، تاریخِ اسلام سے متعلق کچھ باتیں، اور پھر عام اسلامی معلومات: مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ جاننا کہ اسلامی مہینے کون سے ہیں؟

مکاتب کے نصابِ تعلیم میں مذکورہ امور کو شامل کرنے کی وجہ

ہمارے مکاتب کے نصاب میں ہمارے بزرگوں نے جو یہ چند چیزیں شامل کی ہیں، مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک بچہ جو مسلمان ہے، بحیثیت مسلمان کے جن معلومات کا حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے، وہ معلومات ان مکاتب کے ذریعہ سے ہم ان کو عطا کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں بھرپور محنت کرنی ہے۔

تعلیمِ صبیان کے لیے ''اندازِ تعلیم'' کو سیکھنا بھی ضروری ہے

ان کو سکھانے اور پڑھانے کے لیے اندازِ تعلیم بھی سیکھنا ہے۔ دیکھئے! آج کل الحمدللہ! ہمارے گجرات میں بہت سے ایسے ادارے ہیں اور بہت سے ایسے اہلِ علم ہیں جوان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے کیا طریقہ اور انداز اختیار کیا جائے، اس کی بھی تربیت دیتے ہیں۔

حالات کی تبدیلی مقاصدِ شرعیہ کو بروئے کار لانے کی شکل وصورت کی تبدیلی کی داعی ہوتی ہے

دیکھئے! ہر زمانے میں حالات کی تبدیلی اور لوگوں کے رجحانات کے بدلنے کے نتیجے میں ضرورت رہتی ہے کہ، حالات اور رجحانات کے اعتبار سے ایسی شکلیں اختیار کی جائیں، ایسے اسباب اور وسائل اختیار کیے جائیں کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دے سکیں۔ جیسے قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ [الأنفال:٦٠] اب ظاہر ہے کہ ''مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ'' اس زمانے کے اندر کیا ہوگا؟ تو ہر زمانے کے اعتبار سے شریعت کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے اسی زمانے کے مناسب اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

سلسلۂ تعلیم صبیان میں بھی آسان طریقۂ تعلیم کی ضرورت ہے

جیسے تجارت کے معاملے میں نئی نئی شکلیں تجارت کو فروغ دینے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ رہائش کے سلسلے میں نئی نئی شکلیں رہائش کو بہتر سے بہتر بنانے اور اس

سے فائدہ اٹھانے کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔اسی طرح زمانے کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ہمارے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی شکل وصورت میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، کہ کس طرح آسان سے آسان اور بہتر سے بہتر طریقے سے ان کو دین کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ کیا جائے؟ اور اس کے لیے آپس میں ایک دوسرے کا تعاون اور تناصر کا سلسلہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ ہر ایک اپنے تجربات سے دوسرے کو واقف کر کے، اس کو بتلا کر کے اور اس کے تجربات سے خود فائدہ اٹھا کر کے اس سلسلے کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

امورِ دین کی طرف سے ہماری بے اعتنائی

ہمارے یہاں بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کے لیے نورانی قاعدہ والا طریقہ اور فلانا طریقہ، مختلف اکابر کے مختلف طریقے ہیں جو اپنائے جاتے ہیں، اور یہ ساری چیزیں ماشاءاللہ پچھلے چند سالوں سے شروع ہوئی ہیں، اس سے پہلے قدیم فارغین اپنے انداز سے یہ کام کرتے تھے۔ اب جب یہ سلسلے شروع ہوئے اور ان حضرات کو بھی اس کی طرف متوجہ کیا گیا کہ آپ بھی ان سلسلوں کو اپنائیں اور پھر ان کو ان طریقوں سے واقف کرنے کی غرض سے کچھ مجلسیں منعقد کرنے کوششیں کی گئیں، تو انھوں نے اس کو اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھا۔

خوب وناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز

ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ: ایک گاؤں کے اندر وہاں کے مدرّسین کے

لیے منتظمین نے یہ طے کیا کہ وہ طریقۂ تعلیم سیکھنے کے لیے جائیں، تو جواب میں ہمارے اہلِ علم نے کیا کہا؟ کہ: آج تک کیا میں ''جھک مارتا تھا'' یہ انداز ہمارا ہوتا ہے!!۔

بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام

ایک مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الکَلِمَةُ الحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا: سمجھ داری کی بات یعنی اچھی چیز مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں ملے گی، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے(۱)۔

بھائی! آپ کا قلم کھو گیا، آپ راستے سے جا رہے تھے اور دیکھا کہ آپ کا وہی قلم وہاں گرا ہوا ہے، تو کیا آپ اس کو اٹھانے کے لیے کسی کو پوچھیں گے؟ بلکہ فوراً جھپٹ کر لے لیں گے، اگر کوئی رکاوٹ ڈالے گا تو اس سے لڑیں گے۔ آپ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ میرا ہے، پھر کسی سے پوچھنا کیا معنیٰ رکھتا ہے!۔

تیری فصاحت کے میں نثار

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری یہ رہنمائی فرما رہے ہیں، کیسی عجیب تشبیہ دی! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''افصح العرب'' بتلایا تھا، تو عمدہ بات کو حاصل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس طرح کی اچھی باتیں، عمدہ چیزیں ہماری گم شدہ پونجی ہے۔ گویا یہ تو ہماری ہی چیز ہے، کسی دوسرے کے پاس پہنچ گئی تو کیا ہوا! ہم اس کو لیں گے، اس لیے جہاں کہیں نظر آئے تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، جھپٹ

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ.

کر کے لے لو۔

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے

تو یہ پڑھنے پڑھانے کے مختلف طریقے اور انداز ہیں، ان کو بھی اختیار کرو، ہر ایک کو آزماؤ، چاہے نورانی قاعدہ والا طریقہ ہو یا کوئی اور، اس کو سیکھنے میں کتنا زمانہ لگتا ہے؟ چار، پانچ روز میں سیکھ لیں گے، ہم ان سبھی مختلف تعلیمی طریقوں کو مختصر وقت میں حاصل کر سکتے ہیں، پھر آپ ان مختلف طریقوں کو اپنے بچوں کی صلاحیت دیکھ کر اس کے مطابق پڑھائیں، آپ دیکھیں کہ فلاں بچہ اس طریقے سے اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو اس کو اس طریقے سے پڑھائیے، دوسرا اس طریقے سے نہیں چل سکتا تو اس کے لیے اس کے مناسب دوسرا طریقہ اختیار کیجیے۔ الغرض: آپ کو تو یہ شوق ہونا چاہیے کہ میں اپنے بچوں کو کسی بھی طرح پڑھاؤں؛ لیکن آج یہ مزاج ختم ہو گیا، آج تو کہتے ہیں کہ یہ کیا مصیبت ہے؟ جلدی جاوے تو اچھا! ہمارا ہی مزاج اگر ایسا بن جائے گا تو کیا ہوگا!

تعلیمِ صبیان کے جدید طُرُق سے تو اہلِ دنیا بھی متنفر نہیں ہیں

یہ اسکولوں کے اندر بچے پرائمری کے اندر سات سال نکالتے ہیں، دس سال نکالتے ہیں، پھر سیکنڈری میں جاتے ہیں، پھر کالج میں جاتے ہیں، یونیورسیٹی میں جاتے ہیں اور اس کے بعد بھی پرائمری اسکولوں میں پڑھانے کے لیے بطورِ مُعلّم کے ان کو ملازمت ملتی نہیں ہے جب تک وہ (p.t.c) نہ کر لے، اور (p.t.c) میں بھی دو یا چار سال ہیں، اور اس میں بھی پھر سال بڑھا دیے گئے، اور اس کے بغیر وہ اس لائق نہیں

سمجھے جاتے کہ بچے ان کے حوالے کیے جائیں۔

جب خضر اقامت پر ہو فدا، تائیدِ مسافر کون کرے!

اور ہمارے یہاں جب کسی مولوی کو سند مل گئی، اب اگر اس کو کہا جائے کہ بچوں کو پڑھانے کے لیے فلاں جگہ ترتیب سکھائی جاتی ہے اور اس کے لیے چار، پانچ سال کا کورس نہیں ہے، صرف پندرہ، بیس دن کا معاملہ ہے، ذرا شرکت کر لیجیے؛ تاکہ آپ کو یہ طریقہ آجائے، وہاں ہماری ''انا'' اور ہمارا غرور اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتا، کہے گا کہ: میں نے پڑھا ہے، مجھے دوسرا کیا سکھائے گا! جس کا ذہن یہ ہو، وہ کبھی بھی دین کی خدمت نہیں کر سکتا۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

ہمارے اکابر تو وہ تھے جو علم کا سمندر پیے ہوئے ہونے کے باوجود علم کی چیز کو بڑی رغبت سے سنا کرتے تھے۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ کسی علمی مجلس میں بیٹھے ہیں اور بولنے والا کوئی ایسی بات بولتا ہے جو آپ کو پہلے سے معلوم ہے تو بھی آپ اسی رغبت سے سنیے جیسے آپ پہلی مرتبہ سن رہے ہیں۔

کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارہ

حضرت مفتی تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے ایک جگہ پر لکھا ہے کہ: ان کے والدِ بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ: کہیں مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے، اور کوئی عامی آدمی بیان کر رہا ہے تو

بھی حضرت بڑے اطمینان سے بیٹھ کر توجہ سے سنتے تھے، جیسے کوئی بڑا عالم تقریر کر رہا ہو!۔

ترے کام آئے عقبیٰ میں جو سیکھے کام، سیکھ ایسا

یہ علم کی قدر ہے، اگر ہم علم کی قدر نہیں کریں گے تو دوسرا کون کرے گا؟ ہمیں ان چیزوں کو، ان جدید طریقوں کو سیکھنے کی ضرورت ہے، طلبہ کو، بچوں کو آسان سے آسان انداز میں سیکھانے اور سمجھانے کے جتنے بھی طریقے ہیں، سب حاصل کرلو۔ ہر پڑھانے والے مُدرّس کی ذمہ داری ہے کہ ان طریقوں سے واقف ہوجائے۔

جدید طُرُقِ تعلیم سے بچوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنا آسان تر ہے

آج کل ان بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے الحمد للہ ایسے ایسے طریقے ایجاد ہوئے ہیں، کہ ہم نے تو پہلے کبھی دیکھے اور سنے نہیں تھے، چوں کہ ہم کو اس لائن سے زیادہ مناسبت نہیں، پہلے دن سے دوسری لائن میں لگ گئے یعنی بڑے مدرسے میں پڑھانا شروع کیا، مکتب میں پڑھانے کی کبھی نوبت نہیں آئی؛ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ: بڑے ہی آسان اور عمدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جہاں جہاں ایسی ٹریننگ دی جاتی ہے، وہاں جانا ہوا، ہمیں بھی دعوت دی گئی کہ آپ علماء کو ترغیب دیجیے، تو وہاں کے لوگ بتلاتے ہیں کہ اتنا آسان طریقہ ہے کہ ہم زندگی بھر قدیم طریقے سے پڑھا رہے تھے، اس طریقے کو دیکھا تو تعجب ہوا کہ اتنے آسان طریقے سے بھی بچوں کو پڑھا سکتے ہیں اور ان کے دل و دماغ میں یہ چیز ڈال سکتے ہیں۔

شیخِ مکتب کے طریقوں سے کُشادِ دل کہاں

اس لیے میں آپ تمام سے کہوں گا کہ: ایسے طریقے ہمیں اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لینے چاہیے۔ بچوں کی تعلیم کے لیے جس قدر سہل اور آسان طریقہ اختیار کیا جائے گا، وہ زیادہ مفید اور کارآمد ہوگا، وقت بھی مختصر، محنت بھی کم اور کام بھی ہو جائے گا۔ تو جدید طریقے جو بہتر سے بہتر اور آسان سے آسان ہو، اس کو اختیار کیا جائے، پرانے، گھسے پِٹے طریقے کو گلے سے لگا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جو کام محبت سے ہوتا ہے، وہ سختی سے نہیں ہوتا

دوسری چیز یہ کہ بچوں کو محبت سے پڑھایا جائے، حقارت آمیز خطاب سے بچنا چاہیے، بعض تو گالیاں بھی بولتے ہیں- نعوذ باللہ- سامنے قرآن رکھا ہوا ہے اور گالیوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ گالی بولنے کو تو حدیث میں منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے(۱)۔ پِٹائی کا ایک زمانہ تھا، ہم نے اور آپ نے بھی عربی اول میں ایک کتاب پڑھی تھی ''مفید الطالبین''، اس میں جملہ پڑھا تھا: المَاءُ لِلصِّبْیانِ کَالماءِ فِی البُسْتَانِ؛ لیکن اس کو بھول جائیے، اب وہ زمانہ نہیں رہا۔

---

(۱) اس سلسلے میں یہ حدیث کتبِ احادیث میں وارد ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

ہجوم کیوں ہے شراب خانے میں

آپ اسکولوں میں دیکھیں گے، وہاں چھوٹے بچوں کی جونرسری ہوتی ہے، اس میں بچوں کوایسی محبت سے پڑھاتے ہیں۔ایک صاحب مجھے آکر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! دیکھونا! یہ انگریزی پڑھانے والے کیسی محبت سے پڑھاتے ہیں، کیسا سلوک کرتے ہیں کہ بچے وہاں جانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور ہمارے مولانا لوگ بچوں کوایسا ڈرادیتے ہیں اور مائیں بھی ان کوڈرانے کے لیے کہتی ہیں کہ ''مولانا آئے''، ڈرانے کے لیے پولیس کا نام لیا جاتا ہے، کتے اور بلی کا نام لیا جاتا ہے، اس میں مولوی صاحب کا بھی ایک اضافہ ہے۔

خیر! مَیں نے اس کوتو اپنے طور پر جواب دے دیا کہ: وہ بچوں کو جواس محبت سے پڑھاتے ہیں تواس پر ایک ایک بچے کی دس دس ہزار فیس لیتے ہیں؛ لیکن بے چارہ مولوی پورے مہینے کی تن خواہ دو، ڈھائی ہزار لیتا ہے، پھر بھی اخلاص کے ساتھ پڑھاتا ہے۔ یہ تواس کو جواب دیا، یہ میں آپ کوسکھا رہا ہوں کہ: آپ اپنا دفاع بھی کریں؛ لیکن آپ کے سامنے جب بولیں گے تو دوسرا انداز اختیار کرنا پڑے گا۔

بچوں کے چھوٹے ہاتھوں کو چاند ستارے بھی چھونے دو

خلاصہ یہ کہ بچوں کومحبت کے ساتھ اس طرح پڑھایا جائے کہ وہ شوق اور رغبت سے دوسرے دن مدرسہ آنے لگے، وہ مدرسے میں آنے کوجیل خانے میں آنے کی طرح نہ سمجھے، کہ کسی قیدی کو پیرول پر چھوڑا گیا تھا اور پیرول کے دن جب ختم ہوئے اور جانے

کا وقت آیا تو مجبوری کے ساتھ، رنج وغم کے ساتھ جاتا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ایسا سلوک کریں کہ بچہ انتظار کرے کہ کب مدرسہ کا وقت ہوگا اور کب میں مدرسہ جاؤں گا۔

بچوں کو طعن وتشنیع کرنے سے گریز کریں

اور بچوں کو جو کڑوے جملے بولتے ہیں، اس سے تو اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ: اگرچہ اس کا شانِ نزول کوئی مخصوص آدمی ہو؛ لیکن ”العِبرۃُ لِعُمومِ اللفظِ لا لِخُصُوصِ المَوْرِد“ تو قرآن تو کہتا ہے کہ: ہر لُمزہ اور ہُمزہ کے لیے ہلاکت ہے؛ اس لیے ہمیں اپنی زبان کو اس طرح کا عادی بنانا، یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ہم جو بولیں گے، ہمارے ان بول کے ذریعہ ہی بچے بولنا سیکھیں گے؛ اس لیے ان کو غلط طریقے نہ سکھائیں۔ بچوں کی تعلیم کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ بچے مانوس ہوں۔

ہماری ایک بری عادت

وقت کی پابندی کریں۔ یہ نہیں کہ ایک تو پانچ، دس منٹ دیر سے آرہے ہیں، پھر باہر کھڑے بھی رہیں گے۔ ہمارے بہت سے علاقوں میں تو باہر کھڑے رہ کر بیڑی بھی پی لیں گے، بچے بھی دیکھ رہے ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جس زمانے میں ہم بخاری پڑھتے تھے تو زیادہ تر ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی! ہم حج میں گئے تو یہ آپ کے بھروچ والے تو وہاں منیٰ میں بھی بیٹھے بیٹھے تمباکو کی بیڑیاں بنا کر پیتے رہتے تھے۔ حضرت مجھے یہ

فرماتے تھے! ہمارا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

بچوں کو غلط چیزوں کا پیغام نہ دیں

خدانخواستہ اگر بیڑی پینے کی عادت ہے تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ سب کے سامنے پی جائے؛ بلکہ چھپ چھپا کر پی جائے، ایک جرم سمجھ کر پی جائے۔ بچوں کے سامنے اس طرح بیڑی پینا گویا بچوں کو بھی اس برائی کا عادی بنانا ہے، اس کی شناعت اور قباحت کو ان کے دلوں میں سے ختم کرنا ہے۔

تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو!

بہر حال! بچوں کو محبت، ہم دردی، خیر خواہی کے ساتھ پڑھائیں۔ ہمارے بچپن میں ہمارے جو اساتذہ رہے۔ ہمارے مولانا محمد صاحب یہاں موجود ہیں اور ان کے ہم عصر ہمارے علاقے کے جو قدیم فارغین تھے، وہ ایسی ہی محبت کے ساتھ پڑھاتے تھے، حالاں کہ اس زمانے میں پٹائی کو کوئی برا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کے باوجود وہ ایسی محبت، ہم دردی اور دل سوزی سے پڑھاتے تھے کہ گویا وہ چاہتے ہوں کہ یہ علم بچوں کے دل ودماغ میں اتار دیں، گھول کے پلا دیں۔ یہ جذبہ ہونا چاہیے، جب تک یہ جذبہ نہیں ہوگا، وہاں تک بچوں کو علم آنے والا نہیں ہے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

آج کل دیہاتوں کے اندر مکاتب اور مدارس میں کام کرنے والے ہمارے علماء اور اساتذہ میں ایک کمزوری یہ بھی آ گئی ہے۔ پہلے کیا تھا کہ یہ مکاتب میں کام

کرنے والے علماء گاؤں کی ہر چیز کی ذمہ داری اپنی سمجھتے تھے، شادی بیاہ کے موقع پر لوگوں کی رہنمائی کرنا، غمی کے موقع پر ان کی رہنمائی کرنا، عید آئی تو اس موقع پر رہنمائی کرنا، جیسا جیسا موقع ہوتا، اس کی مناسبت سے رہنمائی کرتے تھے، یہ مناسب رہنمائی ہر عالم اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا، لوگوں کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے، لوگوں میں گھلے ملے رہتے تھے اور ہر موقع پر ان کی رہنمائی کرتے تھے۔

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے

اب کیا ہوگیا؟ ہم نے اپنا کام دو ڈھائی گھنٹے تک محدود کر دیا۔ اس کے بعد گاؤں میں کیا ہو رہا ہے؟ شادی بیاہ میں کیا رسمیں اور رواج بڑھتے جا رہے ہیں؟ شریعت کے خلاف کیا کام ہو رہے ہیں؟ اس سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں۔ ہم نے اپنا مزاج یہ بنا لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی برائیاں پھیل رہی ہیں کہ اللہ کی پناہ!

جب علم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا

حالاں کہ عالم کی ذمہ داری کیا ہے؟ بخاری شریف میں واقعہ ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب مدینہ منوّرہ کا آخری سفر ہوا تو ایک مرتبہ وہ اپنی قیام گاہ سے مسجدِ نبوی تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک چُٹیا پڑی ہوئی دیکھی۔ بعض عورتیں مصنوعی بالوں کی چٹیا بنا کر زینت کے لیے سر میں لگاتی ہیں، کسی عورت کی چٹیا گر گئی ہوگی۔ آپ کا جو شُرطی تھا: سپاہی، اس نے اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دی۔ آپ یہ چُٹیا ہاتھ میں لیے ہوئے مسجدِ نبوی میں آئے اور منبرِ نبوی میں جا کر، لوگوں کو دکھلا کر فرمانے لگے: أَيْنَ

عُلَمَاؤُكُمْ؟(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پوچھ رہے ہیں کہ: تمھارے علماء کہاں ہیں؟ وہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر علماء نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی۔ فرماتے ہیں کہ: میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی مسلمان عورت ایسی حرکت کرسکتی ہے، یہ تو یہودیوں کا کام ہوسکتا ہے! ہم جس بستی کے اندر خدمت انجام دے رہے ہیں، اس بستی کی ساری دینی ذمہ داریاں: اس کے معاشرے کو ٹھیک کرنے کی، ان کے اخلاق کو درست کرنے کی، ان کے معاملات کو ٹھیک کرنے کی، ان کی نمازوں اور عبادات کو ٹھیک کرنے کی؛ ساری ذمہ داری آپ کی ہے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے

آج کل الحمدللہ دعوت وتبلیغ کا کام ہو رہا ہے اور وہ احباب اپنا کام کر رہے ہیں؛ لیکن ان کا کام ایک محدود پیمانے پر ہوتا ہے۔ بہ حیثیت عالم کے ہمارا جو کام ہے، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہمیں لوگوں کو مسائل بھی بتانے ہیں اور جو غلطیاں ان میں پائی جاتی ہیں، ان پر بھی ان کو آگاہ کرنا ہے، ٹوکنا ہے اور ان غلطیوں کو دور کرنا ہے، رسم رواج کو ختم کرنا ہے اور گناہوں کی عادتیں چھڑوانی ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں اہلِ علم جب تک پوری دل بستگی کے ساتھ، توجہ کے ساتھ نہیں لگیں گے، وہاں تک یہ ہوگا نہیں۔

بخارا اور سمرقند کی تباہی کی چشم دید کہانی

آج عوام سے علماء کا رابطہ منقطع ہوگیا۔ جامعہ حسینیہ راندیر میں ہمارے پڑھنے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ الوَصْلِ فِي الشَّعَرِ.

کے زمانے میں حضرت مولانا حسین بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس کے بعد تو حضرت دیوبند تشریف لے گئے تھے اور پھر دیو بند سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔ میں تو اشرفیہ میں پڑھتا تھا؛ لیکن ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا، بڑی محبت فرماتے تھے، انھوں نے ایک بڑی عمدہ بات فرمائی کہ: مولوی صاحب! جس زمانے میں بخارا اور سمرقند میں کمیونزم آیا۔

کمیونزم کا بھوت

یہ کمیونزم اب تو دنیا سے تقریباً ختم ہو گیا؛ لیکن جب کمیونزم کا نظریہ نیا نیا آیا تھا تو اس کا بڑا دبدبہ تھا اور ساری دنیا پر وہ مسلّط ہونا چاہتا تھا، اور لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے تھے۔ بخارا اور سمرقند کی حکومتیں ختم ہوئیں اور ان ممالک میں کمیونزم نے اپنا تسلّط جمایا، تو اس وقت بخارا اور سمرقند کے اندر علماء کی کمی نہیں تھی۔

عوام سے رابطہ ختم کرنے کا عبرت ناک انجام

انھوں نے جو بات مجھے کہی تھی، وہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت بخارا اور سمرقند کے اندر علما کی کمی نہیں تھی، بڑے بڑے علماء موجود تھے؛ لیکن وہ سب اپنے خول میں بند تھے، یعنی وہ یوں سمجھتے تھے کہ کسی کو فائدہ حاصل کرنا ہو تو وہ ہمارے پاس آویں، ہم کسی کے پاس کیوں جاویں! عوام کے ساتھ ان کا رابطہ نہیں تھا، عوام سے کٹے ہوئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کمیونسٹوں نے عوام کو ان کے خلاف بھڑکا دیا اور ان کو باقاعدہ برسرِ عام پھانسیاں دی گئیں اور جن کو جان بچانی تھی تو ہمارے جیسے سینکڑوں بھاگ کر کے ہجرت کر گئے،

اور سینکڑوں میل کا سفر پیدل طے کر کے کشمیر کے راستے سے یہاں ہندوستان میں آئے۔

عوام کے ساتھ گھلنا ملنا دین کی خاطر ہو

پھر عوام کے ساتھ رابطہ رکھنا اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا دین کے لیے ہو، دین کو فروغ دینے کے لیے، دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے، دینی اخلاق، دینی اقدار اور معاشرت کو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو ان حضرات تک پہنچانے کی نیت سے عوام کے ساتھ جُڑے رہیں، اپنی غرض کے لیے نہیں۔ آج بہت سے علماء اپنی اغراضِ دنیویہ کے لیے عوام کے ساتھ گھلے ملے ہوئے ہیں، یہ گھلنا ملنا مُضر ہے، وہ گھلنا ملنا مفید ہے جو دین کے لیے ہو۔ ہمیں ان کے اخلاق درست کرنے ہیں، ان کے معاملات درست کرنے ہیں، ان کی عبادات درست کرنی ہیں، ان کی معاشرت درست کرنی ہیں، اس کے لیے ان کے اندر گھسیں، ان کو بتائیں، مانوس کریں۔ جب تک ہم اس کی فکر نہ کریں، وہاں تک ہمارا معاشرہ ٹھیک ہونے والا نہیں ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

معاشرتی اعتبار سے بہت ساری سماجی برائیاں ہوتی ہیں، وہ دھیرے دھیرے آتی ہیں اور پھر وہ جڑ پکڑ لیتی ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے اہلِ علم ہیں اور سماج کے جو دوسرے ذمہ دار حضرات ہیں، دونوں مل کر کمیٹیوں کی تشکیل دی جائے۔

خلافِ شرع امور کو دور کرنے کی بعض اہلِ علاقہ کی مساعئ جمیلہ

ہمارے یہاں بعض علاقوں میں ''اصلاحِ معاشرہ'' کے عنوان پر ہماری بڑی بڑی جماعتوں کی طرف سے یہ سلسلے شروع کیے جاتے ہیں، اور بہت سی جگہ اس طرح کی

کمیٹیاں بنا کر کے لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا جاتا ہے، اور جہاں پتہ چلتا ہے کہ فلاں کے یہاں شادی ہونے والی ہے اور وہاں بہت سے خلافِ شرع امور انجام دئے جانے والے ہیں، اور بہت اسراف، فضول خرچی ہونے والی ہے، تو پہلے ہی ان کے پاس جا کے، ان سے ملاقاتیں کر کے اور شریعت کی روح اور تعلیمات سے آگاہ کر کے ان کو ترغیب دے کر آمادہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے تو کہتے ہیں کہ: ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔

اس طرح کے سلسلے بھی معاشرے کی برائیوں کو دور کرنے کے لیے قائم ہونے چاہیے۔ بڑے علماء کی خدمات کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ جہاں جہاں یہ کام انجام دیے جانے والے ہوں، ان کام انجام دینے والوں سے رابطہ قائم کر کے بڑے علماء کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر مناسب تدبیریں ان برائیوں کو دور کرنے کے سلسلے میں اختیار کی جائیں، بڑے علماء سے بیانات کروائے جائیں۔

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

آج امامت کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہو گیا، آپ کہیں بھی چلے جاؤ، کہیں بھی سنت کے مطابق قرأت نہیں ہوتی، یہ سب سے بڑے افسوس کی بات ہے، بس چند رکوع اور چند سورتیں ہیں، ان ہی کو پڑھتے رہیں گے، اور اگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا سیکھ کر کے آیا اور سنت کے مطابق قرأت کرتا ہے اور قوم بے چاری جانتی نہیں کہ یہ سنت قرأت ہے، تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے کہ یہ مولانا تو بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ اب وہ کہتا ہے کہ:

یہ سنت کے مطابق ہے، تو عوام دلیل پکڑتی ہے کہ یہ جو دوسرے مولوی لوگ نماز پڑھاتے تھے، وہ کیا کرتے تھے! گویا اُن کا عمل اِن کے لیے حجت ہے، عجیب معاملہ ہے! اور اِس کا عمل حجت نہیں ہے، یہ سب ہماری غفلتوں کا نتیجہ ہے۔

ہم پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا ایک سبب

ہماری نماز سنت کے مطابق ہونی چاہیے۔ آج پوری پوری بستی کی نماز امام کی غفلت کی وجہ سے سنت کے مطابق نہیں ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں کہاں نازل ہوں گی۔ آج جو ہمارے یہاں یہ سب مصیبتیں آرہی ہیں، ان کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے، اس کی طرف بھی اہلِ علم کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے

ساتھ ہی ساتھ سنتوں کو عام کیا جائے، اس کے اوپر عمل کا اہتمام کیا جائے، لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔

سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر کی حد تک تو شریعت کا کوئی حکم ہم سے ٹوٹنے نہ پائے، ہم خود سو فی صد شریعت کے مطابق عمل کرنے والے ہوں: ہماری نمازیں ایسی ہوں، ہمارے معاملات ایسے ہوں، ہماری معاشرت ایسی ہو، ہمارے گھر میں کوئی بھی کام شریعت کے خلاف ہونا نہیں چاہیے؛ اس لیے کہ اگر ایک چیز بھی ایسی ہوگی تو اس عالم کا وقار ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر دین کی کوئی بات عوام کے سامنے کہے گا تو عوام اس کو خاطر میں نہیں لائے گی، کہ خود آپ کے گھر میں تو ایسا ہو رہا ہے،

صرف ایک چیز خلافِ شرع ہوئی، اس نے اس کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ تو ہمیں اپنی ذات کی حدتک اور اپنے ماتحتوں کی حدتک بہت زیادہ سخت رہنے کی ضرورت ہے۔

کس قدر تم پے گراں صبح کی بیداری ہے

آج ہم جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے، علماء کی بڑی تعداد وہ ہے جو ترکِ جماعت کی مرتکب ہے۔ ہمارے یہاں تو دارالافتاء میں سوالات آتے ہیں کہ: ہمارے یہاں مکتب کے اندر دس مُدرّس ہیں اور ہم نے امامت کے لیے ان میں باری مقرر کر رکھی ہے، تو جن مولوی صاحب کی باری ہوتی ہے، وہ تو فجر میں آتے ہیں اور اگر کسی دن وہ غیر حاضر رہ گئے تو باقی نو میں سے وہاں ایک بھی نہیں ہے۔ اب بتائیے! ایسے امام کے پیچھے نماز کیسی ہوگی؟ مکروہ ہی ہوگی! ہم نے یہ طریقے آج اپنا لیے ہیں۔ ہمارا حال تو یہ ہونا چاہیے کہ اذان سنتے ہی مسجد میں پہنچ جائیں؛ لیکن ہم گھروں کے باہر صحن میں بیٹھے رہتے ہیں، یہ اہلِ علم کی شان ہے؟ عوام پر اس کا کیا اثر مرتب ہوگا؟

ہے جو مسلم، کام بھی تو درخورِ اسلام کر

یہ سب امور بہت زیادہ قابلِ اصلاح ہیں؛ لیکن یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ہم اہلِ علم اس کی طرف توجہ کریں۔ آپ جو حضرات یہاں کام کررہے ہیں، ہر ایک، میں کسی کی ذات کو نشانہ نہیں بناتا اور نہ میں اپنے آپ کو پاک ظاہر کرنا چاہتا ہوں، ہم سب کو اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ ہم سب کی ذمہ داریاں ہیں۔

تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو

جتنا اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہم ان کاموں کو انجام دیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کاموں میں آپ کی مدد فرمائیں گے اور برکت دیں گے؛ اس لیے ہر عالم اپنے اپنے طور پر ان چیزوں کا اہتمام کرے، ان چیزوں کے لیے محنتیں کرے۔ گھُپ اندھیرا ہو، اس میں ایک چھوٹا سا ٹمٹماتا چراغ بھی اگر جلائیں گے تو روشنی تو ہوگی ہی ہوگی، اور وہ کسی نہ کسی حد تک اندھیرے کو دور کرے گا، اگر ایسے دس چراغ جلائے جائیں تو بہت زیادہ روشنی ہو سکتی ہے۔

مگر میرا فرضِ منصبی ہے چراغ پیہم جلائے جانا

ہر عالم اپنے آپ کو سو والٹ کا بڑا لیمپ نہ سمجھے، چھوٹا سا چراغ سمجھ کر تو کام کر سکتا ہے۔ میں یہ نہ سمجھوں کہ میں کوئی بہت بڑی روشنی پھیلا رہا ہوں؛ لیکن میں ایک چراغ تو جلا سکتا ہوں۔ اس طرح اگر کام کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکت سے یہ اندھیرا دور فرمائیں گے، اور اس کی برکات سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، اور اس سے ہمیں بھی فائدہ پہنچے گا اور معاشرے کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

اے لا الٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں

آج دنیا میں برائیاں عام ہوتی جا رہی ہیں، اہلِ علم کو تو اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔ الیکشن کے موقع پر اور دوسرے مواقع پر خاندانوں میں جھگڑے ہوتے ہیں تو ان جھگڑوں میں بھی اہلِ علم پیش پیش ہوتے ہیں، ایک جاہل آدمی جو حرکت نہیں کرتا، وہ

عالم کر گذرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ہمارے منصب کے خلاف ہیں، ان سے ہمیں دور ہی رہنا ہے اور اللہ کے احکام کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھنا ہے۔

طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

یہ قول حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے: لوگ کہتے ہیں کہ ماحول نہیں ہے، ماحول نہیں ہے! یہ ماحول کیا بارش کی طرح آسمان سے برسے گا؟ ماحول تو ہمیں بنانا ہے۔ اپنی ذات سے، اپنے گھر سے شروعات کیجیے۔ ہر آدمی یہ تہیہ کر لے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں، میرا گھر ٹھیک ہو جائے تو سب کے گھر اس طرح ٹھیک ہو جائیں گے اور ماحول خود ہی بن جائے گا؛ اس لیے ماحول کی خرابی کی شکایت فضول ہے۔

کچھ خار تو کم کر گئے، گذرے جدھر سے ہم

آج ہمارے یہ جتنے بھی گاؤں اور بستیاں ہیں، وہ اہلِ علم کی توجہ نہ ہونے کی وجہ سے یتیم اور بے یار و مددگار ہو گئے، رہنمائی کی ضرورت ہے، احکام سے واقف کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ بتلاتے رہیے، دو آدمی بھی عمل کرنے والے مل جائیں گے تو آپ کی محنت اکارت نہیں ہوگی، اور اگر ایک بھی نہیں ملا تو بھی آپ کا اجر تو کہیں گیا ہی نہیں۔

ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است

ایک اَور چیز یہ ہے کہ: ہر ایک کی استعداد، ہر ایک کا مزاج اور ہر ایک کی طبیعت الگ الگ ہوتی ہے، ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ [الإسراء: ٨٤] تجارت کرنے والوں میں تجارت کے انداز الگ ہوتے ہیں، ڈاکٹروں میں علاج معالجے کے انداز

مختلف ہوتے ہیں۔اسی طریقے سے ہم جو تعلیمی سلسلہ، دین کی خدمت کا سلسلہ لے کر چلے ہیں، ہر ایک کی استعداد، ہر ایک کے مزاج اور ہر ایک کی طبیعت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہر ایک ایک خاص انداز اختیار کرتا ہے۔اب اس کی طبیعت اسی کی طرف چل رہی ہے تو وہ اپنے انداز سے ضرور کام کرے؛ لیکن دوسرا آدمی اگر دوسرے انداز سے کام کر رہا ہے تو ہمیں بھی اس کے اس کام کی قدر کرنی چاہیے، اس پر تنقید یا اس کی تنقیص یا اس کے کام کو گھٹانے کے لیے ہماری طرف سے کوششیں ہرگز نہ ہوں۔

آپس میں موافق رہو، طاقت ہے تو یہ ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی بھی صلاحیت دی ہے، اپنی صلاحیت کا ایک حصہ بھی اس طرح کی حرکتوں میں ضائع کرنے کے بجائے، ہم جس کام کو لے کر چل رہے ہیں، اس کو ترقی دینے میں، اس کو فروغ دینے میں استعمال کریں۔

آج ہم یہ سوچتے ہیں کہ میں فلاں کو گراؤں گا تو اوپر آؤں گا۔ یاد رکھو! کسی کو گرا کر ہم اوپر نہیں آسکتے، کسی کی تنقیص سے ہمارے کام میں ترقی نہیں آسکتی، فروغ نہیں مل سکتا۔ دین کے کام کرنے والے سب حلیف بن کر رہیں، حریف نہ بنیں۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے، ہم ثواب وعذاب کیا جانیں

سیاسی جماعتیں جو ہوتی ہیں، وہ ایک دوسرے کی حریف اور مدِّ مقابل ہوتی ہیں، وہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اگر فلانی جماعت کو گرائیں گے تو ہم اقتدار میں آجائیں گے۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے، یہاں دنیا کا معاملہ ہے ہی نہیں، ہمیں تو اللہ سے لینا ہے، تو

جتنا زیادہ ہم کریں گے اللہ تبارک وتعالیٰ دینے والے ہیں، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے؛ اس لیے ہمیں اسی کے لیے کام کرنا ہے۔

جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

الغرض! طریقۂ کار مختلف ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کی تنقیص نہیں کرنی چاہیے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ کوئی عالم دین کا کام کر رہا ہے، اپنے انداز سے کر رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے کام سے امت کو فائدہ پہنچائے، ہم اپنے انداز سے کر رہے ہیں۔ اس طرح جب آپس میں ایک دوسرے کا ادب واحترام اور ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں گے تو معاشرے میں اہلِ علم کا وقار اور ان کی عزت باقی رہے گی، اور اگر ہم اس طرح تنقید اور تنقیص سے کام لیتے رہیں گے تو ہمارا اہلِ علم کا وقار ختم ہو کر کے دینی چیزوں کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ایک طرح کی نفرت سی پیدا ہو جائے گی۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا(۱): دین کے کاموں کو انجام دینے میں ایسی شکلیں اختیار نہ کی جائیں جو لوگوں کو دین کی طرف سے متنفر کرنے کا ذریعہ بنتی ہوں۔

ایک مثال سے تفہیم

میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ: دیکھو! ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں، ہماری شریعت شریعتِ محمدیہ ہے، دوسرے انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں؛ لیکن

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالِاخْتِلَافِ.

اس کے باوجود ہمارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ ہم اگلے تمام نبیوں پر ایمان نہ لائیں تو عمل اگرچہ ہمارا شریعتِ محمدیہ پر ہے؛ لیکن ہمارا ایمان تمام نبیوں پر ہے۔ تو اپنا کام ہم اپنے انداز سے کریں گے۔ جس سے ہمارا تعلق ہے: جس ادارے سے، جس جماعت سے، اس کے مطابق کریں گے اور پھر ہر جماعت اپنے کام میں لگی رہے۔

اپنے کام کا غلبہ تو ہونا چاہیے لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے

جیسے ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ: اپنے کام کا غلبہ تو ہونا چاہیے؛ لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے۔ غلو میں دوسرے کی تنقیص ہوتی ہے، دوسرے کو کمتر سمجھا جاتا ہے، اور غلبہ میں یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی جس چیز کو لے کر چل رہے ہیں، وہی چیز ہمارے دل ودماغ پر سوار رہتی ہے۔

تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا

آپ جمعیت کی نسبت سے کام کرتے ہیں، آپ تبلیغی جماعت کی نسبت سے کام کرتے ہیں، آپ دوسرے کسی ادارے کی نسبت سے کام کرتے ہیں۔ جس پلیٹ فارم سے بھی آپ یہ خدمات انجام دے رہے ہیں، اس کا آپ کے دل ودماغ پر غلبہ ضرور ہو۔ غلبہ نہیں ہوگا تو آپ کام نہیں کرسکیں گے؛ لیکن غلو نہیں ہونا چاہیے، یعنی یہ نہ سمجھے کہ میں ہی کررہا ہوں، دوسرا کوئی نہیں کرتا، یا میں جو کررہا ہوں وہی صحیح ہے، دوسرے کررہے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ چیز امت کو نقصان پہنچانے والی ہے؛ اس لیے اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

ہاتھ سے جانے نہ دے اس موقعۂ زرّیں کو تو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو موقع عطا فرمایا، جو صلاحیتیں عطا فرمائی، علم کی شکل میں جو نعمت عطا فرمائی، ان سے فائدہ اٹھالو، آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کرلو، پھر یہ چیزیں ملنے والی نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مفتیانِ کرام سے رہنما خطاب

بمقام: ڈربن (ساؤتھ افریقہ)

بوقت: ۸/ ۶/ ۲۰۱۳ء

اقتباس

یہ شاہی القاب جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیے گئے، اس کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک تو پوچھنے پر بتانا۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: ایک آدمی عام مجمع کے اندر تقریر کرتا ہے، دین کی باتیں بتلاتا ہے اور لوگ سنتے ہیں۔ اب پتہ نہیں کتنے لوگ ہیں جو اس کو یاد رکھیں گے اور کتنے بھول جائیں گے! اور یاد رکھنے والوں میں سے کتنے ہیں جو اس پر عمل کریں گے اور کتنے ہیں جو عمل نہیں کریں گے! اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔

لیکن ایک آدمی آپ کے گھر پر آپ سے پوچھ رہا ہے کہ: فلاں مسئلے کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کا آ کر کے آپ سے پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو بظاہر یہاں ایک آدمی پوچھ رہا ہے، استفادہ کر رہا ہے؛ لیکن یہاں یہ بات یقینی ہے کہ اس کا آ کر کے پوچھنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا ارادہ عمل کرنے کا ہے؛ اس لیے یہ بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

وقال تعالىٰ: ﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:۴۳]

حضراتِ علماءِ کرام، مشائخِ عظام اور میرے مسلمان بھائیو!

حضرت مولانا سلیمان صاحب - اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے علوم میں خوب برکت عطا فرمائے - کی باتیں سن کر مجھے خود بھی بڑا فائدہ پہنچا، انشراح ہوا۔ نصیحت کے نام سے اب کچھ اور کہنے کی تو ضرورت ہے نہیں، البتہ آج کی مجلس کی مناسبت سے جو دو چار باتیں کہنے کو سوچ کر آیا تھا، اسی سلسلے میں کچھ عرض کروں گا۔

مسلمان کی پوری زندگی احکامِ الٰہی کے مطابق گذرنی ضروری ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ اس کی زندگی کی ہر حرکت وسکون اور اس کی زندگی کی ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو۔ چناں چہ ایک مسلمان کو روز مرّہ کی زندگی میں جو امور پیش آتے ہیں، ان سے متعلق مسائل سے واقفیت اس کے لیے ضروری ہے۔

علمِ دین کے دو درجے

اسلام نے علم کے دو درجے بتائے ہیں: ایک تو ہے فرضِ عین، اور ایک ہے فرضِ کفایہ۔ فرضِ عین کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جن کا جاننا ہر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، جو آدمی کو روزانہ پیش آتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے، بحیثیت مسلمان کے جب تک وہ ان امور کی معلومات حاصل نہیں کرے گا، وہ ایمان واسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا، ہر مسلمان کے لیے اس سے واقفیت ضروری ہے۔

علم کی قسمِ اول فرضِ عین کی تفصیل

جب کوئی بچہ بالغ ہوتا ہے- چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی- تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز فرض ہوجاتی ہے، روزہ فرض ہوجاتا ہے، اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، صاحبِ استطاعت ہے تو حج بھی فرض ہوجاتا ہے، تو یہ عبادات آدمی پر اس کے بالغ ہوتے ہی عائد ہوجاتی ہیں، ان میں پہلی جو دو عبادتیں بتلائی گئیں، وہ تو ایسی ہیں جو ہر ایک پر فرض ہیں، کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں، ان عبادتوں کی ادائیگی

کے لیے جن جن مسائل سے واقفیت ضروری ہے، اس میں طہارت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں، اسی طریقے سے معاشرت یعنی اس پر ماں باپ کے، میاں بیوی کے، بھائی بہن کے، رشتہ داروں کے جو آپسی حقوق ہیں، ان کو معلوم کرنا ضروری ہے، بہ حیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کے لیے ضروری اور بنیادی عقائد کو جاننا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کو اولین درجہ حاصل ہے، اولین درجے میں اسی کو سکھایا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو آدمی کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا، تو یہ عقائد اور عبادات، خصوصاً نماز روزہ، ان کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

یہ تو علم کی وہ مقدار ہے جس کو حاصل کرنا شریعت نے ہر ایک واسطے فرض قرار دیا ہے، جس کو ہم اور آپ ''فرضِ عین'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

مکاتب کے قیام کا مقصد

ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے اکابر نے ان مکاتب کا سلسلہ جاری فرمایا ہے کہ ہر بستی کے اندر ایک مکتب کا نظام ہو اور وہاں ہر مسلمان کے ہر بچے کو اس میں لاکر ان امور سے واقف کرایا جاسکے، کوئی مسلمان بچہ بھی ایسا نہ ہو جو اس تعلیم سے محروم رہے، بس سب بچے آویں اور ان کو دین کی ضروری معلومات سے آراستہ کیا جائے۔ ان مکتبوں کے نصاب میں جو جو چیزیں شریک کی گئی ہیں، وہ تقریباً وہی ہیں جن کا جاننا ایک مسلمان کے لیے بحیثیت مسلمان کے ضروری اور فرض ہے۔ یہ تو علم کی وہ مقدار ہوئی جو فرضِ عین ہے۔

مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد

دوسری قسم ہے فرضِ کفایہ، یعنی وہ مسائل جو ہر ایک کو پیش نہیں آتے بعض لوگوں کو پیش آتے ہیں، تو ایسے مسائل کے جاننے والے ہر علاقے اور ہر بستی میں، ہر جگہ اس انداز سے ہونے چاہئیں کہ لوگوں کو جب اس کی ضرورت پیش آوے تو ان کی طرف رجوع کر سکیں اور وہ ان کی رہنمائی کریں۔ یہ جو مدارسِ عربیہ ہیں، وہ لوگوں کو یہی علم سکھاتے ہیں جو فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔

تاجر کے لیے تجارت کے ضروری مسائل سے واقفیت ضروری ہے

ویسے تو ایک تجارت کرنے والا مسلمان تاجر، اس کو شریعت اس بات کا پابند بناتی ہے کہ خرید فروخت کے جو ضروری مسائل ہیں، ان سے تو وہ واقفیت حاصل کر ہی لے، اس کے بغیر شریعت اس کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بازار کے اندر اسی کو تجارت کرنے کی اجازت ملتی تھی جو ان چیزوں سے واقف ہو، تو اتنے مسائل تاجر کے لیے جاننا ضروری ہے جس کے اوپر تجارت موقوف ہے۔

ضرورت سے زائد مسائل کے جاننے والے کچھ افراد کا ہونا ضروری ہے

اب اگر کچھ مسائل ایسے ہوں جو نئے پیش آئیں تو ان مسائل کو بتلانے والے ایسے علماء اس بستی میں، اس علاقے میں، قرب وجوار میں ہونے چاہئیں جن سے وہ

حضرات رجوع کرسکیں۔

فرضِ کفایہ علم کی مقدار

اسی طرح معاشرت سے متعلق، گھروں میں پیش آنے والے معاملات سے متعلق جو مسائل ہیں تو جو ضروری مسائل ہیں، ان سے واقفیت تو ہر ایک لیے ضروری ہے؛ لیکن اس سے زائد مقدار کے لیے ایسے افراد ہونے چاہئے جو ان مسائل سے واقف ہوں، اسی مقدار کو شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں ''فرضِ کفایہ'' والی مقدار کہی جاتی ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَـةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ: ہر جماعت میں سے کچھ ایسے لوگ ہونے چاہئے جو دین کے مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور بوقتِ ضرورت لوگوں کو مسائل بتلاسکیں۔

وہ فضلاء جو فرضِ عین والے علم سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں

اہلِ علم کا یہ طبقہ اور یہ مدارسِ عربیہ فرضِ کفایہ کی اسی مقدار کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہیں، ویسے تو ان مدارس کے اندر ایسے افراد بھی عمومی عالم کے نام سے تیار کیے جاتے ہیں جو فارغ ہونے کے بعد اپنی اپنی جگہ مکاتب میں خدمت انجام دیتے ہیں، یعنی یہ حضرات فرضِ عین کی مقدار جس کا ہر مسلمان کے لیے جاننا ضروری ہے، اس سے واقف کرنے کا کام کرتے ہیں۔

فرضِ کفایہ والے علم کے حامل فضلاء

ان ہی فارغین میں کچھ مزید باصلاحیت ایسے ہوتے ہیں جن کو اور بھی زیادہ

تربیت دی جاتی ہے، اوران سے تخصص کے نصاب کروائے جاتے ہیں اور مفتی بنتے ہیں، اوران کواس لائن سے واقف کرا کر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے کا بھی امت کے اندر ہونا ضروری ہے؛ تا کہ لوگ بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کرسکیں۔

مؤمن احکامِ الٰہی کا پابند ہے

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالٰی نے خاص طور پر تاکید فرمائی ہے: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، کسی مسلمان کواس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی بھی کام کواس کے متعلق شرعی ہدایات سے واقفیت حاصل کیے بغیر انجام دے؛ بلکہ جب بھی وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ شریعت کی طرف سے اس بات کا مکلف اور پابند ہے، کہ وہ پہلے ان حضرات سے جو ان مسائل سے اور شریعت کے احکام سے واقف ہیں، ان سے رجوع کرے، رجوع کرنے کے بعد ان سے معلومات حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔

حکومت سے متعلق کاموں میں ماہرینِ قانون سے رجوع کرنے کا لوگوں میں معمول ہے

جیسے یہاں کوئی پاپرٹی خریدنا چاہیں گے تو آپ جانتے ہیں کہ: پاپرٹی خریدنے سے پہلے پاپرٹی کی خریداری سے متعلق حکومت کے جو قوانین ہیں، ان سے آپ واقفیت حاصل کرتے ہیں، اوراس لائن کے جو ماہرین وُکلاء ہیں آپ ان سے رجوع کرتے

ہیں، اور آپ پوری احتیاط برتتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پاپرٹی خریدوں، پیسے دے دوں اور اس کے بعد میرے پیسے ضائع ہو جائیں۔ ہر چیز میں اس کا خیال کرتے ہیں، جہاں جہاں حکومت سے معاملہ پڑتا ہے، وہاں ہر آدمی قانون کے ماہرین سے رجوع کر کے پھر آگے قدم بڑھاتا ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے کام کر لیا اور اس کے بعد ماہرین سے جا کر کے پوچھا۔

بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کے معاملے میں علماء سے رجوع کا طریقہ

ہمارے یہاں شرعی امر میں لوگوں کا یہ مزاج بنتا جا رہا ہے، کہ مسائل کو معلوم کیے بغیر کوئی کام کر گزرتے ہیں اور پھر مسائل پوچھتے ہیں۔ طلاق کا مسئلہ ہی لے لیجیے: اب خدانخواستہ کسی کا معاملہ اپنی بیوی کے ساتھ ایسا ہے کہ جمتی نہیں ہے، اور اس کا ارادہ علیحدگی کا ہے، تو کوئی بات نہیں ہے؛ لیکن اس کو چاہیے کہ وہ پہلے اس سلسلے میں شریعت کے جو حضرات ماہرین ہیں، ان کے پاس جا کر کے اپنی ساری بات پیش کرے کہ اپنی بیوی کے ساتھ میرا یہ معاملہ ہے، آپ اس کا حل مجھے بتائیے۔ اب وہ حضرات آپس کی موافقت کے لیے شریعت نے اس سلسلے میں جو ہدایتیں دی ہیں، وہ ان ہدایتوں کو بتائیں گے۔ ان ہدایتوں پر عمل کریں، اس کے بعد بھی اگر نباہ نہیں ہوتا تو علیحدگی کے لیے جو طریقہ شریعت نے بتلایا ہے، یہ حضرات وہ طریقہ بتلائیں گے، اس کے مطابق علیحدگی اختیار کریں۔

زوجین کی علاحدگی کے آداب کے سلسلے میں مستقل قرآنی سورت

باقاعدہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک سورت نازل فرمائی ہے، اس کا نام ہی سورۂ طلاق ہے: يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ طلاق کب دینی چاہیے؟ طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے؟ وہ سب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا۔

قوانینِ شرع کے متعلق ہماری لاپروائی

لیکن آج کوئی مسلمان طلاق دینے سے پہلے اس سلسلے میں مسئلہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا؛ بلکہ اپنے طور پر ایک اقدام کر لیتا ہے اور اس کے بعد جب مسئلہ الجھتا ہے تو پھر علماء کے پاس آتا ہے، اور وہ بھی بالکل بے وقت!

اہلِ علم کی ناقدری

دنیا کے جو قانون دان ہیں وُکلاء وغیرہ۔ ایک تو یہ کہ وہ فیس لیتے ہیں، کوئی بھی وکیل بغیر فیس کے آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے گا، قانون کے متعلق کوئی بھی چیز آپ کو بغیر پیسے لیے نہیں بتلائے گا۔ جتنا بڑا وکیل ہے، اسی مناسبت سے اس کی فیس بھی زیادہ ہوگی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ دین کے مسائل، احکام اور قانون سے واقفیت رکھنے والا مفتیوں، فقہاء اور اہلِ علم کا یہ طبقہ کوئی بھی فیس لیے بغیر آپ کو مسائل بتائے گا؛ لیکن وہاں پیسہ دے کر کے ان سے معلومات حاصل کرتے ہیں؛ لیکن پھر بھی ان کا پورا لحاظ کرتے ہیں: ان کا آفس کا ٹائم کیا ہے؟ وہ کب ملیں گے؟ ان کی ساری

چیزوں کا خیال رکھیں گے، اور اِدھر مفتی ایک ایسا آ گیا کہ کسی بھی وقت آ جاؤ۔

حضرت کے ساتھ پیش آمدہ ایک ذاتی واقعہ

ایک مرتبہ رات کے ڈیڑھ بجے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا، میں نے دروازہ کھولا، ہمارے ڈابھیل کے قریب، نوساری کے اس طرف کے ایک گاؤں کے چار آدمی آئے تھے، وہ طلاق کا ایک مسئلہ پوچھنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ: یہ واقعہ کب پیش آیا؟ جواب دیا کہ: واقعہ تو آٹھ دن پہلے پیش آیا تھا۔ میں نے کہا کہ آٹھ دن سے یہ واقعہ ہوا ہے اور آپ رات کو ڈیڑھ بجے مجھ سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آ رہے ہیں!! ایسی کونسی ضرورت پیش آ گئی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قبیلۂ بنوتمیم کی بے وقت آمد

یعنی کوئی لحاظ ہی نہیں۔ حالاں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں ادب سکھلایا ہے، قبیلۂ بنوتمیم کا وفد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت حاضر ہوا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور باہر ہی سے چلّانا شروع کیا: یامحمد! اُخْرُج: اے محمد! باہر آیئے، ہم آپ سے مفاخرہ کرنا چاہتے ہیں۔

مفاخرہ کی حقیقت

زمانۂ جاہلیت میں دو قبیلے والے ملتے تھے تو ہر ایک تقریر میں اور مجمع میں اپنی فضیلتیں، اپنی خوبیاں بیان کرتا تھا، اور پھر فیصلے ہوتے تھے کہ: کون جیت گیا؟ کون غالب رہا؟ اس کو ''مفاخرہ'' کہا جاتا تھا۔

تو انھوں نے کہا کہ: آپ باہر تشریف لائیے، ہم اگر کسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس کے لیے باعثِ زینت ہے، اور اگر ہم کسی کی مذمت کر دیں تو اس کے لیے باعثِ عیب ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شان تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، دنیا والوں کی تعریف سے کیا زینت حاصل ہوگی اور دنیا والوں کی مذمت سے کیا بے عزتی ہونے والی ہے(۱)۔

ملاقات کے قرآنی آداب

بہر حال! اس طرح ان لوگوں کا دوپہر کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر، آپ کو آواز دے کر باہر بلانا اور اس کے لیے آپ کو مجبور کرنا اللہ تبارک تعالیٰ کو ناگوار گذرا، تو اسی پر اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیتیں نازل فرمائیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحجرات: ۴، ۵] کہ جو لوگ آپ کو باہر سے آواز دے کر بے وقت باہر نکلنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عقل اور سمجھ نہیں رکھتے، اگر وہ ٹھیر جاتے، صبر سے کام لیتے، یہاں تک کہ آپ اپنے وقت پر باہر تشریف لاتے تو وہ ان کے لیے بہتر تھا۔

پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

(۱) دلائل النبوة، باب وفد عطارد بن حاجب في بني تميم.

انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے دوسرے ہم عمر ساتھیوں سے کہا کہ: دیکھو! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، اب براہِ راست آپ سے فیض حاصل کرنا تو ممکن نہیں رہا؛ لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہ ابھی موجود ہیں، اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم ان سے فیض حاصل کریں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو اس میں لگا دیا، حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ جو سید الانصار ہیں، اور جن کو بارگاہِ رسالت سے أَقْرَأُ أُهُمْ أُبَيٌّ کا خطاب ملا ہے، جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس کبھی عین دوپہر کے وقت جاتے تھے، وہاں کی دوپہر! مزید براں ہوا چل رہی ہے، ریت اڑ رہی ہے، ان کے چہرے اور کپڑوں کو ریت ڈھانپ رہی ہے، اس کے باوجود باہر دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے باہر نکلنے کا انتظار کررہے ہیں، دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے۔

ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے

جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لاتے اور دیکھتے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما باہر بیٹھے ہوئے ہیں، تو چوں کہ ان کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، تو ان کو دیکھتے تو فرماتے کہ: تم نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ ہم کو آواز دے لیتے! تو فرماتے ہیں کہ: نہیں، ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آدھا آدھا دن انتظار میں گذر جاتا تھا؛ لیکن دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے (۱)۔

---

(۱) روح المعاني ۹/۳۳۲.

لوگوں کے لیے عالم کا وجود نبی کے وجود جیسا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ: قرآنِ پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ فرمایا ہے، اور کسی عالم کا وجود لوگوں کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کی نبی کا وجود تھا؛ اس لیے ان کے ساتھ اسی طرح ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب بتایا ہے؛ اس لیے میں نے دروازہ نہیں کھٹکھٹایا کہ آپ جب اپنے وقت پر نکلیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔

تو قرآن میں اور شریعت میں اس سلسلے میں ساری تفصیلات بتلائی ہیں۔

بات یہ چل رہی تھی کہ شریعت نے ہمیں اس بات کا مکلف کیا ہے کہ کوئی بھی کام انجام دینے سے پہلے اس کام کے متعلق شریعت نے ہمیں کیا ہدایتیں دی ہیں؟ ان کی معلومات حاصل کریں۔ بہت سے لوگ طلاق دے دیتے ہیں اور بعد میں آکر پوچھتے ہیں۔ اب ان کے لیے کوئی راستہ نہیں بچا ہے۔

اللہ تعالیٰ متقی کے لیے نجات کا راستہ پیدا فرماتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو جواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر تو اللہ کا نافرمان اور گناہ گار بنا اور تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ وہ کہتا ہے: اے ابنِ عباس! میرے لیے کوئی راستہ نکالیے، تو فرمایا کہ:

تیرے لیے کیا راستہ نکالیں! اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق: ۲] جو اللہ سے ڈرتا ہے یعنی اللہ کے حکم پر عمل کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے راستہ نکالتے ہیں۔ تُو نہ ڈرا اور نہ طلاق کے سلسلے میں شریعت نے جو ہدایتیں دی ہیں اس کے بارے میں پوچھا، تو اب تیرے لیے کیا راستہ ہوسکتا ہے! کوئی راستہ نہیں ہے(۱)۔

وصیت اور اولاد میں جائداد کی تقسیم کے سلسلے میں ہماری خلافِ شرع کاروائی

تو کسی بھی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کام کے متعلق شرعی ہدایتوں کو علماء سے معلوم کرو۔ بہت سے لوگ وصیت کرتے ہیں اور ان کے انتقال کے بعد جب اس کا یہ وصیت نامہ دارالافتاء میں مفتیوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یا اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اس انداز سے تقسیم کردیا کہ ہبہ کے لیے شریعت کے جو قواعد وقوانین اور تفصیلات ہیں، ان کا لحاظ نہیں کیا، اور پھر اولاد میں آپس میں کوئی جھگڑا ہوا اور یہ معاملہ لے کر دارالافتاء میں مفتی صاحب کے پاس پہنچے، تو مفتی صاحب کہیں گے کہ: تمھارے ابّا نے جو کچھ کیا تھا وہ شریعت کے خلاف ہے، صحیح نہیں ہے۔ اب یہ لوگ اس کو برداشت نہیں کرتے اور مفتی صاحب کو برا بھلا کہتے ہیں۔

ایسی بہت ساری چیزیں آج کل ہورہی ہیں؛ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ ہر کام

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ مُجَاهِدٍ رحمہ اللہ، باب نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلاَثِ.

کے سلسلے میں پہلے شرعی احکام معلوم کرلیں پھراس کے مطابق عمل کریں، شریعت نے ہمیں اس چیز کا پابند بنایا ہے۔

پیش آمدہ مسائل کے بارے میں حضراتِ صحابۂ کرامؓ کا معمول

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کیا تھا؟ جب کوئی بات پیش آتی تھی تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اس مسئلے کو حل کیا جاتا تھا۔

اِفتاء اور اِستفتاء کا مطلب

مفتی کا مطلب کیا ہے؟ اِفتاء کا مطلب ہے: کسی حکمِ شرعی کو بتلانا۔ ایک تو ہے اِستفتاء، یعنی جس کے علم اور تقویٰ پر کسی کو اطمینان ہو، اس سے حکمِ شرعی دریافت کرنا۔ سب لوگ فقہ، قرآن اور حدیث کے علوم سے واقف نہیں ہیں۔ اب جب ان کو کبھی ایسی کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ کسی ایسے آدمی کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے علم اور تقویٰ کے اوپر اس کو اعتماد ہوتا ہے۔ علم اور تقویٰ ان دو چیزوں پر اطمینان کی وجہ سے وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں جو چیز اس سے پوچھوں گا، وہ شریعت کے مطابق صحیح صحیح مجھ کو بتلائے گا اور مَیں اس کے اوپر عمل کروں گا۔

مفتیانِ کرام کی ذمہ داری بہت بڑی اور سخت ہے

اس لیے مفتی کی ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے کہ وہ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نائب بن کر کے اس کو جواب دیتا ہے۔ خدانہ خواستہ اس نے عجلت سے کام لے کر کوئی غلط

جواب دے دیا تو یہ تو بے چارہ جاہل تھا، ناواقف تھا، اس نے آپ سے اس مسئلے کے متعلق معلوم کر کے اس پر اس لیے عمل کیا کہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ آپ کا نہیں؛ بلکہ اللہ کا حکم ہے، اور اگر آپ نے غلطی کی ہے تو ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے؛ اسی لیے مفتی کو لوگوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان ایک پُل اور واسطہ قرار دیا گیا ہے۔

تو یہ سوال کرنا اِستفتاء اور جواب دینا اِفتاء ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ [النساء: ۱۷۶] کہ: اے نبی! آپ سے یہ لوگ یہ حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ: اللہ تعالیٰ کلالے کے سلسلے میں حکم بتلا رہے ہیں۔

القابِ دینیہ درحقیقت صفاتِ الٰہیہ ہیں

حکیم الاسلام حضرت قاری طیّب صاحب نور اللّٰہ مرقدہ فرماتے تھے کہ: یہ جو دینی القاب ہیں کہ حافظ ہے، قاری ہے، مقری ہے، مفتی ہے۔ یہ اصل تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام ہیں، اللہ تعالیٰ کے القاب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ اللہ تعالیٰ فتوی دیتے ہیں، گویا اللہ مفتی ہیں۔ اسی طریقے سے ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾ اللہ مقری ہیں۔ اسی طریقے سے ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القیامة]: اللہ تعالیٰ قاری ہیں۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]: اللہ تعالیٰ حافظ ہیں۔ حافظ، قاری، مقری، مفتی؛ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں، اس کے نام ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شاہانہ القاب اپنے ان

بندوں کو عطا فرمائے جو ان خدمات کو انجام دیتے ہیں، یہ ان کا بہت بڑا اعزاز ہے۔

مقرر اور مفتی میں فرق

یہ شاہی القاب جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دئے گئے، اس کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک تو پوچھنے پر بتانا۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: ایک آدمی عام مجمع کے اندر تقریر کرتا ہے، دین کی باتیں بتلاتا ہے اور لوگ سنتے ہیں، اب پتہ نہیں کتنے لوگ ہیں جو اس کو یاد رکھیں گے اور کتنے بھول جائیں گے؟ اور یاد رکھنے والوں میں سے کتنے ہیں جو اس پر عمل کریں گے اور کتنے ہیں جو عمل نہیں کریں گے؟ اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی؛ لیکن ایک آدمی آپ کے گھر پر آپ سے پوچھ رہا ہے، کہ فلاں مسئلے کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کا آکر کے آپ سے پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو بظاہر یہاں ایک آدمی پوچھ رہا ہے، استفادہ کر رہا ہے؛ لیکن یہاں یہ بات یقینی ہے کہ اس کا آکر کے پوچھنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا ارادہ عمل کرنے کا ہے؛ اس لیے یہ بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا مستفتیوں کے ساتھ سلوک

اسی لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھا ہے کہ: کبھی کسی بھی وقت کوئی مستفتی آتا تھا - اگرچہ مستفتیوں کو تو چاہیے کہ مفتیانِ کرام کے اوقات کا خیال کریں جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا -؛ لیکن حضرت کا اپنا معمول یہ تھا کہ کوئی کسی بھی وقت آیا ہو، یہاں تک کہ کھانا کھا رہے ہیں اور آیا تو حضرت کھانا

روک کر جواب دیتے تھے اور لکھ کر دیتے تھے۔ یہ حضرت مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھا ہے۔

فتویٰ دینے کے لیے ماہر مفتی کے پاس رہ کر اس کا طریقہ سیکھنا ضروری ہے

یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ علم پر، مفتیوں پر ڈالی ہے؛ اس لیے اس سلسلے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے۔ اس میں کثرت سے مطالعہ ضروری ہے۔ آپ نے ''شرحِ عقود'' کے اندر پڑھا ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ: کوئی آدمی ایسا ہو کہ اس کو ہمارے فقہ کی ساری کتابیں یاد ہیں تب بھی اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ کسی ماہر مفتی کی خدمت میں رہ کر کے اس کی مشق اور پریکٹس نہ کرے اور اس کا طریقہ حاصل نہ کر لے؛ اس لیے کہ جاننا الگ چیز ہے اور فتویٰ دینے کے لیے جس مزید بصیرت اور مزید صلاحیت کی ضرورت ہے، وہ جب تک کہ کسی ماہر مفتی کی خدمت میں نہیں رہے گا، حاصل نہیں ہوگی۔

بزرگانِ دین کی خدمت میں رہنے کا اصل مقصد

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: بڑوں کی خدمت میں جو رہا جاتا ہے تو اس سے اصل مقصود ان کے مزاج کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے علم تو کتابوں سے حاصل کر لیا ہے؛ لیکن ان کے ساتھ رہ کر ان کے مزاج کو حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے؛ تا کہ بصیرت پیدا ہو، اور یہ بصیرت ہی ایسی چیز ہے جو

اس سلسلے میں کار آمد ہوتی ہے۔

حالاتِ حاضرہ سے ناواقف آدمی جاہل ہے

اور جیسا کہ آپ نے شرحِ عقود میں پڑھا ہوگا: من لم یعرف اهل الزمان فهو جاهل: جو آدمی اپنے زمانے کے لوگوں سے واقف نہ ہو، یعنی ان کے مزاج سے، ان کے حالات سے، ان کی مشکلات سے تو وہ جاہل ہے۔

ایک مفتی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف بھی ہو؛ اس لیے کہ اس وقت جو مسائل پیش آتے ہیں، لوگ آپس میں جو معاملات کرتے ہیں، یہ بھی جاننا ضروری ہے۔ جیسا کہ ابھی آپ کو بتلایا گیا کہ دورِ حاضر کے تجارت کے جو طریقے ہیں، اس سلسلے میں ان کی طرف سے مزید تحقیق کی گئی اور تُجّار کو جمع کیا گیا اور ان کو اس سے واقف کیا گیا۔

کتابوں میں مسائل کی صورتیں قدیم زمانے کے اعتبار سے ہیں

چوں کہ ایک تو وہ مسائل ہیں جو ہم کتابوں کے اندر دیکھتے ہیں، وہ اس زمانے میں لوگ آپس میں جو معاملہ کرتے تھے، اس کے اعتبار سے لکھے ہوئے ہیں، اور آج لوگ جس انداز سے معاملات کرتے ہیں، شریعت اس سلسلے میں کیا ہدایت دیتی ہے؟ کیا حکم دیتی ہے؟ تو لوگوں کے طور وطریق سے واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

مسائل کی تحقیق میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا طرز

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بازار میں لوگ کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں،

باقاعدہ اس کو معلوم کیا کرتے تھے؛ تاکہ اس کے مطابق لوگوں کو شرعی حکم بتلانا آسان ہوجائے۔ مفتیوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے۔

صحیح حکم بتلانے کے لیے پہلے صورتِ مسئلہ کو سمجھنا ضروری ہے

ہمارے زمانے میں سائنس نے خوب ترقی کرلی ہے، سائنس کی اس ترقی کے نتیجے میں ایسے بہت سارے مسائل پیدا ہوئے ہیں کہ جن کے سلسلے میں لوگوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ پہلے تو اصل صورتِ مسئلہ کو، معاملے کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک کہ اس کو سمجھے گا نہیں، وہاں تک اس سلسلے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ وہ اس کو کما حقہ بتلا نہیں سکتا؛ اس لیے پہلے اس کو سمجھے، سارے معاملات سے واقفیت ہو۔

مسائل کی موجودہ صورتیں سمجھنے کے لیے اس سلسلے کے ماہرین کی بھی مدد لیں

خاص کر کے ہر لائن کے جو ماہرین ہیں، ان سے رابطہ کر کے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرے، کسی چلتے پھرتے، عام آدمی سے پوچھنا کافی نہیں، اور پھر اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ وہ کتابوں میں دیکھ کر خوب غور وفکر کے بعد، اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے وہ حکم بتلانے کی اور اس کی طرف خوب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اس کے لیے رجوع اور انابت الی اللہ بھی بہت ضروری ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جب بھی کوئی آدمی میرے پاس آکر کہتا ہے کہ: مجھے آپ

سے ایک مسئلہ پوچھتا ہے، تو جیسے ہی وہ یہ بات کہتا ہے، اس کے مسئلہ پوچھنے سے پہلے میں فوراً اپنے دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر کے اللہ سے کہتا ہوں کہ: اے اللہ! تیرا یہ بندہ مجھ سے جو مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے، اس کو صحیح حکم بتلانے کے سلسلے میں تو میری رہنمائی فرما۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رہنمائی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، خالی علم کام آنے والا نہیں ہے۔

سارے مسائل کا میرے پاس جواب ہے!

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: سارے مسائل کا میرے پاس جواب ہے۔ لوگ سن کر کے حیرت زدہ ہوگئے کہ ایسا تو کون آدمی ہوسکتا ہے کہ جس کے پاس سارے سوالوں کا جواب ہو! تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں، پھر جو معلوم ہوتا ہے وہ بتادیتا ہوں، اور جو معلوم نہیں ہوتا اس کے متعلق کہہ دیتا ہوں کہ: مجھے معلوم نہیں۔

"لاأدری" سیکھنا بھی ضروری ہے

اس (مجھے معلوم نہیں) کو سیکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل اسی حُبِّ جاہ کے نتیجے میں مفتیوں میں ایک مرض یہ پیدا ہوتا جارہا ہے کہ اس کے سامنے میری جہالت ظاہر نہ ہو، یہ غلط چیز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے "۴۸" مسائل پوچھے گئے، اور ان میں ۳۶/مسائل کے بارے میں انھوں نے "لاأدری" کہا اور "۱۲" مسائل کا جواب عطا فرمایا۔ اس نے کہا کہ: لوگوں سے کیا کہوں؟ تو کہا کہ کہنا: "لاأدری"۔

”لاأدری“ کہنا بھی علم ہے

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: جو آدمی شریعت کے کسی حکم کو جانتا ہے تو لوگوں کو بتائے، اور نہیں جانتا تو یوں کہے کہ: مَیں نہیں جانتا۔ یہ ”میں نہیں جانتا“ کہنا بھی علم ہے(۱)۔ جو آدمی علم کی حقیقت سے واقف ہوگا، وہ یہی جواب دے گا۔

اپنے شاگردوں کو ”لاأدری“ کہنا بھی سکھلاؤ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: اپنے شاگردوں کو ”لاأدری“ کہنا بھی سکھلاؤ، یعنی ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو چیز ہمارے علم میں نہیں ہے، وہ ہمیں نہیں بتلانی چاہیے، اور اس کے متعلق صاف اقرار کرنا چاہیے کہ ہم اس کا حکم نہیں جانتے، ہم کتابوں میں دیکھیں گے، اپنے اساتذہ سے پوچھیں گے اور اس کے بعد ہمیں اطمینان اور انشراح ہوگا تو بتلائیں گے۔

خدائی اور نبوت کا دعویٰ

حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ: وہ اپنے ایک مرید کو رخصت کر رہے تھے، اس وقت ان سے فرمایا کہ: دیکھو! کبھی خدائی کا دعویٰ مت کرنا اور کبھی نبوت کا دعویٰ مت کرنا۔ اس نے عرض کیا کہ: حضرت! میں اتنی مدت آپ کی خدمت میں رہا، کیا پھر بھی آپ کو میرے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ میں ایسا کوئی دعویٰ کروں گا! تو

(۱) صحیح البخاری، سورۃ العَنْکَبُوتِ، رقم الحدیث: ۴۷۷۴.

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ: دیکھو! جب کوئی آدمی کہے کہ میں جو کہوں ویسا ہی ہو تو یہ خدائی کا دعویٰ ہے، اور ''میں جو کہتا ہوں، وہی صحیح ہے'' یہ نبوت کا دعویٰ ہے۔

ائمۂ مجتہدین کے اجتہادی مسائل کے بارے میں ہمارا نظریہ

اس سلسلے میں آج کل بڑا غلو ہوتا جارہا ہے۔ ائمۂ مجتہدین، یہ جو ہمارے چاروں ائمہ ہیں: (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۴) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ۔ جب ان حضرات کے مسائل ان کتابوں میں پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: یہ اجتہادی مسائل ہیں، اس کے سلسلے میں ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ ہم جس کو مانتے ہیں، وہ صواب ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہے اور دوسرا جو کہتا ہے وہ خطا ہے اور اس میں صواب کا احتمال ہے۔ اس کے سلسلے میں جب ہمارا نظریہ یہ ہے تو اپنے فتاویٰ کی صحت پر اصرار کیوں ہو؟۔

اپنے غلط فتوے سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کریں

آج کل ہم اپنے پاس آنے والے سوالات کے جوابات دیتے ہیں، تو آج کل یہ عام مزاج بنتا جارہا ہے کہ جس نے فتویٰ دیا، وہ اس کی صحت پر مُصر ہوتا ہے۔ مجھے تو اس سے بڑی نفرت ہے، میں اپنے پاس پڑھنے والوں کو تاکید کرتا ہوں کہ: کبھی بھی اپنے فتوے کے اوپر اصرار مت کرنا؛ بلکہ اگر کوئی اس کی تردید کرتا ہے تو اس سے کہو کہ: اپنے دلائل پیش کرو اور اس کے دلائل میں غور کرو۔ اگر اس کے دلائل آپ کی سمجھ میں آرہے ہیں تو آپ اپنی بات سے رجوع کر لیجیے، اور نہیں تو آپ اپنی بات پر قائم رہیے؛ لیکن

اس سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے

آج کل جو یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ ''میں جو کہہ رہا ہوں، اسی پر عمل ہونا چاہیے''، اور یہاں افریقہ میں تو ایسے مسائل میں جن میں اولویت میں اختلاف ہوتا ہے، ایسے مسائل پر ایک دوسرے کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے، فاسق قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اس سے بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ اگر مستفتی کہے کہ: فلاں مفتی یوں کہتے ہیں تو اس سے کہو کہ: اگر تم کو فلاں پر اعتماد ہو تو تم اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا خیال کر کے اس کے فتوے پر بھی عمل کر سکتے ہو۔

اختلافی مسائل میں ہمارے اکابر کا قابلِ تقلید رویّہ

ہمارے حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ: بعض مسائل وہ تھے کہ جن میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد: حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف تھا، تو کوئی آدمی ان میں سے کوئی مسئلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنے آتا تو آپ فرماتے کہ: دیکھو! یہ مسئلہ میرے نزدیک اس طرح ہے؛ لیکن اگر تم چاہو تو مولانا یحییٰ صاحب سے پوچھ سکتے ہو، ان کے نزدیک اس کا دوسرا حکم تھا۔

بے جا اختلافات میں اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کریں

تو ہمارے اکابر کے یہاں بھی اس چیز کا لحاظ کیا جاتا تھا؛ اس لیے اپنے فتوے پر

اصرار اور دوسرے کے فتوے کی تردید و تنقیص نہیں ہونی چاہیے۔اپنی صلاحیتوں کو مثبت انداز میں استعمال کیا جائے۔اگر کسی نے آپ کے فتوے کی تردید کی ہے تو جیسا کہ میں نے کہا: آپ پوری دیانت داری کے ساتھ اور انصاف کے ساتھ اس کو پڑھیں، اگر آپ کو ٹھیک معلوم ہوتا ہے تو رجوع کرلیں، اور اگر آپ کو انشراح نہیں تو رجوع کرنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن اس سے بھی الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے اکابر اس کی بالکل اجازت نہیں دیتے تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ''لا ادری'' کہا ہے

اگر کسی مسئلے سے ہم خود واقف نہیں تو صاف انکار کردیا جائے۔خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی چیزیں پوچھی گئیں۔ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے پوچھا: أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ؟: زمین کا کون سا حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک افضل اور بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے معلوم نہیں، جبرئیل آئیں گے تو میں ان سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ: مجھے معلوم نہیں، میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتلاؤں گا(۱)۔

اب جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہیں کہ: مجھے معلوم نہیں تو اگر ہم اور آپ ''مجھے معلوم نہیں'' کہیں گے تو اس سے کسی کا کون سا مرتبہ گھٹنے والا ہے! یہ مزاج بنانے کی ضرورت ہے۔

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما، باب فَضْلِ الْمَسَاجِدِ الخ

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ حضرت کا علم کتنا مستحضر تھا، جنھوں نے حضرت کو دیکھا ہے اور خاص کر کے صحت کے زمانے میں دیکھا ہے، ان کو اس کا اندازہ ہوگا؛ لیکن بعض مرتبہ حضرت فرماتے کہ: مجھے معلوم نہیں، تو ''مجھے معلوم نہیں'' کہنے سے آپ کا مرتبہ گھٹتا نہیں؛ بلکہ آپ پر اعتماد بڑھتا ہے۔ سننے والا یہ محسوس کرے گا کہ دیکھو! اس سلسلے میں ان کو انشراح نہیں ہے تو مجھے جواب نہیں دیا۔ اس کی وجہ سے لوگ دوسروں کی طرف رجوع کرنے کے بجائے آپ کی طرف رجوع کریں گے۔

ہر مسلمان کا ایک فیملی مفتی بھی ہونا چاہیے

یہاں جتنے بھی مسلمان ہیں، میں ہر ایک کو تاکید کرتا ہوں: دیکھو! ہر ایک اپنی اپنی ضروریات میں جس پر اعتماد ہوتا ہے، اس لائن کے آدمی کو اپنے لیے تجویز کرتا ہے: جیسے آپ کا ایک فیملی ڈاکٹر ہوتا ہے، ایک فیملی وکیل ہوتا ہے، لوئر ہے، خاص کر کے جو کمپنی والے ہوتے ہیں، جن کو عام طور پر سرکاری قوانین سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، وہ باقاعدہ اپنے لیے ماہر وکیل کی خدمات روکتے ہیں، اور ان کے لسٹ میں باقاعدہ مشیرِ خاص کا نام بھی لکھتے ہیں کہ: ہماری کمپنی کا قانونی مشیر یہ ہے، تو جیسے آپ کا ایک فیملی ڈاکٹر ہوتا ہے، ایک فیملی وکیل ہوتا ہے تو اسی طریقے سے آپ ایک مفتی سے رابطہ قائم رکھیے، اور جب بھی کوئی معاملہ پیش آوے اس کی طرف رجوع کی عادت ڈالیے؛ تاکہ آپ کے لیے احکامِ شرع پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

اس جہاں میں کوئی کامل و مکمل نہیں ہوتا

بہر حال! یہاں پر یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے، یہاں سے فارغ ہو کر جانے والے ان بچوں سے خاص طور پر کہوں گا کہ: بھائی! دیکھو، آپ اپنے آپ کو کامل و مکمل نہ سمجھیں، موت تک آدمی اپنے آپ کو طالبِ علم سمجھتا رہے۔ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مولانا مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: والد صاحب فرماتے تھے کہ: قرآن، حدیث اور فقہ پڑھاتے ہوئے اور فتویٰ دیتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے، پھر بھی نماز میں کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد فقہ کی کتابیں کھول کر بیٹھنا پڑتا ہے، ڈھونڈنا پڑتا ہے! نماز کے مسائل میں!! دوسرے مسائل کی بات نہیں ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی آدمی بھی کامل و مکمل نہیں ہے۔

اسعدؔ مطالعے میں گزاروں تمام عمر

مطالعے کی بھی عادت ڈالیے۔ آج ایک مزاج یہ بھی بنتا جا رہا ہے کہ بس سرسری طور پر دیکھ لیا، نہیں! آپ کا مطالعہ گہرا اور کثرت سے ہونا چاہیے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، حالاں کہ ہمارا حضرت کی خدمت میں حاضری کا جو موقع ہوا تھا، اس کے بعد تو چند سال ہی حضرت نے یہ سلسلہ جاری رکھا تھا۔ حضرت بڑے اہتمام سے، کثرت سے مطالعہ کرتے تھے اور بڑے انہماک سے مطالعہ کرتے تھے۔ حضرت کی عادت تھی، باقاعدہ فہرست بناتے تھے۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ

مفتیوں کو چاہیے کہ مکمل، بالاستیعاب پورے فن کا مطالعہ کریں، کسی بھی فن کی کتاب ہو، فقہ کی کتاب ہے تو از اول تا آخر پڑھے۔ حضرت جی حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: انھوں نے ''فتاویٰ عالمگیری'' کا دو مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ آپ اہلِ علم سنیں گے تو حیرت ہوگی کہ آج کل مفتی حضرات بھی اس طرح بالاستیعاب مطالعہ نہیں کرتے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا اہتمام کیا تھا، تو ضرورت ہے کہ ہمارا مطالعہ وسیع اور کثیر ہو۔

جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لیں

اپنے اساتذہ کی طرف رجوع ہو، مسائل کے سلسلے میں آپس میں بار بار مذاکرہ ہو۔ کسی بھی مسئلے میں اور خاص کر کے جدید مسائل کے سلسلے میں جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے؛ بلکہ خوب غور فکر اور کتابوں کی طرف مراجعت کے بعد جواب دینے کا اہتمام کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت سے جب مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے ایک مہینے کی مہلت مانگی۔ اگر ان چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے آپ خدمات انجام دیں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لیں گے۔

اپنی ذاتی اصلاح کو اولین ترجیح دیجیے

اور اپنا اصلاحی تعلق جہاں بھی آپ کا قلبی رجحان ہو، وہاں قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیجیے۔ با جماعت نماز کا اہتمام کیجیے۔ مفتی ہے؛ لیکن جماعت کے

ساتھ نماز نہیں پڑھتا، لوگ کہتے ہیں کہ: مفتی صاحب تو جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے، اب اس کے فتوے پر کون عمل کرے گا؟

اپنی بربادی کے ہم خود ذمہ دار ہیں

آج یہاں بھی لوگ کہتے ہیں کہ: جہاں جہاں اہلِ علم مدرسے میں پڑھانے والے ہوتے ہیں اور وہاں ان کی امامت کی باری ہے، تو جس دن جس کی باری ہوتی ہے اس دن وہ حضرت فجر کی نماز میں موجود ہوتے ہیں؛ لیکن جن کی باری نہیں ہوتی وہ موجود نہیں ہوتے۔ ہماری ان کوتاہیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ علماء کا وقار ختم ہوکر کے رہ گیا ہے۔

عمل کے معاملے میں علماء کا مقام عوام سے بلند ہونا چاہیے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو جو نصیحتیں کی ہیں، صاحبِ اشباہ نے ایک مستقل فصل میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو جو نصیحتیں کی ہیں، ان نصیحتوں میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ: عمل کے معاملے میں تمھارا مقام عوام سے اونچا ہونا چاہیے۔

مان لیجیے کہ عوام اگر اوّابین کی چار رکعت پڑھتے ہیں تو آپ چھ پڑھیے، اور اگر وہ چھ پڑھتے ہیں تو آپ آٹھ پڑھیے، وہ اگر روزانہ ایک پارہ تلاوت کرتے ہیں تو آپ دو پارے کی تلاوت کیجیے، وہ اگر نماز باجماعت کا اہتمام کرتے ہیں تو آپ کو تو صفِ اول اور تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

لوگوں کو علماء کی طرف انگشت نمائی کا موقع نہ دیں

عمل کے معاملے میں آپ کا مقام عوام سے گھٹا ہوا نہیں ہونا چاہیے، ورنہ وہ یوں

کہیں گے- یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ ہے-: ''میری جہالت نے مجھ کو جتنا فائدہ پہنچایا، اس عالم کے علم نے اس کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا''؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اہلِ علم اپنا عملی پہلو مضبوط کریں۔ معاملات کو درست رکھیں اور دیانت کے تقاضوں پر زیادہ سے زیادہ عمل کا اہتمام کریں، ذرّہ برابر بھی اس میں کوتاہی نہ ہو۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حالاں کہ مفتی نہیں تھے، ہمارے حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں کسی نے اچھی آواز میں اشعار پڑھنا شروع کیا اور فرمایا کہ: سماع بلا مزامیر بھی علما کے درمیان مختلَف فیہ ہے۔ سماع مع المزامیر تو ناجائز ہے؛ لیکن سماع بلا مزامیر بھی علما کے درمیان مختلَف فیہ ہے اور لوگ کبھی کبھی مجھے امامت کے لیے مصلّے پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ یہ احتیاط تھی ہمارے اکابر کی؛ اس لیے چاہیے کہ ہم ان چیزوں کا اہتمام کریں۔ اگر ہم یہ کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے، اور عزت واحترام کے اس مقام پر پہنچائیں گے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جامعۃ البنات کی طالبات سے خطاب

بمقام: منی پور

اقتباس

اور ہر آدمی یہ مطالبہ کرے کہ میں تو عالمہ ہی سے نکاح کروں گا؛ اس لیے کہ وہ جس گھر میں آتی ہے تو وہ گھر سنور جاتا ہے، گھر والے خوش ہوتے ہیں، دل وجان سے سب کی خدمت کرتی ہے، اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہے، اپنے جذبات کو قربان کرتی ہے، ایثار سے کام لیتی ہے، اپنی راحت کو چھوڑ کر دوسروں کی راحت کا خیال رکھتی ہے، اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کرتی ہے، اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے، شوہر کے ماں باپ کی راحت رسانی کا پورا اہتمام کرتی ہے۔ اگر آپ ایسا مزاج بنائیں گی اور یہاں رہ کر ان چیزوں کو حاصل کریں گی، تب جا کر مدرسے کو قائم کرنے کا یہ مقصد حاصل ہوگا۔ ورنہ اگر یہاں رہ کر آپ نے ایک ہی سبق پڑھ لیا کہ شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں اور باقی سارے حقوق بھلا دیے، اور وہاں جا کر آپ اس کا مطالبہ کرتی رہیں تو یہ ساری تگ ودو بے کار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ﴾ [التکاثر]

یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

میری پیاری بچیو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے اپنے خزانۂ غیب سے انتظام فرمایا، اپنے کچھ بندوں کے دلوں میں ڈالا کہ وہ مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے آگے بڑھیں۔ چناں چہ یہ جامعہ اس مقصد کے لیے وجود میں آیا اور یہاں بچیوں کے قیام، طعام، کتابیں، اساتذہ، یہ سارے انتظامات ان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیے گئے۔

میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے

پھر آپ کے ماں باپ کے دلوں میں ڈالا کہ وہ آپ کو دینی تعلیم کے لیے فارغ

کریں اور یہاں پرداخل کرائیں، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کوموقع دیا۔ آپ کی ہم عمر اور بچیاں بھی آپ کے خاندان، آپ کی بستی، آپ کی برادری، آپ کے محلّے میں ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب میں سے آپ کا انتخاب فرمایا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام واحسان ہے۔

یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

پھر یہاں آپ کے لیے ہر طرح کے انتظامات ہیں، آپ جن انتظامات سے فائدہ اٹھارہی ہیں: قیام، طعام، روشنی، کتابیں، پڑھائی وغیرہ۔ یہ جو مصارف ہورہے ہیں، ان مصارف کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالا، ان کے سامنے جب بات پیش کی گئی کہ مسلمان بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ضرورت ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اندر جذبہ بیدار فرمایا، اور انھوں نے اپنے مال کو اس کے لیے پیش کیا۔ جو دے رہے ہیں، آپ بھی ان سے واقف نہیں کہ کون اللہ کے بندے اس پر خرچ کررہے ہیں؟ اور جو دینے والے ہیں وہ آپ سے واقف نہیں کہ کون بچیاں ہیں جو ہمارے مال سے فائدہ اٹھا کر اپنی دینی تعلیم کی تکمیل کررہی ہیں؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نظام ہے جو اس نے محض اپنے فضل سے قائم فرمایا ہے۔

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کچھ اسباب مہیا کیے گئے اور آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ سارا نظام اور یہ سارے اسباب وجود میں آئے اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں پہنچایا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو حصولِ علم کے لیے وقف کر دیجیے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ: اس کی قدر کی جائے اور جس مقصد کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ نعمتیں آپ کو دی گئی ہیں، یہ ساری چیزیں مہیا کی گئی ہیں، آپ اپنی صلاحیتوں کو اس مقصد کے حصول میں خرچ کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو دل و دماغ دے رکھا ہے، جو قوتیں عطا فرمائی ہیں: سننے، سمجھنے، بولنے کی، چلنے پھرنے کی اور جو قُویٰ عطا فرمائے ہیں، آپ اپنی ان صلاحیتوں کو علمِ دین کو حاصل کرنے کے لیے خالص طور پر استعمال کریں، اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر دیں۔ آپ کے ۲۴؍ گھنٹے میں سے کوئی لمحہ دوسرے کسی کام میں گذرنا نہیں چاہیے؛ بلکہ آپ کو چاہیے کہ اپنا سب کچھ اسی میں لگا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیے گئے ان اسباب اور وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھائیے۔

توفیق کی حقیقت

قدرت کا ایک قانون ہے کہ اس کی زندگی کے جس مرحلے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ اسباب مہیا کیے جاتے ہیں، اسی کو علماء کی اصطلاح میں ''توفیق'' کہا جاتا ہے۔ توفیق کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اسباب کا مہیا کیا جانا۔

سمجھ داری کی بات

اب اس کی سمجھ داری کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دئے گئے ان اسباب

کو صحیح طریقے سے استعمال کرے، اور جس مقصد کے لیے اسباب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں، اس مقصد کو سو فی صد حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دے۔

ایک قدرتی نظام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، آپ اپنے ۲۴ رگھنٹوں کو اور اپنی ساری صلاحیتوں کو اسی میں لگا کر اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیے۔ اگر اٹھائیں گی تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آئندہ کے جو مراحل ہیں، وہ آسان ہوں گے۔ قدرت کا ایک نظام یہ بھی ہے کہ جس مرحلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں مہیا کی گئی ہیں، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کیا گیا، ان سے صحیح فائدہ اٹھایا گیا، ان کی قدر کی گئی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ آگے کے مرحلے کے لیے اسباب مہیا فرماتے ہیں، پھر اس میں اس نے اسی طرح اپنے آپ کو آگے بڑھایا، کامیابی حاصل کی تو آگے کے مراحل میں بھی آسانیاں مہیا کی جائیں گی۔ جیسے کہ آپ پہلی کلاس میں پڑھتی ہیں، آپ نے محنت کی اور درس میں پابندی کے ساتھ حاضری دی، امتحان میں کامیابی حاصل کی تو آپ کو دوسری کلاس میں داخلہ ملے گا، اور اگر پہلی کلاس میں آپ نے نہیں پڑھا، دھیان نہیں دیا، کوئی محنت نہیں کی تو امتحان میں ناکام ہوں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگے کے مرحلے میں آپ کو موقع نہیں ملے گا۔

مقصد ہو اگر تربیتِ لعلِ بدخشاں

تو قدرت کا بھی یہی نظام ہے کہ بعد والے مرحلے کے لیے آدمی کو اسی وقت موقع

دیا جاتا ہے جب اس نے پہلے مرحلے والے موقع کا صحیح طور پر استعمال کیا ہو؛ اس لیے یہاں رہ کر کے آپ جو کچھ کریں گی، اگر آپ نے صحیح طریقے سے فائدہ اٹھایا ہے تو آپ کو یہاں جس مقصد کے لیے لایا گیا ہے، آپ یہاں سے جا کر مسلمان معاشرے میں صالح انقلاب برپا کر سکیں گی، اور ہماری آنے والی نسلوں کی دینی، ایمانی تربیت آپ کے ہاتھوں سے ہوگی، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ آپ نے بھی یہاں اپنے آپ کو صحیح تربیت کے لیے پیش کیا ہو، اور آپ کی تربیت کے لیے جو ہدایتیں دی جارہی ہیں اور آپ پر جو محنتیں کی جارہی ہیں، ان محنتوں کو آپ نے صحیح طریقے سے قبول کیا ہو تو پھر آپ کو یہ موقع بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا۔

مدرسے میں رہ کر بگڑنا نہیں ہے

یہاں آکر اپنی صلاحیتوں کو معطّل نہیں کرنا ہے۔ آج کل ایک شکایت یہ بھی آرہی ہے کہ مدرسے میں پڑھنے والی بچیاں گھر آکر کے شوہر کی خدمت تو کیا کرتیں، اس کے لیے دردِ سر بن جاتی ہیں، خاندان کے لیے بھی کچھ کام کرتی نہیں ہیں، بہت سی جگہ یہ شکایت ہے۔

آپ کو یہاں لانے کا مقصد

یہاں لانے کا یہ مقصد نہیں ہے، یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں جو اخلاق سکھائے ہیں اور جن عمدہ خصائل کی ہمیں تعلیم دی ہے، آپ یہاں پر رہ کر ان کو حاصل کریں، اور آپ یہاں سے جا کر کے معاشرے میں ایسا نمونہ پیش کریں کہ آپ کو

دیکھ کر کے اور آپ کے اس عمل سے متأثر ہو کر کے ہر ایک اپنی بیٹی کو حصولِ تعلیم کے لیے بھیجنے پر آمادہ ہو جائے، یہ نہ ہو کہ آپ کو دیکھ کر مدرسے میں بھیجنے ہی سے توبہ کر لے کہ ہمیں اپنی بچی کو ایسا نہیں بنانا ہے۔

بنا سکتی ہے گھر کو رشکِ جنت یہ سلیقے سے

اور ہر آدمی یہ مطالبہ کرے کہ میں تو عالمہ ہی سے نکاح کروں گا؛ اس لیے کہ وہ جس گھر میں آتی ہے تو وہ گھر سنور جاتا ہے، گھر والے خوش ہوتے ہیں، دل و جان سے سب کی خدمت کرتی ہے، اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہے، اپنے جذبات کو قربان کرتی ہے، ایثار سے کام لیتی ہے، اپنی راحت کو چھوڑ کر دوسروں کی راحت کا خیال رکھتی ہے، اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کرتی ہے، اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے، شوہر کے ماں باپ کی راحت رسانی کا پورا اہتمام کرتی ہے۔ اگر آپ ایسا مزاج بنائیں گی اور یہاں رہ کر ان چیزوں کو حاصل کریں گی، تب جا کر مدرسے کو قائم کرنے کا یہ مقصد حاصل ہوگا؛ ورنہ اگر یہاں رہ کر آپ نے ایک ہی سبق پڑھ لیا کہ: شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ اور باقی سارے حقوق بھلا دئے، اور وہاں جا کر آپ اس کا مطالبہ کرتی رہیں تو یہ ساری تگ و دو بے کار ہے۔

ایک عالمہ بیوی کا واقعہ

ایک مرتبہ ہمارے یہاں ہمارے دار القضاء میں ایک مقدمہ آیا: ایک صاحب نے اپنی بیوی کے متعلق شکایت کی کہ وہ کئی مہینے سے اپنے میکے میں جا کے بیٹھی ہوئی

ہے، میں تو اس کے سب حقوق ادا کرنے کے لیے تیار ہوں؛ لیکن وہ آ نہیں رہی ہے، تو ہم نے اس لڑکی کے باپ کے اوپر دار القضاء کی طرف سے ایک خط لکھا کہ: آپ کی بیٹی کے متعلق اس کے شوہر نے ہمارے یہاں یہ فریاد داخل کی ہے، آپ اس کو یہاں پر لے کر آئیے اور اس سلسلے میں جو حقیقت ہو، اس کو واضح کیجیے۔ ایک روز میں مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک بڑے میاں چھڑی لے کر کے آئے اور جو خط ہمارے یہاں سے گیا تھا، وہ اس نے پیش کیا۔ میں نے وہ خط پڑھا اور اس سے پوچھا کہ: آپ کون ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: میں اس بچی کا باپ ہوں۔ میں نے کہا کہ: بیٹی کو ساتھ نہیں لائے؟ انھوں نے کہا کہ: بیٹی تو ساتھ نہیں آئی! پھر اس نے بہشتی زیور نکالی، اس میں ایک جگہ نشان لگا ہوا تھا، وہ اس نے کھول کر کے پیش کیا کہ بیوی کے شوہر کے اوپر یہ حقوق ہیں۔ میں نے اس کو لیا اور کہا کہ: آپ کو یہ آپ کی بیٹی نے بتایا؟ اس نے کہا کہ: جی ہاں! میں نے کہا کہ: اس کے بعد والا جو عنوان ہے، وہ نہیں بتایا؟ یہ جو بیوی کے شوہر کے اوپر حقوق ہیں، وہ تو صرف آدھے صفحے کے ہیں۔ اس کے بعد کتاب میں ایک عنوان اس کے مصنف حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے یہ لگایا ہے کہ: کس طرح نِباہ کرنا چاہیے؟ یہ ڈیڑھ صفحے کا مضمون ہے، وہ آپ کو آپ کی بیٹی نے نہیں بتایا؟ اچھا میں آپ کو پڑھ کر کے سناتا ہوں، اور آپ جا کر کے اس کو یہ بتائیے کہ وہاں سے مجھے یہ بتایا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ: یہ کیا طریقہ ہے؟

اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی

یہاں جو آیا جاتا ہے، وہ اس لیے نہیں آیا جاتا؛ بلکہ یہاں آپ کو مجاہدے سے کام

کر کے اپنے آپ کو بنانا ہے، اپنے اخلاق کو درست کرنا ہے۔ اسلام میں حقوق اپنی جگہ پر ہیں؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے حقوق کا تو مطالبہ کریں اور شوہر کے حقوق سے فرار اختیار کرنے کی سوچیں۔

اپنی بہنوں کے لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قربانی

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ: ایک غزوے سے واپس لوٹ رہے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری سواری کا اونٹ سست رفتاری کے ساتھ اور بہت دھیمے دھیمے چل رہا تھا، اس کو تیز چلانے کی بہت کوشش کی؛ لیکن وہ تیز نہیں چل رہا تھا، اتنے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کے پاس آئے اور اس اونٹ کو کچو کا لگایا، اس کی وجہ سے وہ اونٹ تیز چلنے لگا، اب جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب آئے اور فرمایا: جابر! کیا بات ہے کہ بہت آگے آگے تیزی سے جا رہے ہو؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرا نکاح ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! کس کے ساتھ؟

احساسِ ذمہ داری

کیوں کہ عورتیں دو قسم کی ہیں: ایک تو کنواری جس کو عربی میں ''باکرہ'' کہتے ہیں، اور دوسری ثَیِّبہ جو پہلے کسی کے نکاح میں رہ چکی ہو، تو دریافت فرمایا کہ: ثَیِّبہ کے ساتھ یا باکرہ کے ساتھ؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ثَیِّبہ کے ساتھ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: باکرہ کے ساتھ کیوں نکاح نہیں کیا؟ تم تو ابھی بالکل جوان ہو، اگر

کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرتے تو مناسب تھا اور نکاح کا لطف اَور بھی زیادہ حاصل ہوتا: تم اس کو چھیڑتے، وہ تم کو چھیڑتی۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرے والد غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے ہیں اور وہ اپنے پیچھے ۹/ بیٹیاں چھوڑ کر کے گئے ہیں، جو میری بہنیں ہیں، وہ سب ناتجربہ کار ہیں؛ اس لیے ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو تجربہ کار ہو اور ان بچوں کو سنبھال سکے، اگر میں کسی کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرتا تو وہ بھی ناتجربہ کار ہوتی، اور ایک اَور کا اضافہ ہو جاتا اور وہ ان بچوں کو سنبھال نہ پاتی؛ اس لیے میں نے ایک ثیبہ عورت سے جو پہلے دوسرے کے نکاح میں رہ چکی تھی، نکاح کیا(۱)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

بہر حال! انھوں نے اپنی بہنوں کے لیے بہت بڑی قربانی دی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر ان کو دعا دی، اور فرمایا کہ: تو نے بہت اچھا کیا۔ ویسے نوجوانی کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے جوانی کے جذبات کی تسکین کے لیے کنواری لڑکی کو پسند کر کے تو اس کے ساتھ نکاح کرتا؛ لیکن تو نے اپنی بہنوں کے لیے بہت بڑی قربانی دے دی، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی۔

اس واقعے سے ملنے والا سبق

دیکھو! سبق پڑھاتے ہوئے میں اس موقع پر طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ: اس موقع

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب شِرَاءِ الدَّوَابِّ وَالْحَمِيرِ.

پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ تنبیہ نہیں کی کہ: جابر! بیوی تو تمھاری خدمت کے لیے آنی چاہیے، نہ کہ تمھاری بہنوں کی خدمت کے لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تنبیہ نہیں کی؛ بلکہ آپ نے تو ان کے جذبے کی قدر کی، شاباشی دی، دعا دی۔ معلوم ہوا کہ یہ ساری چیزیں ہیں جن کا خیال رکھا جائے گا۔ تو ضرورت ہے کہ یہاں رہ کر کے ان چیزوں کو حاصل کیا جائے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، تب تو یہ جامعہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، اور خدانہ کرے، خدانہ کرے، دوسری باتیں ان کے اندر آرہی ہیں تو یہ جامعہ والوں کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہے اور آپ کے لیے بھی بدنامی کا سبب ہے، آپ کے اساتذہ، آپ کے مربی اور منتظمین تو یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے جا کر کے آپ ان کے لیے اور جامعہ کے لیے نیک نامی اور سرخ روئی کا ذریعہ بنیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مقصد کے سوفی صد حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اسلام میں عورتوں کا مقام ومرتبہ

اقتباس

بہر حال! اسلام نے عورتوں کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ باپ کے گھر آئی تو اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بنی، اور شوہر کے گھر میں پہنچی تو اس کے حق میں ایمان کے کمال کا ذریعہ بنی، اور جب بچہ پیدا ہوا ماں بنی تو اپنی اولاد کے لیے اپنے پاؤں کے نیچے جنت لے کر آئی، اس سے بڑھ کر عورت کی سعادت اور خوش بختی اَور کیا ہو سکتی ہے!!!۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتو كل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ.

گامزن ہونا ہے مشکل، راستہ مشکل نہیں

بزرگانِ محترم! آج ہم جس تقریب میں شریک ہو رہے ہیں، ہمارے کرم فرما حضرت مولانا کبیر الدین فاران صاحب نے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ادارہ قائم کرنے کا عزم کیا اور جلد ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بقدرِ ضرورت اسباب بھی مہیا کر کے نظام بھی بنالیا۔ یہ ان کی اولوالعزمی، ہمت اور حوصلے کی بات ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے عورت کی زبوں حالی

اسلام نے عورتوں کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری

سے پہلے عورتوں کے ساتھ بڑا ظالمانہ اور سفّاکانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کا کچھ نقشہ قرآنِ پاک نے کھینچا ہے۔ جو آیتِ کریمہ آپ کے سامنے میں نے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ عرب کے حال کو بیان فرمایا ہے، کہ جب ان میں سے کسی کے یہاں کوئی بچی پیدا ہوتی ہے اور اس کو اس کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ: یہ سن کر کے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے غصے کو دبا رہا ہوتا ہے اور اپنے دل ہی دل میں وہ سوچتا ہے: اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ: کیا اس بچی کو ذِلّت اور رسوائی کے ساتھ رہنے دے یا اس کو زمین کے اندر دبا دے، اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ: باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بڑا بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ عربوں کا ناقابلِ بیان برتاؤ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت جس سرزمین میں ہوئی، وہاں لڑکیوں کو باعثِ ننگ وعار سمجھا جاتا تھا، اگر لڑکی کی پیدائش کے بعد وہ لوگ اس کو زندہ باقی رکھنا چاہتے تو بھیڑ بکری کی کھال کا لباس پہنا کر اس کو جانوروں کے چرانے پر متعین کیا کرتے تھے، ورنہ جب وہ بچی دو تین سال کی ہو جاتی تھی تو اس کی والدہ کو کہہ دیا جاتا تھا کہ اس کو ذرا بنا سنوار کر تیار کر لو، اس کا باپ پہلے ہی سے اس کے لیے جنگل میں ایک گڑھا کھود کر کے تیار رکھتا تھا اور وہاں لے جا کر اُس گڑھے میں ڈال کر اس کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھا۔

بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا ایک دل دہلا دینے والا واقعہ

عرب کے ایک سردار نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنا ایک واقعہ

بیان کیا کہ: میری بیوی حاملہ تھی، جب وضعِ حمل اور ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو مجھے ایک سفر درپیش تھا، جب سفر سے واپس آیا تو نومولود کے بارے میں پوچھا، بیوی نے بتلایا کہ ایک بچی پیدا ہوئی تھی اور وہ ختم کردی گئی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

اصل میں ہوا یہ تھا کہ لڑکی پیدا ہوئی تھی اور اس نے اس لڑکی کو اپنی بہن کے یہاں بھیج دیا تھا۔ وہاں سے وہ اس بچی کو کبھی کبھار لایا کرتی تھی اور ہمارے یہاں دو چار دن رہتی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ: اس طرح بچی کے ہمارے یہاں آنے جانے سے اس کی محبت میرے دل کے اندر پیدا ہوگئی اور میں اس سے پیار کرنے لگا، اور وہ مجھے بڑی اچھی لگنے لگی، اور جب میری یہ کیفیت میری بیوی نے دیکھی تو ایک دن اس نے بتلا ہی دیا کہ یہ تو ہماری ہی بچی ہے۔

جو رحم نہیں کرتا، اس کے ساتھ رحم نہیں کیا جاتا

کہتے ہیں کہ: اس کے بعد مجھ پر ایک جنون سا طاری ہوا اور میں اس بچی کو لے کر جنگل میں پہنچا، وہاں پہلے سے کھودا ہوا گڑھا نہیں تھا تو میں نے گڑھا کھودنا شروع کیا، کھدائی کے دوارن جب میرے کپڑے پر مٹی گرتی تھی تو وہ بچی آ کر کے میرے کپڑوں کو جھاڑ کر کے یہ کہتی تھی کہ: ابّا ابّا! یہ آپ کے کپڑے خراب ہو رہے ہیں، اس کے باوجود مجھے اس کے اوپر رحم نہیں آیا، یہاں تک کہ جب وہ گڑھا تیار ہوگیا تو میں نے اس کو اس کے اندر ڈال دیا۔ وہ کہنے لگی کہ: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کس جرم میں مجھے اس کے اندر ڈال رہے ہیں؟ کہتے ہیں کہ: مجھ پر ایک پاگل پن سوار تھا، میں کچھ

سنے بغیر اس کے اوپر مٹی ڈالی اور اس کو دفن کردیا۔

یہ قصہ سن کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ: واللہ إن ھذہ لقسوۃ واللہ من لا یرحم لا یرحم[1]: یہ تو بڑی سخت دلی کی بات ہے۔ اللہ کی قسم! جو آدمی رحم کا معاملہ نہیں کرتا، اس کے ساتھ رحم بھی نہیں کیا جاتا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے لوگوں کو جن آداب واخلاق کے ذریعہ آراستہ کرایا، اس میں یہ بھی تھا کہ ان کے دلوں میں بچیوں کے سلسلے میں جو نفرت کا جذبہ تھا، اس کو دور کیا گیا، اور اس کے بعد حال یہ ہو گیا کہ عمرۃ القضا کے موقع پر عمرہ کے افعال کی ادائیگی کے لیے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تین دن کے لیے مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے، تو وہاں سے واپس لوٹتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی سی صاحب زادی - جو تین، چار سال کی تھی - چچا چچا کہتے ہوئے آپ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بچی کو اپنی گود میں اٹھا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کردیا۔

حضرت حمزہؓ کی صاحب زادی کی پرورش کے سلسلے میں تین حضرات کے درمیان نزاع

بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ: اس کے بعد راستے میں یا مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۱) عورت، اسلام اور دوسرے مذاہب میں، مؤلفہ: مولانا عبد الصمد رحمانی، مونگیریؒ۔

تینوں حضرات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ: بچی کی پرورش کا مَیں زیادہ حق دار ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ: یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اس کے علاوہ میری بیوی اس بچی کی خالہ بھی ہوتی ہے۔ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، وہ اس بچی کی خالہ ہوتی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دعوے کو مضبوط کرتے ہوئے کہا کہ: یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی میرے نکاح میں ہے، اور اس بچی کو میں ہی مکۂ مکرمہ سے لے کر آیا ہوں؛ اس لیے یہ بچی میرے حوالے کی جائے، میں اس کی تربیت کروں گا۔

اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تو چوں کہ ہجرت سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا۔ ایک بھائی چارہ تو ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان کرایا تھا، اور ایک اُخُوّت اور بھائی چارہ وہ بھی تھا جو ہجرت سے پہلے حضراتِ مہاجرین کے درمیان آپس میں بھی کرایا گیا تھا، اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا، اس بنا پر انھوں نے کہا کہ: یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

بہرحال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر کہ: ''خالہ ماں کے درجے میں ہے'' فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا(۱)۔

---

(۱)صحیح البخاری، عَنِ الْبَرَاءِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب عُمْرَةُ الْقَضَاءِ.

روایتوں میں آتا ہے کہ: یہ فیصلہ سن کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ اپنی مسرّت کا اظہار کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر کے آپ کے چکر لگائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: یہ کیا چیز ہے؟ تو چوں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک عرصہ حبشہ میں رہ کر آئے تھے، تو کہا کہ: حبشہ میں جب کوئی آدمی اپنے حاکم کے سامنے خوشی کا اظہار کرتا ہے تو ایسا ہی کیا کرتا ہے؛ اس لیے میں نے ایسا کیا(۱)۔

وہ دانائے سُبُل، مولائے کُل، ختم الرُسل جس نے

الغرض! یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی برکت کا نتیجہ تھا کہ جو قوم بچیوں کی پیدائش کو باعثِ ننگ وعار سمجھا کرتے تھے، اسی بچی کی پرورش کے معاملے میں آپس میں لڑ رہے ہیں، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تربیت کا اثر تھا۔

دو بچیوں کی پرورش کرنے والا قیامت کے دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگا

پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے باقاعدہ ترغیب دلائی: حدیثِ پاک میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ هٰكَذَا(۲) کہ: جس آدمی نے دو بچیوں کی پرورش کی، یہاں تک

---

(۱) دلائل النبوة، عن البراء، باب ما جرى في خروج ابنة حمزة بن عبد المطلب خلفهم من مكة.

(۲) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ.

کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ میں اور وہ دونوں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے، یہ کہہ کر آپ نے دونوں انگلیاں ملادیں۔

تین بچیوں کی اچھی پرورش پر جنت کا وعدہ

ایک دوسری حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے تین بچیوں کی پرورش کی، ان کو ادب سکھایا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کی شادی کرائی، تو وہ جنت کے اندر داخل ہوجائے گا(۱)۔

بچیوں کی اچھی پرورش جہنم سے آڑ ہے

بخاری شریف کے اندر روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک عورت دو بچیوں کو ان کے پاس لے کر آئی اور اس نے بھوک کی شکایت کی اور کہا کہ: کھانے کی کوئی چیز ہو تو دیجیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے گھر میں کھانے کی چیز تلاش کی تو کھجور کا ایک دانہ مجھے ملا، میں نے وہ اس کو دے دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس عورت نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے: ایک ایک بچی کو دیا، دوسرا دوسری بچی کو دیا، اور اس نے خود کچھ نہیں کھایا، بھوکی رہی۔ اس کے بعد جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو بطورِ تعجب میں نے یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی ان بچیوں سے آزمایا گیا یعنی جس آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بچیاں دیں اور اس نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، یعنی ان کی

---

(۱) شعب الإیمان، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ.

اچھی پرورش کی، تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی (۱)۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچیوں کی پرورش کے اوپر بڑا زور دیا ہے اور بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی لختِ جگر کے ساتھ والہانہ تعلق

اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ تھا کہ، آپ جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرتے، پھر سفر میں تشریف لے جاتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرتے تھے۔

قرآن میں عورتوں کے حقوق سے متعلق آیات

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی ہے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں سے متعلق بے شمار احکام قرآنِ پاک میں نازل فرمائے، جو حضرات قرآنِ پاک کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں عورتوں کے ساتھ کیے جانے والے مظالم کا ازالہ کیا گیا ہے۔

وراثت کے معاملے میں موجودہ معاشرے کی جاہلانہ سوچ

وراثت کے معاملے میں یہ ہوتا تھا کہ ان کو مرنے والے کے مال میں سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ آج بھی ہمارا معاشرہ اسی جاہلیت کے طریق کی پیروی کرتے ہوئے

(۱) صحیح البخاری، عن عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا، باب رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ.

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کررہا ہے۔ حالاں کہ وراثت کا مسئلہ تو ایسا ہے کہ جب کسی آدمی کا انتقال ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فیصلہ کردیا کہ اس کا مال فلاں، فلاں کی ملکیت میں پہنچ گیا۔ بہت سی مرتبہ جو دیتے ہیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم احسان کررہے ہیں، کوئی احسان نہیں ہے، وہ تو باپ کے انتقال کرتے ہی اس کا مال ان وارثوں کی ملکیت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جو بھی مسائل سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ مرجانے کی وجہ سے آدمی کے مالک ہونے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے مرتے ہی اس کا مال اور اس کی ساری چیزیں خود بخود، آپ ہی آپ وارثوں کے ملک میں چلی جاتی ہیں۔

باپ کے مال میں سے لڑکی کو دینا اس پر کوئی احسان نہیں ہے

اب لڑکی بھی اپنے باپ کے مال میں اسی طرح حق دار ہے جیسے لڑکے حق دار ہوتے ہیں، اتنا ہے کہ دونوں کے حصے میں شریعت نے فرق رکھا ہے کہ لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو دوگنا ملتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھائی کچھ دے رہا ہے تو اپنی بہن کے ساتھ کچھ احسان کررہا ہے بلکہ وہ تو اس کا حق ہے، وہ اس کو دینا ہی چاہیے۔

ذوی الفروض عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے

بلکہ جو عالم ہیں، وہ جانتے ہی ہیں کہ قرآن نے جن وارثوں کے لیے جو حصے مقرر کیے۔ قرآن وحدیث میں بھائی، بہن اور دوسرے متعلقین کے حصے مقرر ہیں اور جن کے حصے مقرر ہیں پہلے ان کو دیا جائے گا، اہلِ فرائض کی اصطلاح میں ان کو ''ذوی الفروض'' کہا جاتا ہے تو مستقل حصے والے جو ورثہ ہیں، ان میں مردوں کی تعداد چار ہے

اور عورتوں کی تعداد آٹھ ہے تو حصے کے اعتبار سے شریعت نے جو قوانین بتلائے ہیں، ان میں بھی خاص طور پر عورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا اور رحمت کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں

اور قرآنِ پاک کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے مظالم کو ختم کیا گیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لڑکی جس کے گھر میں آئے گی، اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائے گی اور اس کی پیدائش ہی برکت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا﴾ [الشوریٰ] اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، تنہا لڑکیاں دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اکیلے لڑکے دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں، محروم رکھتے ہیں، بانجھ رکھتے ہیں۔

وہ عورت بابرکت ہے

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے لڑکیوں کا تذکرہ کیا گیا؛ اس لیے جس عورت کو پہلی گود میں لڑکی پیدا ہو، اس کو مبارک قرار دیا گیا ہے (۱)۔ ہمارے معاشرے میں تو جس عورت کو پہلے بچی پیدا ہوتی ہے تو عورتیں اس کو کوسنے دیا کرتی ہیں

(۱) {يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا} فلا يكون له ولد ذكر، قيل: من يمن المرأة تبكيرها بالأنثى قبل الذكر، لأن الله تعالى بدأ بالإناث. (معالم التنزيل للبغوی ۷/ ۲۰۰)

اور قرآن تو اس کا پہلے تذکرہ کرتا ہے اور مفسرین نے کہتے ہیں کہ وہ عورت بڑی بابرکت ہے جس کو پہلی گود میں بچی پیدا ہو۔

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی

بہر حال! اسلام نے عورتوں کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ باپ کے گھر آئی تو اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بنی اور شوہر کے گھر میں پہنچی تو اس کے حق میں ایمان کے کمال کا ذریعہ بنی اور جب بچہ پیدا ہوا، ماں بنی تو اپنی اولاد کے لیے اپنے پاؤں کے نیچے جنت لے کر آئی، اس سے بڑھ کر عورت کی سعادت اور خوش بختی اور کیا ہوسکتی ہے۔

عورتوں کے بارے زمانۂ جاہلیت کی سوچ آج ''سُدھرے'' سماج میں بھی موجود ہے

عورتوں کے ساتھ مظالم کا سلسلہ جو قدیم زمانے سے جاری ہے، وہ آج بھی چل رہا ہے۔ ہم اسلام کے ماننے والے، ہم ایمان لانے والے شریعت کو اور اس کے احکام کو پسِ پُشت ڈال کر کے، نماز کی پابندی کرتے ہوئے ان ہی مظالم کو دہرا رہے ہیں بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کی نسبت سے ہونے والے جن رشتوں کو عار سمجھا جاتا تھا، ہمارے سماج میں جو گالیاں دی جاتی ہیں: ''سالا'' اور ''سالی'' اور ''سسر'' وغیرہ، یہ اسی زمانۂ جاہلیت والی عار کا نمونہ ہے یعنی یہ رشتے اس زمانے کے

اندر عیب سمجھے جاتے تھے، آج بھی ان گالیوں کو ترویج دے کر کے اسی نظریے کو بڑھاوا اور اشاعت کی جارہی ہے تو ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا خاص لحاظ کیا جائے۔

یہ اہلِ یورپ کے کھوکھلے دعوے

یہ یورپ، امریکہ وغیرہ جو عورتوں کے حقوق کے بلند وبالا دعوے کرتے ہیں، اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ سب کھوکھلے دعوے ہیں۔ آپ اخباروں کا مطالعہ کیجیے کہ ایک طرف تو ان کا نعرہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیے جائیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ عورت دفتر کے اندر جا کر کام کرے گی اور ظاہر ہے کہ بچہ تو اسے ہی جننا ہے، برابری کے دعوے کے باوجود بچہ جننے کی ذمہ داری مرد نے اپنے ذمے نہیں لی ہے۔ اب اس کو بچہ پیدا ہوگا تو اس کو دودھ بھی پلانا ہے، اس کی پرورش بھی کرنی ہے اور اِدھر دفتر میں حاضری بھی دینی ہے۔ اب یہ کمزور عورت کیا کیا کرے گی؟ اُدھر دفتر کے کام کرے گی یا اِدھر بچے کی طرف دھیان دے گی!! عورت کے بوجھ کو ہلکا نہیں بلکہ دوہرا کر دیا، یہی آزادئ نسواں ہے؟ یہ کوئی انصاف کی بات ہے؟ اس کے برعکس اسلام نے اسے کتنا عزت کا مقام دیا تھا۔

حرص وہوا کے پجاریوں نے عورتوں کو تحصیلِ زر اور تکمیلِ ہوس کا ذریعہ بنالیا ہے

اور پھر آج عورتوں کا استعمال کس بے ہودہ ڈھنگ سے کیا جارہا ہے؟ آج کوئی ایسا اشتہار نہیں ہے جس میں عورت کو پورے پورا یا آدھا ننگا کر کے پیش نہ کیا جاتا ہو،

معمولی معمولی چیزوں کو فروخت کرنے کے لیے عورتوں کی عزت کو داؤ پر لگایا جاتا ہے، کیا یہی عورتوں کے ساتھ انصاف ہے؟ اور کیا یہی ان کی تہذیب ہے جو عورتوں کو برابر کے حقوق دینے کا دعوی کررہے ہیں؟ حالاں کہ یہی آزادئ نسواں کے نعرے لگانے والے جہاں عورتیں دفتر میں کام کرتی ہیں، وہاں عورتوں کی ترقی کا جب زمانہ آتا ہے تو جب تک وہ عورت ان کو جنسی طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے، وہاں تک اس کو ترقی نہیں دی جاتی ''نو سیکس، نو پرموشن'' کا اصول انھوں نے قائم کررکھا ہے۔

آزادئ نسواں کے جو بڑے بڑے ٹھیکیدار ہیں، آپ ان کے حالات کا مطالعہ کیجیے، آج بھی ان لوگوں نے عورتوں کے استحصال کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے، آج بھی عورتوں کا استحصال اسی طرح ہورہا ہے، جیسے زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر کے ہورہا ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے وہ لچک رکھی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے زندگی گذارنے کا جو طریقہ ہم کو عطا فرمایا ہے، اس میں عورت کو جو مقام عطا کیا گیا ہے۔ آج آپ جائزہ کیجیے، یورپ کے ممالک میں، فرانس میں، برطانیہ میں، امریکہ میں جو اسلام قبول کرنے والے حضرات ہیں، ان میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد وہ عورتیں کہتی ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور حجاب کے احکام کو اپنانے کے بعد ہم نے اپنے دل میں جو تحفّظ اور امن وامان کی کیفیت محسوس کی، اس سے پہلے یہ کیفیت

ہمیں حاصل نہیں تھی۔

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

یہ وہ لوگ ہیں جو خود اس تہذیب کو آزما چکے ہیں، اس کے نفع اور نقصان سے وہ واقف ہو چکے ہیں، وہ شہادت دیتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جو احکام بیان کیے ہیں، وہی عورتوں کے شایانِ شان ہے، ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الملك: ١٤] اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں، وہی اپنی مخلوق کے حال سے بخوبی واقف ہیں۔ اپنی مخلوق کے متعلق اس نے جو احکامات دیئے ہیں، وہ عین حکمت کا تقاضا ہیں اور مخلوق کے لیے وہی سب سے بہتر اور نافع طریقہ ہے۔

معاشرے کی اصلاح بڑا مدار عورتوں کی اصلاح پر ہے

ضرورت تھی کہ ہم ان چیزوں کو عام کرتے۔ ہمارے معاشرے میں جو بگاڑ آرہا ہے، اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ عورتیں اسلامی احکام سے ناواقف ہیں۔ ہمارے یہاں شادی، بیاہ اور موت میت کے موقع پر جو غیر اسلامی رسم ورواج انجام دیئے جاتے ہیں، ان رسم ورواج کو ترویج اور بڑھاوا دینے میں بڑا کردار عورتوں کا بھی ہوتا ہے، اگر عورتوں کی اصلاح ہو جائے تو یہ مسئلہ بھی بڑی آسانی سے حل ہوسکتا ہے۔

بچوں کی اسلامی تربیت میں ماں کا کردار سب سے اہم ہے

بچوں کی تربیت میں بھی عورتوں کا بڑا کردار ہے، بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پاس

ہوتا ہے، چار پانچ سال کی عمر تک تو وہ ماں کی گود ہی میں رہتا ہے، ماں کی تربیت میں رہتا ہے، باپ کو اس کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ماں دین دار ہے اور اسلامی احکام سے واقف ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو جانتی ہے، ان کے احکام کو جانتی ہے، ایسی عورت جس عمدہ طریقے سے بچوں کی پرورش کرسکتی ہے، اس کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ بچیوں کی صحیح تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے۔

مولانا بڑے باحوصلہ ہیں جو یہ سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ صبح وہاں ناشتے کے موقع پر تذکرہ ہو رہا تھا اور اسی کی بات چل رہی تھے، ہمارے قاری صاحب بھی کہہ رہے تھے اور میں بھی اسی نظریے کا حامل ہوں کہ اقامتی درس گاہوں میں عورتوں کے قیام کو مناسب نہیں سمجھتا لیکن یہاں کے حالات کی بناء پر اس کی رخصت دی جاسکتی ہے۔

مدرسۃ البنات کے منتظمین بڑے باحوصلہ ہوتے ہیں

میں تو کہا کرتا ہوں کہ کسی کے گھر میں دو بیٹیاں ہوتی ہیں تو اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے اور یہاں مدرسوں میں پانچ سو، پانچ سو، ہزار، ہزار بچیوں کو لا کر کے رکھتے ہیں، پتہ نہیں ان کے حوصلے کتنے بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، فتنوں سے بھی حفاظت فرمائے۔ بہر حال! بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے جو تدابیر اختیار کرنی ہوگی، مولانا نے اب تک تو ماشاء اللہ بہت بڑی بڑی ذمہ داریاں قبول کی ہیں اور نبھائی ہیں۔ ہم تو دعا کر رہے ہیں کہ اس کو شروع کر رہے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کے فتنوں اور مکائدِ شیطانی سے حفاظت فرما کر اس کام کو بھی عمدہ اور احسن طریقے سے،

عافیت، سہولت اور کامیابی کے ساتھ آگے بڑھانے کی ان کو توفیق عطا فرمائے۔ ہم اسی لیے اس موقع پر یہاں حاضر ہوئے ہیں کہ دعا کریں اور دعا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد طلب کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اولاد کی تعلیم وتربیت اور
اس میں دینی اداروں کا عظیم کردار

اقتباس

اللہ کرے! ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنے والے بنیں۔ یہ جو آج کل ہائی فائی زندگی گذاری جارہی ہے، یہ ہائی فائی لائف تو بلا ہے، مصیبت ہے، اس ہائی فائی لائف نے تو ہمیں دین کا بھی نہیں رکھا اور دنیا کا بھی نہیں رکھا، کسی کام نہیں رکھا۔ ذرا اپنے عقل کے ناخن لو، ہوش سنبھالو اور سمجھو کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہم اپنی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [التحريم ٦]

وقال تعالىٰ: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا [الفرقان]

وقال تعالىٰ: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [البقرة: ۱۳۳]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.

[صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُمَا، باب المرأة راعية في بيت زوجها]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ نُحلاً مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ.

[شعب الإيمان، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ، ۸۲۸۵]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ.

[سنن الترمذی، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الوَلَدِ]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ. [صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ. [صحيح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ] أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

مجلس کے انعقاد کا سبب

محترم حضرات! آج کی ہماری یہ مجلس یہاں دینی تعلیم کا جوسلسلہ جاری ہے، اس کی کارگذاری کو پیش کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ اس مدرسے میں یہاں آس پاس بسنے والے مسلمان شوق اور رغبت کے ساتھ بڑے اہتمام سے اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجیں، اس کی ترغیب کے لیے منعقد کی گئی ہے۔

یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری

کارگذاری تو ہمارے سامنے آ گئی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے جس انداز میں ہمارے سامنے قرآن پڑھا، وہ قابلِ داد ہے۔ دیکھئے! ان پر جب محنت کی جارہی ہے تو

اس کے کیسے نتیجے برآمد ہورہے ہیں۔زمین کیسی ہی کیوں نہ ہو، اس زمین پر جب آدمی محنت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اچھے نتائج برآمد کراتے ہیں۔اعلیٰ اور عمدہ زمین ہے اور اس پر محنت کی جائے تو اچھے اچھے پھول کھلیں گے اور اس میں اچھے اچھے درخت اُگ کر عمدہ قسم کے پھل لائیں گے اور اس میں اچھے اچھے پودے پیدا ہوکر کے ہم اس سے مختلف غذائیں حاصل کریں گے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی راہ میں کی جانے والی کسی بھی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔

کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر

یہاں جو حضرات مدرسے کی مالی معاونت کرتے ہیں اور دوسری جہتوں سے بھی اس کا خیال رکھتے ہیں، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک جذبہ عطا فرمایا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں ایسا جذبہ ہونا چاہیے۔ان حضرات کو یہاں پڑھنے والوں کے ساتھ کوئی نسبی رشتہ داری نہیں ہے، اگر کوئی رشتہ ہے تو وہ اسلامی اُخوّت اور بھائی چارگی کا۔

قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:۱۰] ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ(۱): مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔اور اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بھلائی اور خیر چاہنی چاہیے جو آدمی اپنے لیے چاہا کرتا ہے۔نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ

---

(۱) صحيح البخاري، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُمَا، باب لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ، وَلَا يُسْلِمُهُ.

مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (۱) تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ ہماری اولاد نیک بنے، اچھی تعلیم اور تربیت پاوے۔

جہاں دیکھئے فیض اسی کا ہے جاری

اسی جذبۂ اُخوت کے بل بوتے پر یہ مدارسِ دینیہ کا نظام قائم ہے اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی ہر طرح سے معاونت کر رہے ہیں اور اس معاونت ومحنت کے کچھ نتائج ہمارے سامنے نمونے کے طور پر پیش کیے گئے اور نمونے کے طور پر چیزیں زیادہ مقدار میں پیش نہیں کی جاتیں۔ اصل تو یہ ہے کہ اندر آویں، دیکھیں، پتہ چلاویں کہ ان کی محنت کیا رنگ لا رہی ہے۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

ہم تو دنیا کے مختلف علاقوں میں آتے جاتے رہتے ہیں، وہاں بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں جو حال ہے، اس کے پیشِ نظر یہاں ہمارے سامنے جو کارگذاری آئی، وہ بہت ہی بہتر ہے اور ہمیں اس سے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ ہیں۔ اگر یہاں کے اور آس پاس رہنے والے مسلمان اس کام میں تعاون کریں گے اور ہاتھ بٹائیں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ آگے بڑھے گا، اور زیادہ ترقی کرے گا اور اس کے نتیجے میں آپ کی پوری آبادی میں اِن شاء اللہ تعالیٰ ایک ایسا ایمانی انقلاب آئے گا کہ جس کو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، باب مِنَ الإِیمَانِ أَنْ یُحِبَّ لأَخِیہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہ.

دیکھ کر ہر مؤمن کا دل خوش ہوسکتا ہے۔

مدرسہ اور اہلِ مدرسہ آپ سے کیسا تعاون چاہتے ہیں؟

آپ کا تعاون اس سلسلے میں کیا ہونا چاہیے؟ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت یہاں بچوں کے اولیا سب جمع ہوئے ہیں تو دیکھئے! آپ سے مانگا جانے والا بنیادی تعاون یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کو بڑے اہتمام، توجہ اور پوری سعی کے ساتھ یہاں مدرسے میں بھیجیں اور پھر ان کی تعلیم جو ہو رہی ہے، اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں بھی بھرپور کوشش کریں۔

زباں سے کہہ بھی دیا ''لا الٰہ'' تو کیا حاصل ہے

دیکھیے! ہم لوگوں کا معاملہ بڑا عجیب وغریب ہے: دنیوی تعلیم کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے اور دینی تعلیم کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے، اس کو ذرا دیکھ لیں، جائزہ لے لیں، تب پتہ چلے گا کہ ہم اپنے ایمان کو بڑا قیمتی مایہ کہتے ہیں، یہ محض زبانی دعوی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کو قیمتی مایہ سمجھتے نہیں ہیں، اگر حقیقت میں ہم اس کو قیمتی مایہ سمجھتے تو اس کی حفاظت کے لیے اور اس میں ترقی کے لیے ہم اس سے زیادہ کوشش کرتے، جتنی کوشش ہم دنیا کے لیے کیا کرتے ہیں۔

نہیں جہاں جائے عیش وعشرت، سنبھل سنبھل ورنہ ہوگی حسرت

کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کتنے عمل کریں؟ تو جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کے لیے اتنی محنت کرے، جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے

لیے اتنی محنت کرے، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آخرت میں کتنا رہنا ہے، ہر مسلمان اس کو جانتا ہے اور اس کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت کیا ہے؟

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا

یہاں اگر ہزاروں سال گذارے، تب بھی کل قیامت کے دن آدمی یہی کہے گا: ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ [المؤمنون: ۱۱۳] کہ: ہم دنیا میں ایک دن رہے یا ایک دن بھی نہیں، دن کا کچھ حصہ ہی رہے۔ وہاں جائیں گے تو یہاں جو زندگی اور اس کے اوقات گذارے ہیں، اس کی کمی کا احساس ہوگا۔

اس لیے ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو موقع اور فرصت دی ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ دنیا کے لیے آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر تکلیف اور مشقت اٹھا کر کوشش کرتا ہے۔

انگلش میڈیم کے دیوانے

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکول (english medium school) میں پڑھانے کے لیے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور بڑی بڑی فیس ادا کرتے ہیں بلکہ نفسِ داخلہ ہی کے لیے بہت بڑی رقم ادا کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور اب تو سنا ہے کہ بچہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہے اور یہاں اس کے نام کا اندراج کروایا جا رہا ہے، اس کے لیے ریزرویشن (reservation) ہو رہا ہے، اس کے لیے اتنا اہتمام ہو رہا ہے کہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا اور بُکنگ

(booking) کرانی پڑتی ہے اور پھر وہاں ڈونیشن (donation) کے نام سے مزید رقمیں بھی حاصل کی جاتی ہیں، ڈونیشن کے نام سے بلینک چیک (blank cheque) دیا جاتا ہے، آپ حضرات جانتے ہیں۔

پھر جب داخلہ ہو گیا تو بچوں کو اسکول بھیجنے کا اہتمام کیسا ہوتا ہے: خود بھی اٹھ جاتے ہیں اور ان کو بھی صبح سویرے اٹھا دیتے ہیں، نہلاتے، دھلاتے ہیں، تیار کرتے ہیں، اسکول کا جو یونیفارم (uniform) ہے، اس کا اہتمام کرتے ہیں، اس کو لانے کے لیے پیسے خرچ کیے جاتے ہیں۔ روزانہ نہلا کر دھلے ہوئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور ابھی تو اسکول پہنچانے والا گاڑی یا رکشا لے کر آیا نہیں، اس کو آنے میں ابھی تو پندرہ، بیس منٹ دیر ہے، اس سے پہلے ہی اس کو تیار کر کے ماں اس کو لے کر کے دروازے کے پاس کھڑی رہتی ہے۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم

پھر وہ اسکول پہنچانے والے رکشے والے کو کرایہ دیا جاتا ہے اور درمیان میں مہینے دو مہینے کی چھٹی آتی ہے، اس کا کرایہ بھی وہ وصول کرتا ہے اور لوگ دیتے بھی ہیں اور شوق سے دیتے ہیں اور اس کے لیے جو بھی طلب کیا جائے، پیسے خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد نتائج کیا آتے ہیں؟ میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اتنی ساری مشقتیں اٹھانے اور اتنا پیسہ خرچ کرنے کے بعد جہاں جہاں جو جو بچے بھیجے گئے تھے، آج ان کی عمر پندرہ سال ہو گئی، بیس سال ہو گئی۔ ذرا ان کو بلا کر پوچھ

لیجیے کہ اس کو جس غرض سے انگلش میڈیم میں بھیجا گیا تھا، اس کے پاس کیا سرمایہ ہے؟ کتنی انگلش جانتا ہے؟ اس پر جو خرچ کیا گیا تھا، اس سے اس کو زندگی میں کتنا فائدہ پہنچے گا؟ اور کیا اس کی وجہ سے اس کو سرکاری سروس میں کوئی اونچا درجہ مل گیا کہ جس کی وجہ سے وہ ہزاروں لاکھوں روپیے کمارہا ہو؟ کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کے سر کے اوپر ایک سودا سوار ہے اور اس کے لیے ہزاروں، لاکھوں روپیے خرچ کیے جارہے ہیں!!

آپ کے دین وایمان کا فکر کرنے والے

اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام سکھانے کے لیے اللہ کے یہ بندے آپ کے گھروں پر آتے ہیں، آپ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو بھیجیے۔ کیوں؟ ان کو فکر ہے کہ آپ کے بچوں کا ایمان سلامت رہے، آپ کے گھر میں اسلامی اور ایمانی ماحول پیدا ہو، آپ کی آنے والی نسلیں ایمان کے اوپر قائم رہیں۔ اسی فکر کی وجہ سے یہ حضرات آپ کے گھروں پر آتے ہیں اور آپ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ آپ اپنے بچے دو، مدرسے میں داخل کرو۔

دینی تعلیم کی طرف سے امت کی بے اعتنائی

اب ان کی درخواست پر اگر ہم اپنے بچے ان کے حوالے کرتے بھی ہیں تو ان کی پابندی سے حاضری کا کوئی اہتمام نہیں، ہر جگہ سے یہ شکایتیں موصول ہوتی ہیں کہ بچے دیر سے آتے ہیں۔ پھر مدرسہ بھیجتے ہوئے ان کی تیاری کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ وہ بچہ خود اٹھ کے آئے تو آئے، ماں باپ تو سوئے ہوئے ہیں، ان کو مدرسے میں بچہ بھیجنے کا

فکرنہیں ہے کہ بچہ وقت پر مدرسہ جاوے۔ بعض ماں باپ ایسے ہوتے ہیں جو اس کا اہتمام کرتے ہیں، ورنہ ازخود بچہ آوے، اس کو شوق ہوتو ٹھیک ہے، ورنہ تو مدرسہ بھیجنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

بچوں کو جلدی اٹھا کر مدرسے بھیجنے کا اہتمام نہیں ہے، ان کی صفائی، ستھرائی کا کوئی انتظام نہیں، ان کو سبق یاد کرانے کا کوئی فکر نہیں اور اِدھر اسکول کے معاملے میں اتنا پیسہ خرچ کرنے کے باوجود گھر آنے کے بعد بھی ٹیوشن (tuition) کے سلسلے اور ٹیوشن کے اوپر مزید ٹیوشن، ٹیوشن در ٹیوشن اور اس کو جو چاہیے ہوتا ہے، سب گوارا کرلیا جاتا ہے اور یہاں صرف دو گھنٹے کی تعلیم ہے، اس میں بھی بچہ آیا اور ابھی تو آ کے بیٹھا نہیں کہ انھوں نے کسی اور بچے کو استاذ کے پاس بلانے کے لیے بھیج دیا!! کاہے کو؟ تو کہتے ہیں کہ گھر مہمان آنے والے ہیں۔ ارے بھائی! مہمان کے لیے تم اس کی تعلیم کیوں خراب کرتے ہو؟ مہمانوں کی تم مہمان نوازی کرتے رہو، بچے کی کیا ضرورت ہے؟

جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گُل ہی نہیں

بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ہم نے جو اپنا مزاج بنا رکھا ہے، یہ ان قوموں کا مزاج نہیں ہے جو ترقی یافتہ ہیں یا جو ترقی کرنا چاہتی ہیں، اقوامِ عالم میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتی ہیں، اس کے لیے تو بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔

تربیتِ اولاد کے سلسلے میں غیروں کی قابلِ رشک محنتیں

آپ غیروں کے یہاں چلے جائیے اور دیکھئے کہ وہ اپنے بچوں پر کیسی محنتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس آخرت تو ہے نہیں، صرف دنیا ہے، اس کے باوجود ان کے پیچھے کیسی محنتیں کی جاتی ہیں، مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں! اس لیے ہمیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے پیچھے خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

تربیتِ اولاد کی اہمیت کے سلسلے میں قرآن کا عجیب انداز

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایمان واسلام کی عظیم دولت سے نوازا ہے، اس دولتِ ایمان کی حفاظت کے لیے اور ہماری آئندہ نسلوں میں یہ سلسلہ جاری رہے، اس کے لیے ہم خاص توجہ دیں۔ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی چیز کی اہمیت کو بٹھانے کے لیے ایک بڑے جلیل القدر نبی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جو آیتیں میں نے پڑھیں، ان میں ایک آیت یہ تھی: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ کہ: جس وقت حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا تو کیا تم موجود تھے؟

حضرت یعقوبؑ اور بنی اسرائیل کا مختصر تعارف

پہلے ذرا یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہیں کون؟ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ یہ بنی اسرائیل جو ہیں نا، ان کے بارہ خاندان تھے، یہ درحقیقت حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہی کے بارہ بیٹے

تھے، ان سے جو نسل چلی، ان کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب کا اصل نام تو یعقوب ہی تھا لیکن اسرائیل ان کا لقب تھا، ان ہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں، یہ اللہ کے نبی تھے اور ان کے ابّا حضرت اسحاق، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے چچا تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام، وہ بھی اللہ کے نبی پیغمبر تھے، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ: اللہ کے خلیل، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی دنیا میں آئے، سب کے ابا یعنی ابوالانبیاء، پورا گھرانہ اور فیملی نبوت کا گھرانہ تھا، جیسے شاہی گھرانہ ہوتا ہے نا، روئل فیملی، یہ گویا نبوت فیملی ہے، نبیوں کا گھرانہ! تین پشتوں سے، تین پیڑھیوں سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے واقعۂ وفات کو بیان کرنے کے سلسلے میں قرآن کا دل نشیں انداز

لیکن یہی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام، جب ان کی موت کا وقت آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس واقعے کو اس آیت کے اندر بیان فرمایا ہے اور بیان کرنے کے لیے اندازِ بیاں بھی عجیب وغریب استعمال فرمایا: ﴿اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ﴾ کہ: جب حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم موجود تھے؟

جیسے آپ کے شہر ''سورت'' میں کوئی اہم واقعہ پیش آیا جو پورے شہر میں موضوعِ بحث بنا ہوا ہے، ''ٹاپک اِن ٹاؤن'' (topic in town) بنا ہوا ہے، پورے شہر

میں اس پر چرچا ہو رہا ہے اور جب وہ واقعہ پیش آیا، اس وقت آپ وہاں موجود تھے، جب لوگ واقعے کا چرچا کر رہے ہوں، اس پر بات چیت ہو رہی ہو، آپ وہاں ہوں تو آپ کیا کہیں گے؟ آپ کہیں گے کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، تم لوگ وہاں موجود تھے؟ لوگ کہیں گے کہ موجود نہیں تھے۔ آپ کہیں گے کہ میں وہاں موجود تھا، وہاں کیا ہوا، میں بتاؤں؟

بوقتِ وفات حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں کو اپنے پاس جمع کرنا

یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ: کہ جب حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم وہاں موجود تھے؟ ظاہر ہے یہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں تھے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تھے، ہم بتائیں کہ کیا ہوا تھا؟: اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ: جب ان کی موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، قرآن ہی میں ہے کہ ان کے ۱۲/ بیٹے تھے اور ان ۱۲/ بیٹوں میں ایک اللہ کے نبی تھے: حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام۔

اس زمانے میں مرنے والے کی آخری چاہت

ان سب بیٹوں کو موت کے وقت جمع کر کے اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ آپ تصور کریں، ذرا سوچیں: آج اگر کسی کو آثار، قرائن اور نشانیوں سے

یہ اندازہ ہو جائے کہ اب میں زیادہ رہنے والا نہیں ہوں، میری آخری گھڑی آ گئی ہے، اس کی بیماری اور حالت ایسی ہے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو کیا کرے گا؟ کہے گا: ارے بھائی! میرے سب بچوں کو بلاؤ، فلاں بیٹا ممبئی میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں احمد آباد میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں بیٹی فلاں جگہ ہے، اس کو بھی بلاؤ، سب کو بلا کر کے باپ اپنے پاس بٹھائے گا، نصیحت کرے گا، وصیت کرے گا یعنی آخری اہم باتیں کرے گا۔

حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں سے سوال

یہاں بھی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور جمع کر کے کیا پوچھتے ہیں؟ سوال کیا کرتے ہیں؟ کس بات کی وصیت کرتے ہیں؟ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے، کس کی عبادت کرو گے؟

بوقتِ وفات اپنے بیٹوں کے بارے میں ایک نبی کا فکر

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بیٹے کون ہیں؟ کن بیٹوں کو یہ نصیحت کی جا رہی ہے؟ ان بیٹوں کو جن کے باپ نبی، جن کے چچا نبی، جن کے دادا نبی، جن کے پردادا نبی اور ان بیٹوں میں بھی خود ایک نبی موجود ہیں۔ ان بچوں سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے، کس کی عبادت کرو گے؟ جن کی پرورش، جن کا نشونما، جن کی اُٹھان نبوت کے گھرانے میں ہوئی، جن میں تین تین، چار چار پشتوں سے نبوت چلی

آ رہی ہے، جو ساری دنیا کو ایمان و اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اس گھر میں جن بچوں کی پرورش ہوئی، بھلا ان بچوں کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں؟ پھر بھی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اگر کوئی فکر ہے تو کیا فکر ہے؟ کہ میرے بیٹے میرے بعد کس کی عبادت کریں گے؟ میرے بعد ایمان پر قائم رہیں گے یا نہیں؟ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے یا نہیں؟

سینکڑوں سال پہلے پیش آنے والے اس واقعے کو قرآن میں بیان کرنے کا مقصد

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے پیش آیا تھا لیکن قرآن میں اللہ نے اس واقعے کو اس لیے نازل فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، صحابہ کو اور ان کے واسطے سے قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کو مخاطب کر کے متنبہ کیا، اس واقعے کو بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمیں یہ سبق دینا مقصود ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کو اپنی اولاد کے متعلق کیا فکر ہونا چاہیے۔ یہ فکر ہونا چاہیے کہ ان کے ایمان کا کیا ہوگا، وہ کس کی عبادت کریں گے؟ میرے بعد ایمان پر قائم رہے گی یا نہیں؟ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے گی یا نہیں؟ اور یہ تو اس زمانے کی بات ہے۔

اس پُرفتن دور میں اپنی اولاد کے ایمان کا فکر کیجیے

ہمارے اس زمانے میں جب کہ ایمان اور اسلام سے برگشتہ کرنے والی، ایمان اور اسلام سے نکالنے والی چیزوں کی بے انتہا کثرت ہوگئی ہے، پوری دنیا اس پر محنت کر

رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچے اسلام سے نکل جائیں، ایمان سے محروم ہو جائیں۔ ہر طرف محنت ہو رہی ہے، بھرپور کوششیں ہو رہی ہے اور اس زمانے کے جتنے ذرائعِ ابلاغ ہیں، پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو، پوری قوت کے ساتھ استعمال کیے جا رہے ہیں، ایسے زمانے میں ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی کتنی زیادہ فکر کرنی چاہیے، یہ آپ حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں۔

عظیم اسلامی مملکت اندلس کی تباہی کے بعد وہاں اسلام کی کسمپرسی

یہ ہمارے مدارس اور مکاتب بڑے اہم ہیں، یہ مکتب بھی بڑی اہمیت کی حامل چیز ہے۔ جو حضرات اسلامی تاریخ سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یوروپی ممالک میں ایک ملک ہے اسپین۔ اس ملک میں ۸۰۰ ر سال تک بڑے جاہ وجلال کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور اس کے بعد عیسائیوں نے اس پر اپنا تسلط جمالیا اور اسلامی حکومت ختم ہوگئی۔ اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد ایسا وقت آیا کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہا۔ بہت سے ہجرت کر کے دوسرے ممالک میں چلے گئے اور بہت سوں کو قتل کر دیا، وہاں مسلمانوں کی نسل ختم ہوگئی۔

جتنے اسلامی علوم ہیں: تفسیر، قرأت، حدیث، فقہ وغیرہ، ان اسلامی علوم میں اسپین کے علماء کا بہت بڑا حصہ ہے، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، اہلِ علم اس کو جانتے ہیں لیکن وہاں اسلام کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ ہزاروں مسجدوں کو گرجا گھر بنا دیا گیا، اب

تھوڑے تھوڑے مسلمان وہاں جارہے ہیں لیکن وہاں سے اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد وہاں سے اسلام کو بالکل مٹادیا گیا۔

مکاتب اوراس میں کام کرنے والوں کی اہمیت علامہ اقبال کی نگاہ میں

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہا کرتے تھے، کسی نے ان مدارس ومکاتب میں پڑھانے والے مولویوں اور ملاؤں کے متعلق علامہ اقبال سے پوچھا تھا، پوچھنے والے کا مقصد ان پر تنقید کرنا تھا کہ اس طرح یہ مولوی لوگ بچوں کو بے کار کردینا چاہتے ہیں تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ان کو رہنے دو اور اپنی جگہ پر کام کرنے دو، اگر یہ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟ وہ میں اسپین میں دیکھ کرآیا ہوں۔

ہندوستان کو دوسرا اسپین بنانے کا خواب دیکھنے والوں کے خواب کو چکنا چور کرنے والے

اور یہ واقعہ ہے کہ لوگوں نے اور خصوصًا انگریز نے یہاں حکومت کرنے کے دوران اس کی بھرپور کوشش کی اور یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کو بھی اس کا نمونہ بنادیا جائے اور اسلام کو یہاں سے بالکلیہ ختم کردیا جائے لیکن ہمارے اکابر نے مدارس اور مکاتب کا یہ سلسلہ یہاں شروع کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ان کوششوں کی برکت سے ان کی محنتوں کی لاج رکھ لی اور اس کی بدولت آج ہم اور ہماری نسلیں ایمان اور اسلام پر قائم ہیں۔

بچوں کی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت

مکاتب کا یہ سلسلہ بہت ضروری ہے، بچوں کو بنیادی اسلامی تعلیم سے واقف کرنے کے لیے یہی ایک ذریعہ ہے جو ہمارے پاس ہے۔ بچوں کو اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنے کی فرصت ماں باپ کے پاس ہے؟ آج تو باپ کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر بیٹھنے کی، اس کے ساتھ بات کرنے کی، اس کو کچھ سکھلانے کی، تعلیم وتربیت کی فرصت نہیں ہے! صبح جب گھر سے نکلتا ہے تو بیٹا سویا ہوا ہوتا ہے اور پھر رات کو بارہ بجے آئے گا، اس وقت بھی بیٹا سویا ہوا ہوگا، وہ کب اُٹھا، کہاں گیا، کس کی صحبت میں رہا کیا سیکھا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہاں! اپنے باپ ہونے کا حق ادا کرنے کے لیے سنیچر اتوار کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیسے دئے ہیں، گاڑی دی ہے تو سب بچوں کو اس میں بھر کر کے لے جائے گا تو اولاد کے واسطے پیسہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہے لیکن وہ بھی دنیا کے واسطے۔ دین کے لیے کوئی پیسہ مانگنے آئے گا تو بخل سے کام لے گا۔

مکتب والوں کا احسان مانیے

لیکن تعلیم وتربیت کے لیے ان کو لے کر بیٹھنا، اس کی فرصت نہیں ہے، تم میں سے کتنے ہیں جو روزانہ بچوں کو لے کر بیٹھتے ہوں کہ بھائی کلمہ سناؤ، قرآن پڑھ کر سناؤ۔ اسلامی آداب، اسلامی دعائیں، اسلامی طور وطریق، اسلام کی تعلیمات سکھانے کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ یہ ذمہ داریاں آپ کی تھیں لیکن یہ مکتب والے ان ذمہ داریوں کو ادا کررہے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ آپ ان کا احسان مانیں، شکریہ ادا کریں اور

آپ اپنے بچوں کو اہتمام کے ساتھ، توجہ کے ساتھ یہاں بھیجنے کی کوشش کریں۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کا طریقہ

اب اولاد کی تربیت کیسے کریں تو ایک تو تعلیم ہے اور دوسری چیز تربیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کریں۔ اس کا نام تعلیم ہے۔ اس میں پہلے خود بھی سیکھنا ضروری ہے؛ اس لیے یہاں جو حضرات ایسے ہیں جنھوں نے ابھی تک سیکھا نہیں ہے تو وہ طے کرلیں کہ ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ سیکھیں گے۔ آپ سیکھیں گے تو اپنی اولاد کو سکھا سکتے ہیں۔

تربیت کا مطلب

تربیت کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ، نماز کا حکم دیا تو خود بھی نمازی بنو اور اولاد کو بھی نمازی بناؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد کو بھی ان سے بچانے کا اہتمام کریں: شراب اور جوئے سے بچنے کا حکم دیا ہے تو خود بھی بچو اور اولاد کو بھی اس سے بچنے کا عادی بناؤ تو یہ جو اولاد کو اس پر ڈالا جا رہا ہے، عادی بنایا جا رہا ہے، اسی کا نام تربیت ہے۔

مکتب تعلیم گاہ ہے اور گھر تربیت گاہ ہے

بچے مکتب میں آتے ہیں، نماز سیکھتے ہیں، اساتذہ نماز تو سکھائیں گے لیکن وہ آپ کے بچوں کو نمازی بنا نہیں سکتے، نمازی تو ماں باپ بنا سکتے ہیں، وہ تو ماں باپ کے ساتھ گھر میں رہے گا۔ یہ اساتذہ آداب سکھا تو سکتے ہیں کہ کھانے کا یہ ادب ہے: ہاتھ دھو کر کھاؤ، داہنے ہاتھ سے کھاؤ، بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، اس طرح لقمہ لو، اس طرح بیٹھو، کھانے کے بعد یہ پڑھو، دستر خوان بچھاؤ۔ یہ ساری چیزیں یہاں مکتب میں سکھائیں گے لیکن اس پر عمل کہاں ہوگا؟ یہاں مکتب میں؟ عمل تو گھر میں ہوگا، عمل تو آپ کو کرانا ہے، اگر یہ سکھا دیا گیا تو بچے اس وقت تک عادی نہیں بنیں گے، جب تک کہ آپ اس پر محنت نہیں کریں گے۔

ہمارے گھر بھی ہوٹل کا نمونہ بن کر رہ گئے ہیں

اس زمانے میں ہمارے گھروں کا حال کیا ہوگیا؟ ہمارے ایک دوست بڑی معقول بات کہتے ہیں کہ آج ہمارے گھر گھر میں ہوٹلیں بن گئی ہیں، بڑی فائیو اسٹار ہوٹلیں ہوتی ہیں نا، وہاں کیا ہوتا ہے؟ وہاں علیحدہ کمرے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہر آنے والے کا اپنا کمرہ ہوتا ہے، بازو والے کمرے میں کون ہے؟ کچھ پتہ نہیں، مجھے تو اپنے کمرے سے لینا دینا ہے، یہاں ضرورت کی سب چیزیں ہیں: کھانا یہاں کچن سے وقت پر مل جائے گا، میں نے آرڈر دے رکھا ہے، آجائے گا۔

گھروں میں کیا ہوگیا ہے؟ جتنے بھی بڑے بڑے گھرانے ہیں، بڑی بڑی بلڈنگیں،

بڑے بڑے بنگلے ہیں، ان میں باپ کا کمرہ الگ ہے، ماں کا کمرہ الگ ہے، بیٹی کا کمرہ الگ ہے، بیٹے کا کمرہ الگ ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے کمرے میں اپنے اپنے وقت پر آکر سوئے گا: باپ بارہ بجے آکر سوئے گا، بیٹا ایک بجے آکر سوئے گا۔ باپ کو پتہ نہیں کہ بیٹا کب گیا، کب آیا، کس طرح سویا! کچن میں کھانا ہے، آنے والا اپنے وقت پر آکر کھانا گرم کر کے کھالے گا۔

اپنوں سے پرایے پن کی عجیب فیشن

ہوٹلوں میں بھی یہی ہوتا ہے نا؟ وہاں کیا ہوتا ہے؟ لوگ آتے ہیں، پیسے دے کر روم لیتے ہیں، کھانا ان کے کمروں میں پہنچا دیا جاتا ہے یا جہاں ان کو بتا دیا کہ یہاں ریسٹورنٹ ہے، وہاں جا کر کھا لیتے ہیں، ہر کمرے والا اپنے وقت پر آتا ہے، کھاتا ہے اور سوتا ہے، دوسرے کمرے والے سے کوئی لینا دینا نہیں۔ ہمارے گھروں کا بھی یہی حال ہو گیا ہے: اولاد کو ماں باپ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اور اولاد کے ساتھ ماں باپ کو کوئی تعلق نہیں رہا، بڑے چھوٹے کا لحاظ اور آداب کچھ بھی باقی نہیں رہا، سب ختم ہو گیا اور ہم اس پر خوش ہیں۔ اللہ کرے ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنے والے بنیں۔

ہائی فائی اور پر تعیش طرزِ زندگی نے ہمیں تباہ کر دیا ہے

یہ جو آج کل ہائی فائی زندگی گذاری جارہی ہے، یہ ہائی فائی لائف تو بلا ہے، مصیبت ہے، اس ہائی فائی لائف نے تو ہمیں دین کا بھی نہیں رکھا اور دنیا کا

بھی نہیں رکھا، کسی کام کا نہیں رکھا۔ ذرا اپنے عقل کے ناخن لو، ہوش سنبھالو اور سمجھو کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم اپنی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں؟

یہ اولاد کے حقوق کی صحیح ادائیگی نہیں ہے

آج ماں باپ اولاد سے بے گانہ بنے ہوئے ہیں، بہت بہت تو سنیچر یا اتوار کو بچوں کے ساتھ وقت گذارنے کا موقع ملتا ہے، اس فرصت کے وقت کو بھی اِدھر اُدھر گھومنے میں ضائع کر دیا جاتا ہے: سنیچر کی شام میں اپنے بچوں کو گاڑی میں بھر کر کسی گارڈن (garden) میں یا کسی بیچ (beach) کے اوپر، ساحلِ سمندر کے اوپر یا ہِل اسٹیشن (hill station) پر یا اپنے شہر ہی کے اندر کسی گارڈن میں یا کسی کھانے پینے کی یا تفریح کی جگہ لے جائے گا۔ وہاں اچھا سا کھانا کھلائے گا اور گھوم پھر کر رات کو آئیں گے پھر دو بجے تک ٹی وی دیکھا اور سو گئے۔

کل تو اتوار ہے، نہ فیکٹری جانا ہے، نہ دوکان جانا ہے، نہ دفتر میں حاضری دینی ہے؛ اس لیے خوب سو لو۔ نماز کا کیا ہوگا؟ اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کا تو کوئی فکر ہی نہیں، ظہر تک، عصر تک سو گئے۔

میں نے ذمہ داروں سے کہا تھا کہ میرے پاس وقت تو ہے نہیں، آپ ساڑھے سات بجے کا اعلان کریں۔ یہ کہنے لگے کہ لوگ کیسے آئیں گے! میں نے کہا کہ میں بھی کیا کروں! میرے پاس بھی وقت نہیں ہے۔ سب تو اس وقت میں سوتے نہیں ہیں لیکن تمھاری دوسری ذمہ داریاں بھی ہیں۔

میں تو آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ باپ اپنے بچوں کو لے گیا اور رات میں دیر سے آیا اور سو گیا تو کیا اس سے باپ ہونے کا حق ادا ہو گیا؟ باپ کی جو دوسری ذمہ داری ہے: اولاد کی تربیت کی، ان کو اخلاق وآداب سکھانے کی۔ کیا اس نے یہ ذمہ داری پوری کی؟ نہیں! اسی طرح پوری زندگی گذر جاتی ہے۔

دنیوی تعلیم شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے

اپنی اولاد کو دینی تعلیم اور تربیت سے آراستہ کرو۔ یہ مولوی حضرات لوگوں کو دنیوی تعلیم سے منع نہیں کرتے، ہم تو بے دینی سے منع کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بناؤ، مسلمانوں کو ڈاکٹروں کو بہت ضرورت ہے۔ وکیل بناؤ، مسلمانوں کو وکیلوں کو ضرورت ہے۔ انجنیر بناؤ لیکن وہ ڈاکٹر بننے کے ساتھ مسلمان بھی بننا چاہیے۔ آئی ایس (i.s) آفیسر بناؤ لیکن وہ آئی ایس آفیسر مسلمان ہونا چاہیے۔

دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جا سکتی

آج کیا ہو گیا ہے؟ اگر کوئی مسلمان بڑے عہدے پر پہنچتا ہے تو کسی غیر سے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا اس سے پہنچتا ہے تو اس کو تعلیم دلانے سے حاصل کیا ہوا؟ دنیوی تعلیم دو لیکن دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جا سکتی۔ دین کو قربان کر کے تو کوئی چیز حاصل نہیں کی جا سکتی، یہ سودا تو بڑا مہنگا، بڑا خطرناک اور ہلاک کرنے والا ہے، ہم اس سودے کی اجازت نہیں دیتے۔

قوم کو مسلمان ڈگری یا فتاؤں کی ضرورت ہے

اگر آپ اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دے رہے ہیں تو آپ کو ان کی برابر نگرانی رکھنی ہے کہ ذرّہ برابر دین سے ہٹنے نہ پائے۔ڈاکٹر بناؤ، مسلمانوں کو ڈاکٹروں کو ضرورت ہے لیکن کیسے ڈاکٹروں کی؟ مسلمان ڈاکٹروں کی! اب یہ ڈاکٹر تو بن گیا لیکن مسلمان نہیں رہا تو پھر جو غرض تھی، وہ تو پوری نہیں ہوئی۔جس ضرورت کے لیے اس کو ڈاکٹر بنایا تھا، وہ ضرورت تو پوری نہیں ہوئی، مسلمان ایسی صورت میں پیسے دے کر دوسرے ڈاکٹروں سے ضرورت پوری کریں گے۔

عالم بنانا ضروری نہیں، دین دار بنانا ضروری ہے

ہمیں اپنے دین کے اوپر قائم رہنے کی اور اللہ اور اس کے اس کے رسول کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے اندر اتارنے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنے بچوں کو مدرسوں کے اندر بھیج کر مولوی اور عالم بنائیں، ان کو مسلمان بنانا ہے، دین دار بنانا ہے۔اگر عالم بنایا اور عمل نہیں ہے تو عالم بنانا بھی کام کا نہیں ہے۔بس اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کریں اور انھیں مسلمان بنانے، دین دار بنانے کا فکر کریں۔

تربیت اولاد کے لیے والدین کو خون کے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں

یاد رکھنا! بچوں کو مدرسوں کے اندر بھیجنا انھیں دین دار بنانے کی گارنٹی نہیں ہے، اتنا ہے کہ کالجز اور اسکولوں میں جتنی خرابیاں ہیں، یہاں اتنی خرابیاں نہیں ہیں، باقی تربیت

توکرنی پڑے گی، بیٹھے بٹھائے کچھ ہونے والا نہیں ہے، ہم یہ چاہیں کہ تیار مل جائے تو یہ ناممکن ہے، بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ کو خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اس کے لیے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

قیامت کے دن اولاد کے متعلق پوچھا جانے والا سوال

اور یہی وہ مرحلہ ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متوجہ کیا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: تم میں سے ہر آدمی نگران ہے، بڑا ہے، بزرگ ہے تو اس کے ماتحت میں جو لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا، پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی بیوی، بچوں کی کیسی تربیت کی؟ ان کو دین سے کتنا واقف کیا؟ دین پر عمل کرنے کی کتنی عادت ڈالی؟ گناہوں سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا؟ دنیا میں ان کو دین کے اعتبار سے کس حال میں چھوڑ کر آئے؟ یہ نہایت ہی اہم سوال ہے جو قیامت کے دن ہر ایک سے ہوگا اور ہر ایک کو اس کا جواب دینا پڑے گا۔

اولاد کے دنیوی امور کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوگا

قرآن کی کسی آیت میں یا کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ قیامت کے دن یہ پوچھا جائے گا کہ آپ اپنی اولاد کے لیے کیا مال وجائداد چھوڑ کر آئے۔ اگر ایسی کوئی حدیث ہو تو مہربانی کر کے مجھ کو بتاؤ کہ باپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمھارے چار بیٹے تھے، تم نے ہر ایک کے لیے الگ الگ بنگلہ کیوں نہیں بنایا؟ ہر ایک کے لیے الگ الگ

کار کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ ہر ایک کے لیے اتنا بینک بیلنس کیوں نہیں چھوڑا؟ ہر ایک کے لیے الگ الگ دوکان اور فیکٹری کیوں نہیں چھوڑی؟ ایسا کسی روایت میں نہیں ہے۔

آپ کو تو یہ پوچھا جائے گا کہ بچوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا، ان کاموں کی عادت ڈالی تھی یا نہیں؟ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کرانے کے بعد ان کاموں سے بچنے کی عادت ڈالی تھی یا نہیں؟

بچوں کو غلطیوں پر محبت سے سمجھائیں

آج تو باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بھی کچھ کہتا نہیں، اس کی ایمانی غیرت بچے کی یہ حرکت دیکھ کر ذرّہ برابر بھی جوش میں نہیں آتی کہ اس کو روکے، منع کرے۔ مارنے کی ضرورت نہیں ہے، محبت سے سمجھائے، چاہے چھوٹی سی بات ہو لیکن روکے۔

تربیتِ اولاد کا نبوی انداز

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے چھوٹے تھے، دو ڈھائی سال کے ہوں گے۔ گھر میں کھجوروں کا ایک ڈھیر تھا، صدقے کی کھجوریں الگ رکھی جاتی تھیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کھجور کا ایک دانہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ نہیں چلا کہ انھوں نے کھجور کا دانہ منہ میں رکھ لیا ہے۔ چھوٹا بچہ جب کوئی میٹھی چیز کھاتا ہے نا تو منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ ان کے منہ سے بھی رال ٹپکنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کھجور منہ میں رکھی ہوئی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھجور منہ میں سے نکلوائی اور فرمایا: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ (۱)، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، ہمارے واسطے صدقہ جائز نہیں ہے۔

دیکھئے! حضرت حسن رضی اللہ عنہ دو ڈھائی سال ہی کے بچے تھے۔ صدقہ کیا ہے؟ ہدیہ کیا ہے؟ انھیں اس کا کچھ علم نہیں ہے، صدقے کی حقیقت سے ایک چھوٹا سا بچہ واقف بھی کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود یہ جملہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے!

بچپن کا مرحلہ باقی زندگی کے بننے سنورنے کا اہم ترین موڑ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھا رہے ہیں، مار نہیں رہے ہیں، اس سے ہم کو سمجھایا جارہا ہے کہ بچے کو مارو مت، اس کو اچھی طرح سمجھاؤ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عمر کی جس منزل سے گذر رہے تھے، ان میں یہ جملہ سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی لیکن یہ عمر کا وہ مرحلہ ہے کہ جب ایسی بات کہی جاتی ہے تو بچے کے دل و دماغ میں نقش ہوجاتی ہے، ریکارڈ ہوجاتی ہے،

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالى عنه، بَابُ تَحْرِيمِ الزَّكَاةِ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَهُمْ بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ.

بچہ اس جملے کا مطلب نہیں سمجھتا لیکن یاد ہو جائے گی۔ بڑے ہونے کے بعد یاد آئے گا کہ ابّا نے کہا تھا اور اس کا مطلب بھی اس وقت سمجھ میں آجائے گا، اس مرحلے میں کی ہوئی نصیحت ایسی اثر کرتی ہے کہ زندگی بھر کام دیتی ہے۔ یہ ہے تعلیم کا اثر اور فائدہ۔

اس لیے ضرورت ہے کہ بچوں کو ان چیزوں سے آگاہ کیا جائے، محبت اور شفقت سے بتایا اور سمجھایا جائے، لاڈ پیار کے ساتھ غلط حرکتوں سے روکا جائے۔

ٹی وی کی تباہ کاریاں

اب تو لوگ اپنے گھر کے اندر ٹی وی لا کر ڈال رہے ہیں، یہ تو ہم خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی اولاد کو بگاڑنے کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ ٹی وی پر کیا آتا ہے؟ اس پر کیسے مناظر دکھلائے جاتے ہیں؟ بچے اس سے کیا سیکھ رہے ہیں، ان پر اس کا کیا اثر پڑ رہا ہے۔ ہر ایک کو معلوم ہے، کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشتہارات جس کو آپ خطرناک نہیں سمجھتے، اب بچہ چیزوں کے ان ہی اشتہارات کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر اس کے دل میں ان چیزوں کے استعمال کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، بچہ ہی کیا! بڑوں کو بھی اس کی خواہش ہو جاتی ہے۔ اب ماں باپ کی مالی پوزیشن (position) ایسی نہیں ہے تو اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے بچہ کیا کرے گا؟ چوری کرے گا۔ اپنے گھر چوری کرے گا اور اگر اس سے ضرورت پوری نہیں ہوئی تو آگے بڑھ کر دوسروں کے گھروں سے چوری کرے گا، آگے اس کے لیے اور تدبیریں کرے گا۔ یہ تو ان مناظر کی بات ہے جو بظاہر بے ضرر معلوم ہوتے ہیں۔ باقی ان مناظر کو دیکھ کر بچوں پر کیا اثر مرتب ہوتا

ہوگا جس کو سبھی ضرر رساں سمجھتے ہیں۔

اس لیے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

فضلاء سے اہم خطاب

اقتباس

اگر اسی لیے علم حاصل کیا ہے تو ''نورالایضاح'' اٹھا کر دیکھ لو، اس کے مقدمہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: وہ پہلوان جو اکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اس عالم سے جو اِس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے، آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اِس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسہ میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علوم حاصل کرتے۔

حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}micirr) کو اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات ہزار ہوتی ہے اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}micirr) کی تنخواہ ۲۰ / ہزار ہوتی ہے، اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ۲۵ / ہزار سے ۵۰ / ہزار تک ہوتی ہے، اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسوله، أرسله إلی کافّة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیه وعلی آله وأصحابه وبارک وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُزَکِّیۡہِمۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ [البقرة:۱۲۹]

وقال تعالی: ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاہَدُوا اللّٰہَ عَلَیۡہِ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِیۡلًا﴾ [الأحزاب:۲۳]

وقال تعالی: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَکَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ﴾ [السجدة:۲۴]

وقال تعالی: ﴿قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾ [الزمر:۹]

وقال النبي صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم: إِنَّ الۡعُلَمَاءَ هُمۡ وَرَثَةُ الۡأَنۡبِیَاءِ، إِنَّ الۡأَنۡبِیَاءَ لَمۡ یُوَرِّثُوا دِینَارًا،

وَلَا دِرْهَمًا، وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ

(سنن الدارمي، أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي فَضْلِ الْعِلْمِ وَالْعَالِمِ، رقم الحديث: ۳۵۴)

حضرات اساتذہ اور میرے معزز فضلائے کرام اور عزیز طلبہ!

میں جب یہاں آیا تو یہ سوچ رہا تھا کہ آپ حضرات سے کیا عرض کروں؟ رات اللہ تعالی سے دعا کی کہ: اے اللہ! جو چیزیں مفید ہوں ان کو پیش کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما، فجر کے بعد اتنی ساری باتیں ذہن میں آئیں کہ اب سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا بات پیش کروں اور کیا چھوڑوں؟ کسی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر متفرق باتیں میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

اہلِ علم کا مقام

پہلی بات تو یہ کہ اللہ تعالی نے جو مقام ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی ضرورت ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ارشاد پیش کیا، اس سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ منصب حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی وراثت اور جانشینی کا ہے، اسی لیے جو مقاصد حضراتِ انبیاء کی بعثت کے ہیں، یعنی وہ حضرات جن کاموں کو انجام دینے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے؛ انھیں کاموں کو ہمیں بھی انجام دینا ہے۔

اللہ تعالی نے قرآنِ پاک میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کو بہت ساری جگہوں پر واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے: سب سے پہلا موقعہ سیدنا حضرت ابراہیم

علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کا ہے جو انھوں نے تعمیرِ کعبہ کے موقعہ پر کی تھی، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصدِ ثلاثہ - تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب وحکمت، اور تزکیہ - بیان فرمائے ہیں، دوسری جگہوں پر بھی اللہ تعالی نے ان کو بتلایا ہے۔

آپ امت کی امانت ہیں

ایک اور بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنی ذات کے مالک ومختار ہیں؛ بلکہ آپ کا وجود امت کی امانت ہے اور بحیثیت عالم کے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علمی وجود اور تشخص عطا فرمایا ہے، آپ کے اس علمی وجود کو دنیا میں لانے میں ذریعہ یہ مدرسہ بنا ہے اور امت کے افراد اس مدرسہ کا تعاون کر رہے ہیں، ہمارے جتنے بھی مدارس چل رہے ہیں، ان کے مصارف امت کے افراد کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اس لیے کہ ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ امت کی بقا جن چیزوں پر موقوف ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

اس لیے کسی نے چاہے فیس بھر کر ہی اپنے مدرسہ کا زمانہ پورا کیا ہو، لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ تو صرف کھانے کا معاوضہ بھی نہیں ہوتا، پھر یہ تعمیرات اور تعلیمی سلسلہ اور تربیت کا نظام جو مدارس میں جاری ہے، آج دنیا میں اگر کوئی آدمی ان چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو ہزاروں روپئے خرچ کرنے پڑتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو انگلش میڈیم اسکول (english medium school) میں بھیجا جاتا ہے، ان کے لیے کتنی بڑی فیس ادا کی جاتی ہے! فیس تو اپنی جگہ پر رہی؛

نفس داخلہ کے لیے ڈونیشن (Donation) کے نام سے رشوت کی بڑی بڑی رقمیں جو پیش کی جاتی ہیں اور پھر ان کے ٹرانسپورٹنگ (Transporting) اور یونیفارم (uniform) اور کتابوں وغیرہ کا خرچہ جو ہزاروں اور لاکھوں روپئے ہوتا ہے؛ اتنی بڑی رقم وہ لوگ وصول کرتے ہیں، تب جا کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر بنتا ہے، آج کل ڈاکٹروں کی فیس جو بڑھتی جا رہی ہیں، وہ سب اسی لیے ہے کہ ان کے پیشِ نظر تو محض دنیا ہے۔

لیکن ہمیں اللہ تعالی نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور سلیکٹ (Select) کر کے یہاں بھیجا اور پھر ہمیں علمی وجود ملا، وہ اِن ہی تمام مسلمانوں کی محنتوں سے ہے، اس لیے آپ یوں نہ سمجھیں کہ میں اپنا مالک ومختار ہوں؛ بلکہ آپ تو پوری امت کی امانت ہیں، آپ کو عالم بنانے میں ایک ایک مسلمان نے حصہ لیا ہے، اس لیے عالم بننے کے بعد آپ اپنے آپ کو اس لائن سے الگ کر لیں اور کسی ایسے مشغلے میں لگا دیں جس میں مسلمانوں کو علمی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو یوں سمجھئے کہ آپ نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور آپ امانت میں خیانت کا ارتکاب کر رہے ہیں، سیدھی بات ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں جو چاہوں کروں، بلکہ اب آپ کو ہر جگہ علمی فائدہ ہی پہنچانا ہے، ایک بات تو یہ ہوئی۔

ہمارا سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے

دوسری بات یہ کہ ہمارا یہ سلسلہ بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی

نور اللہ مرقدہ: پہلے ہی دن سے مجاہدہ اور صبر والا ہے، آپ نے جس دن کسی مدرسہ میں داخلے کے لیے داخلہ فارم کی خانہ پری کی تھی، اسی دن گویا اللہ تعالیٰ سے ایک عہد و پیمان کیا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے دین کا علم حاصل کرنے جا رہا ہوں اور علم حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے جو تقاضے ہیں ان پر خود بھی عمل کروں گا اور تیرے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچاؤں گا، اس لیے اب ہمیں اس معاہدہ کو زندگی کی آخری سانس تک نبھانا ہے۔

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ

ہمارے اس سلسلے کے اکابر کی زندگیاں وسوانح اور ان کے حالات ہمارے سامنے ہیں، ان حضرات نے اپنے آپ کو اِس لائن میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا تھا، اسے علمی و عملی طور پر پورا پورا نبھایا، اب ہماری باری ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنے اس عہد و پیمان کو نبھا رہے ہیں یا نہیں؟ وہ حضرات ﴿فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ﴾ والے تھے، اور ہم ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ﴾ میں ہیں، اگر ہم نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو میدانِ حشر میں اپنے بڑوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، یہ بہت اہم چیز ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

احکامِ دین کی اشاعت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی جانے والی تکالیف کا ایک نمونہ

میں نے ایک اور آیت تلاوت کی: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا

صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ ہماری یہ لائن تو پوری کی پوری صبر ہی کی لائن ہے، آپ نے بخاری شریف میں ''کتاب المغازی'' میں پڑھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ سونا ایک چمڑے کے اندر رکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار آدمیوں کے درمیان تقسیم کردیا تو اس پر ایک آدمی بولا کہ اس کے زیادہ حقدار تو ہم تھے اور ایک آدمی نے تو کھڑے ہو کر برسرِ مجلس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اِتَّقِ اللّٰه اللہ سے ڈرو۔

ذرا غور کیجئے کہ اِتَّقِ اللّٰه کا جملہ کس کو کہا جارہا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا جارہا ہے، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایسے جملے کہنے والے تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں فرماتے ہیں کہ: اگر میں اللہ تعالی سے نہیں ڈروں گا تو کون ڈرے گا؟ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے کا حقدار تو میں ہوں اور تو مجھے کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو!۔ اللہ تعالی نے اپنے پیغامات بندوں کو پہنچانے کے معاملے میں مجھ پر اعتماد کیا اور تم کو اِس مال کی تقسیم میں میرے اوپر اعتماد نہیں؟[①]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ایسی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے، خود باری تعالی اس کی گواہی دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ [الحجر]

---

① صحيح البخاري، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ [الحاقة:٦]

لوگوں کی دل شکن باتیں علماء کا انعام ہے

لوگوں کی باتیں سن کر ہمارے دلوں پر جو آرے چلتے ہیں نا، یہ تو ہمارا انعام ہے اور یہ انعام تو ہم پہلے دن سے ہی لیتے چلے آرہے ہیں، اس لیے ایسی چیزیں اگر ہمیں پیش آئیں تو اس کی وجہ سے ہمت ہارنے کی یا اپنے کام سے ہٹنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے، آج کل ہم لوگوں کی تربیت میں کمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ذرا سا ایسا کوئی معاملہ پیش آیا تو ہم اس لائن کو چھوڑ کر دوسرا کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں، ارے بھائی! اگر دوسرا کاروبار ہی کرنا تھا تو اتنے دن مدرسے میں کاہے کو لگائے؟۔

کسی فن کو سیکھ کر اس سے متعلق خدمات انجام نہ دینا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے

ہمارے والد صاحب کے ایک بڑے پکے دوست تھے، انھوں نے اپنے بچے کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلوائی، اس لڑکے نے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد بھی مزید پانچ سات سال لگائے، پھر فراغت کے بعد اس کو ایک جگہ پر سرکاری ملازمت ملی اور اس میں بھی بہت اچھی تن خواہ تھی؛ لیکن اس نے جو فن پڑھا تھا اور جو سرٹیفکیٹ اور سندیں حاصل کی تھیں، اس کے اعتبار سے یہ ملازمت بہت نچلے درجہ کی تھی، جب وہ لڑکا ملازمت پر لگا تو اس کے والد کہنے لگے کہ: اگر تجھے یہی کام کرنا تھا تو پانچ سال مزید کیوں لگائے؟، گویا تخصص کے جو سال تو نے لگائے، اس میں تو نے میرے پیسے بھی برباد کیے اور اپنا وقت بھی برباد کیا، اگر اسی دن سے اس ملازمت پر لگ جاتا تو تیری

قدامت اور سینئر یٹی (Seniority) بھی ہو جاتی اور اِس لائن میں تومزید ترقی کر جاتا، اس طرح گویا تونے اپنی ترقی بھی گھٹائی۔

خیر! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو دنیا کا ہی کوئی دھندا کرنا تھا تو پہلے ہی دن سے وہاں لگ جاتے تو آج تک تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اور بہت زیادہ پیسے کما لیتے اور آپ جو کام کر رہے ہیں اس میں آپ کو مزید قدامت اور ترقی حاصل ہو جاتی اور جس مقصد کے لیے وہ کام کر رہے ہیں، وہ مقصد بھی علی وجہ الاتم حاصل ہو گیا ہوتا، یہاں مدرسہ میں کیوں آئے تھے؟ یہاں اتنے سال گنوانے اور پھر دو چار سال اِدھر اُدھر کرنے کے بعد اس میں لگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے بھائی! یہ راستہ تو صبر کا ہے۔

علماء کے لیے اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین بھی ضروری ہے

اور اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین بھی ہونا چاہیے، ﴿وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ اللہ تعالی کے وعدوں پر یقین بھی لازم اور ضروری ہے۔

علماء کا اپنی اولاد کو عصری علوم میں لگانا خلافِ یقین ہے

ایک عالم تھے، انھوں نے اپنے بچوں کو دینی علوم پڑھانے کے بجائے عصری علوم میں لگایا، کسی کو انجینئر بنایا، کسی کو ڈاکٹر بنایا، وہ ہمارے ایک استاذ کے ساتھی تھے، تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو اپنے علم پر یقین نہیں ہے، بھائی! ایک آدمی ڈاکٹر ہے اور ڈاکٹری کا پیشہ کرتا ہے، اگر وہ اپنے بچہ کو ڈاکٹر نہ بنائے؛ بلکہ انجینئر بنائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اپنے ڈاکٹری کے اس پیشہ پر اطمینان نہیں

ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو بھول کی تھی؛ مگر اپنے بچوں کو میں اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا، تو آپ نے دینی علم پڑھا؛ لیکن اپنے بچوں کو دینی علوم کے بجائے دنیوی علوم میں لگائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ یہ علم پڑھ کر ہم نے غلطی کی ہے، اور اپنی زندگی کو برباد کیا ہے، اب بھلے ہی میری زندگی تو برباد ہوئی اور میرے ماں باپ نے یہ بھول کی؛ لیکن میں اپنی اولاد کو برباد کرنا نہیں چاہتا، یہی تو مطلب ہوا اور کیا ہوا؟ تو آپ کا یہ طرز ﴿وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ کے تقاضے کے سراسر خلاف ہے، اس لیے اللہ تبارک وتعالی کے وعدوں پر یقین کی بڑی اہمیت ہے۔

علومِ دین سے محروم رکھنے کی حکومتی پیمانے پر سازش

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہماری یہ لائن صبر وتحمل کی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی بہت تکلیفیں پہنچائیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مقصد سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹے اور صرف تکلیفیں ہی نہیں؛ بلکہ لالچیں بھی دی گئیں، اب ہمارے یہاں بھی حکومتی پیمانے پر کچھ شکلیں ایسی آرہی ہیں جس میں لالچ بھی دیا جارہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے کفار کی طرف سے لالچیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا بڑا لالچ دیا تھا!۔ ابوطالب کی خدمت میں قریش کے چودھریوں کا جو وفد آیا تھا، انھوں نے تین شکلیں پیش کی تھیں کہ آپ کے بھتیجے نے ایک نیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں اور گھر گھر میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے، اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟

اگر ان کو مال چاہئے تو بولو! جتنا مال وہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، اگر ان کو کوئی حسین عورت چاہئے تو عرب کی کوئی حسینہ بتائیں ہم اس کے ساتھ ان کا نکاح کرادیں گے، اگر ان کو سرداری چاہئے تو ہم ان کو سردار ماننے کے لیے بھی تیار ہیں۔

دیکھو! وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سردار اور بڑا ماننے کے لیے تیار تھے؛ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم جو کرتے ہیں، وہ ہمیں کرنے دو، ہمارے مسائل میں دخل نہ دو، مگر اللہ تعالی کا حکم یہی تھا کہ اس معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے، وہ یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اپنی خواہشات اور مرضی پر چلنے دو، ہم آپ کی بڑائی تسلیم کرتے ہیں؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی کا حکم یہ تھا کہ ہمیں آپ کی بڑائی منظور نہیں، ہم تو اس معاشرہ کو اپنے احکامات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، اسی پر محنت کرنے سے اللہ تعالی آپ کو بھی عزت دے گا۔

تو میری بات سمجھ میں آئی یا نہیں کہ اِس راہ میں جہاں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، دھمکیاں دی جاتی ہیں، وہیں لالچیں بھی دی جاتی ہیں؛ لیکن ہمارا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ نہ اِس کی پرواہ کریں اور نہ اس سے للچائیں۔ ہمارے اندر تو ایک دھن ہونی چاہئے اور اسی دھن کو لے کر آگے بڑھیں۔

آج کل کے فضلاء کی کمزوری

آج کل ہمارے فضلاء کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم نے اپنے مقصدِ زندگی کو بھلا دیا ہے، ہم ان مدرسوں میں آنے کے بعد بھی یوں سمجھتے ہیں کہ ہم یہ پڑھتے

اس لیے ہیں؛ تاکہ ہمیں کوئی ملازمت مل جائے اور اِس لائن سے ہم دو روٹی کمانے لگیں، اللہ تعالی ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

علومِ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانے کی مذمت

اگر اسی لیے علم حاصل کیا ہے تو ''نور الایضاح'' اٹھا کر دیکھ لو، اس کے مقدمہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: وہ پہلوان جو اکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اس عالم سے جو اِس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے، آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اِس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسہ میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علوم حاصل کرتے۔

حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}micir) کو اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات ہزار ہوتی ہے اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (k}micir) کی تنخواہ ۲۰/ ہزار ہوتی ہے، اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ۲۵/ ہزار سے ۵۰/ ہزار تک ہوتی ہے، اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔

یہ خدمت ہے؛ نوکری نہیں

اور دیکھو! کسی بات کی تعبیر آدمی کے دلی جذبات کی ترجمان ہوتی ہے، آج اگر کسی

سے پوچھو کہ: آپ کیا کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ فلاں جگہ نوکری کرتا ہوں، یہ نہیں کہتے کہ فلاں جگہ پڑھاتا ہوں، بھائی! آپ نوکری نہیں کرتے؛ بلکہ آپ کو تو یوں کہنا چاہئے کہ میں فلاں جگہ دِین کی خدمت انجام دے رہا ہوں، یہ نوکری نہیں ہے؛ بلکہ خدمت ہے، اگر نوکری کرنی تھی تو آپ اِس کو چھوڑ کر دوسری جگہوں سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے اور جو کچھ آپ کو دیا جا رہا ہے، وہ آپ کی خدمت کا معاوضہ نہیں ہے۔

تعلیم دین پر اجرت کا حکم

ہمارے فقہ حنفی میں تو تعلیمِ دین پر اجرت جائز ہی نہیں ہے، مشائخِ متقدمین، ائمہ ثلاثہ احناف کا مسلک یہی ہے، لیکن متاخرینِ مشائخ احناف نے زمانہ کے حالات میں تبدیلی آنے کی وجہ سے تعلیمِ قرآن پر اجرت کی گنجائش دی ہے، ہمارے اکابر کو اللہ پاک جزائے خیر دے، (آمین) کہ انہوں نے ائمہ احناف کا جو اصل مسلک تھا اور مشائخِ متأخرین نے زمانہ کے تقاضے کی وجہ سے جو پہلو اختیار کیا ہے، ان دونوں کو جمع کرنے کی کتنی بہترین صورت بتلائی:

مشائخ متأخرین کی حکمت عملی سے تنخواہ کے بارے میں قول قدیم اور قول جدید کا سنگم

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

اگر آپ کے پاس اپنے گزر بسر کے لیے کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، آپ تنخواہ لے کر پڑھائیں؛ لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پڑھانے کا معاوضہ لے رہا ہوں؛ بلکہ

یہ سمجھئے کہ میں تو لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دے رہا ہوں؛ البتہ میں ان کی دینی ضرورت پوری کررہا ہوں تو وہ لوگ کچھ دے کر میری دنیوی ضرورت پوری کررہے ہیں اور دینے والے بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان کو پڑھانے کا معاوضہ دے رہے ہیں، اس لیے کہ جو دے رہے ہیں، دنیوی اعتبار سے اگر اس کا اندازہ لگایا جائے تو وہ اتنا نہیں ہے جو ان کو ملنا چاہئے، گویا دونوں کو کتنی بہترین تعلیم دی ہے، اسی لیے ہمارے اکابرین کا مشورہ ہمیشہ یہی رہا کہ کبھی بھی مال پیشِ نظر نہ رہے۔

بیرون ملک کی پیش کش پر کیا کریں؟

ایک اور بات یہ ہے کہ آپ جہاں کام کررہے ہیں اور آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کچھ کام لے رہے ہیں، تو اس جگہ کو نہ چھوڑیئے، اس لیے کہ ہوتا کیا ہے؟ کسی جگہ کوئی عالم اگر اچھا کام کررہا ہوتا ہے تو اس کو انگلینڈ اور افریقہ سے آفر (Offer) ملتی ہے، اس لیے کہ وہ لوگ تو اچھے آدمیوں کو ڈھونڈھتے ہیں اور جان کاروں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کے یہاں کام کا کوئی اچھا آدمی ہے؟ اگر کسی نے بتلادیا کہ ہاں بھائی! فلاں گاؤں میں فلاں مولانا صاحب بہت کام کررہے ہیں اور ہم نے سنا ہے کہ بڑی محنت ہورہی ہے اور وہاں ان سے بڑا فائدہ ہورہا ہے تو بس! ایک جگہ کچھ اچھا کام ہورہا تھا اس پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اب ان مولوی صاحب پر وہاں سے خط آئے گا کہ آپ ہمارے یہاں آجائیے، ایسے موقع پر ان مولوی صاحب کو چاہئے کہ ان کو جب پیشکش کی گئی تو اس سلسلے میں کوئی جواب دینے سے پہلے اپنے بڑے جن کے ہاتھ

میں اپنی لگام دے رکھی ہے، ان سے مشورہ کر لیتے، یہ بہت ضروری چیز ہے۔

دینی خدمات شروع کرنے سے پہلے ہمارے اکابر کا اتفاقی طرز

ہمارے تمام اکابرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فراغت کے بعد کسی دینی خدمت میں لگنے سے پہلے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرو اور اپنی اصلاح کے بعد پھر اِس کام میں لگو اور بعد میں ہر ہر معاملے میں ان سے مشورہ کرتے رہو، اس لیے ان کو چاہئے کہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ بات پیش کریں کہ ایسی صورت حال ہے۔

بیرون ملک سے خدمت کی پیش کش پر ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے

اور میں تو کہتا ہوں کہ خود بھی ان کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ لوگ زیادہ اصرار کرتے ہیں تو ان سے ہی کہو کہ آپ مجھے بلانا چاہتے ہیں تو آپ ہی وہاں جاؤ اور ان سے کہو، میں تو نہیں آتا، اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو میں تیار ہوں، یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو وہ ہمیں حکم دیں کہ فلاں جگہ جاؤ اور ایک ہم بہ اصرار پوچھیں۔ کبھی وہ ہماری کمزوری کو دیکھ کر اجازت دے دیتے ہیں کہ اگر اِس کو نا کہوں گا تو یہاں سے بھی چھوڑ دے گا اور کسی ہوٹل پر جا کر بیٹھ جائے گا یا دوسرا کوئی دھندا اختیار کر لے گا، اس لیے وہ ہماری کمزوری کے پیشِ نظر گنجائش پر عمل کرتے ہوئے اجازت دے دیتے ہیں کہ چلو! یہاں نہیں تو وہاں دین کے کام پر تو لگا رہے گا!۔

وطن چھوڑ کر بیرون ملک جانے والے علماء کا حال

جتنے بھی اچھا کام کرنے والے دنیا کی نسبت پر بیرون ممالک میں گئے ہیں، ان

میں بڑے بڑے باصلاحیت لوگ تھے، عمدہ استعدادیں تھیں، حدیث پڑھانے والے تھے اور اپنے اپنے فن کے بڑے اچھے ماہرین تھے، انگلینڈ یا ساؤتھ یا جہاں جہاں بھی محض اس وجہ سے گئے کہ یہاں تنخواہ کم ہے اور وہاں زیادہ تنخواہ ملے گی، آپ جا کر دیکھ لو، میں آپ کو چیلنج سے کہتا ہوں کہ وہاں جا کر کسی ایک سے بھی کوئی بڑا کام نہیں ہو سکا، حالاں کہ یہاں ان سے بہت اچھا کام ہو رہا تھا، جب اس کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہاں کسی ایک سے بھی کوئی بڑی خدمت نہیں ہو سکی۔ ہاں! جو حضرات اپنے بڑوں کے حکم سے گئے ہیں اور جن کو ان کے بڑوں نے بھیجا ہے، حالاں کہ وہ کہتے رہے کہ: نہیں حضرت! میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں، مجھ سے یہاں فائدہ ہو رہا ہے لیکن بڑوں نے کہا: نہیں! میں حکم دیتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ تو ان سے پھر اللہ تعالی نے وہاں بھی بڑا کام لیا۔

مشورہ طلب کرنے میں ہمارا نازیبا رویہ

اور میں ہمارے احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ مشورہ لینے کا انداز بھی صحیح ہونا چاہیے، ہم مولوی لوگ ہیں نا! اس لیے ظاہر ہے کہ سوالِ مقدر کے جوابات بھی پہلے سے تیار کر لیا کرتے ہیں، اب خود کو جانا ہے تو بات اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت بھی سن کر یوں کہہ دیں کہ: ''ہاں! ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے، وہاں جانا چاہیے'' وہ جانتا ہے کہ میں یوں یوں کہوں گا تو حضرت یہی مشورہ دیں گے۔

مشورے میں خیانت بے برکتی کا باعث ہے

تو کان کھول کر سن لو! یہ مشورہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو دھوکہ دینا ہے، خیانت ہے، ہمارا

قلب ہمارے ساتھ خیانت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہم اپنے شیخ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اس خیانت کے نتیجے میں جو مشورہ ملا ہوگا، اس میں کوئی برکت نہیں ہوگی، یاد رکھنا کہ یہ شیخ کا مشورہ نہیں ہے۔

اکابر سے مشورے میں بھی بدنیتی

اور یہ مشورہ بھی ہم اس لیے لیتے ہیں؛ تاکہ دنیا کو بتا سکیں کہ میں نے تو شیخ کے ساتھ مشورہ کیا تھا، یہ مشورہ تو دنیا کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے ہے؛ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہاں اتنا اچھا کام ہو رہا تھا، اس کو چھوڑ کر انگلینڈ اور افریقہ چلا گیا، اگر کوئی ایسا کہے تو اس کو بڑی زور سے یہ کہہ سکے کہ: ارے! میں نے تو حضرت سے مشورہ کیا تھا، حضرت نے مجھے اجازت دی، درحقیقت یہ مشورہ لوگوں کا منھ بند کرنے کے لیے ہے، اور کچھ نہیں۔

رزق کی کشادگی اور تنگی محض دستِ الٰہی میں ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مال مقصود نہ ہو؛ بلکہ کام مقصود ہو اور ہمارا اور آپ سب کا ایمان ویقین ہے کہ روزی تو اتنی ہی ملے گی جتنی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرر ہے، ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مقرر ہے، اس سے ایک دانہ بڑھ نہیں سکتا اور ایک دانہ گھٹ نہیں سکتا، ساری دنیا مل کر ایک دانہ کا اضافہ نہیں کر سکتی اور ساری دنیا مل کر ایک دانہ کی کمی نہیں کر سکتی، جب ہمارا ایمان ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ہم اس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ: کسی کے سامنے اپنی مادی ضرورت کا اظہار بھی نہ کرو! اگر آپ اظہار کررہے ہیں تو گویا اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل کر رہے ہیں اور صرف اپنے آپ کو ہی نہیں؛ بلکہ علماء کے پورے گروہ کو اس کی نگاہوں سے گرارہے ہیں، اور اگر آپ کے کہنے سے اس نے دو پیسے دے بھی دئے تب بھی اس کے دل میں آپ کی وقعت کم ہوجائے گی:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی		جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مال داروں کے ساتھ ان کے مال کی وجہ سے خصوصی سلوک سے پرہیز کیجیے

ہم جہاں کام کرتے ہیں، وہاں اگر کوئی بڑے سے بڑا مال دار ہو تو اس کے ساتھ بھی آپ کو اسی طرح محبت سے پیش آنا ہے جیسے ایک غریب کے ساتھ پیش آنا ہے، دینی خیر خواہی کی نسبت پر دونوں سے یکساں معاملہ ہونا چاہئے، اگر اس کے پاس دو پیسے ہیں تو مال کی نسبت پر اس کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر واقعۃً وہ اپنے پیسوں کو دین کی خدمت میں استعمال کرتا ہے، اور دین کے کاموں میں آگے آگے رہتا ہے تو اس کے دین کے کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے اگر آپ اس کے ساتھ کوئی خاص سلوک کریں، تو بات دوسری ہے، لیکن صرف پیسوں کی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہئے، اب ہمارا معاملہ کس کے ساتھ کس نسبت پر ہے، یہ تو اللہ

تعالیٰ جانتا ہے، دل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

مدرسین تنخواہ میں اضافے کی درخواست نہ کریں اور منتظمین درخواست کا انتظار نہ کریں

اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو مدرسہ میں یہ درخواست دینے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ہماری تن خواہ بڑھاؤ، ویسے جو منتظمین ہیں، ان کو خود ہی چاہئے کہ مدرسین کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اضافہ کریں، جو منتظمین اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مدرسین درخواست دیں اور ہم اضافہ کریں، وہ بھی درحقیقت اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہیں کرتے، یہ ان کی کوتاہی ہے، فتاوی رحیمیہ میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تفصیل سے یہ مسئلہ لکھا ہے؛ لیکن اگر منتظمین اضافہ نہیں کرتے تو ہمیں کوئی درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ درخواست دینے کے بعد کمیٹی والے اگر آپ کی تنخواہ میں اضافہ کریں گے نا! تب بھی گویا وہ احسان جتلاتے ہیں جیسے کہ اپنی جیب میں سے دے رہے ہوں، ارے بھائی! اس نے اپنی جیب میں سے نہیں دیا ہے، وہ تو دوسرے بندوں کی دی ہوئی رقم ہے؛ لیکن پھر بھی وہ آپ پر احسان جتلائیں گے، اور اس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ آپ کی قدر و قیمت ان کے دل سے گھٹ جائے گی، اب غور کیجئے کہ اگر سو، دوسو، پانچ سو، یا ہزار روپئے بڑھا بھی دیئے؛ تو کیا فائدہ ہوا؟۔

تنخواہ کی درخواست کے سلسلے میں حضرت کا ذاتی رویہ

جب میں پڑھانے کے لیے ۱۹۶۹ء میں ڈابھیل آیا اور میرا تقرر ہوا تو میں آپ کو بتاؤں کہ میری تن خواہ ۱۲۸/ روپئے طے ہوئی تھی؛ لیکن ابھی وہ ۱۲۸/ روپئے تن خواہ وصول کروں، اس سے پہلے ہی تن خواہ بڑھ کر ۲۱۰/ یا ۲۱۵/ روپئے ہوگئی تھی، اِس لیے میں تو کہتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرو اور اپنے اِس مزاج کو ختم کرو، الحمد للہ! آج تک کبھی کوئی درخواست نہیں دی اور نہ ایسی کسی درخواست پر کبھی دستخط کیے۔

اور پھر دوسرے مدرسین کی درخواست پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے آپ جانتے ہیں کہ مولویوں کا حال کیا ہوتا ہے؟ جو اس کا ساتھ نہ دے، اس کا حلیہ خراب کر دیتے ہیں، چنانچہ ہمارے بھی پیچھے پڑ جاتے تھے؛ یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ اچھا! جب آپ نے دستخط نہیں کیے، تو پھر جب تنخواہ بڑھے تو اضافہ لینا مت، اس پر ہم نے ان سے کہا کہ ہم نے کہاں درخواست دی ہے؟ اگر وہ بڑھا کر دیں گے، تو لیں گے، تو کہتے کہ ہم نے درخواست دی ہے، اس لیے بڑھے گی، تو ہم کہہ دیتے تھے کہ آپ ان سے کہہ دو کہ ہماری تنخواہ نہ بڑھاویں۔

خیر! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی درخواست پر اگر منتظمین تنخواہ بڑھا رہے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے آپ پر احسان کیا، پھر اس کا جو بڑا نقصان ہوا، وہ یہ ہوا کہ آج تک آپ کی جو قدر و قیمت ان کے دل میں تھی، وہ گھٹ گئی، حالاں کہ وہ اپنی

جیب میں سے نہیں دیتے، لیکن انسان کا حال ایسا ہی ہے۔

اشراف اور اس کا حکم

اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ شریعت نے سوال کو تو حرام قرار دیا ہے اور اشراف یعنی دل سے یہ سوچنا کہ فلاں مجھے کچھ دے گا، شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اشراف کے بعد اگر کچھ ملے تو لینا نہیں چاہئے کہ اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

ہمارے اکابر اور فاقہ

ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا، یہاں تک کہ فاقے پر فاقے ہوتے، پھر بھی وہ کچھ لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت میں کسی عالم کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں تین چار وقت کا فاقہ تھا، جب سبق پڑھا رہے تھے تو فاقوں کی وجہ سے ان کی آواز متأثر تھی۔

ان کے شاگردوں میں ایک نیک نواب زادہ تھا، اس نے آواز سے محسوس کر لیا کہ فاقہ ہو رہا ہے، چنانچہ وہ اجازت لے کر گیا اور خوانچہ تیار کر کے لے کر آیا اور استاذ صاحب کی خدمت میں پیش کیا، لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ: جب تم نے مجھ سے اجازت لی تھی، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ تم اسی لیے جا رہے ہو؛ تاکہ میرے لیے گھر سے کچھ کھانا لے کر آؤ گے اور یہ میرا اشراف تھا، اس لیے میرے لیے یہ کھانا لینا جائز نہیں ہے، حالاں کہ تین چار وقت کا فاقہ تھا۔

اس وقت کے لوگ بھی ایسے تھے کہ نام کرنا نہیں چاہتے تھے، صرف خدمت ہی مقصود ہوتی تھی، جب استاذ صاحب نے لینے سے منع کر دیا تو فوراً وہ خوانچہ اٹھا کر واپس ہو گیا اور نگاہوں سے غائب ہونے کے بعد پھر دوبارہ لے کر آیا اور کہا کہ حضرت! اب لے لیجئے، اس لیے کہ جب میں خوانچہ اٹھا کر چلا گیا تو آپ کو یہ امید و توقع نہیں رہی تھی کہ میں دوبارہ لے کر آوں گا؟ لہٰذا اب تو لے لیجئے! چنانچہ اب وہ منع نہیں کر سکتے تھے، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے سلسلے کے ان بزرگوں کا شیوہ یہی رہا ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور فاقہ مستی

''ارواحِ ثلاثہ'' میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے گھر میں کام کرنے والی ایک خدمت گار عورت تھی، ایک مرتبہ وہ حضرت کے گھر کے ایک بچے کو لے کر گھر سے باہر بہلانے اور کھلانے کے لیے آئی، وہ بچہ بہت رو رہا تھا، کسی جاننے والے نے- جو کہ صاحبِ حیثیت تھے- پوچھا، تو اس نے بتا دیا کہ گھر میں فاقہ چل رہا ہے، اس کا اثر ہے، بچہ کو کھانے کو کچھ نہیں ملا؛ اس لیے رو رہا ہے، جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا تو اس خادمہ کو بلا کر ڈانٹا کہ: اللہ کی بندی! ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ تھا، تو نے ہمارا راز کیوں فاش کر دیا؟ چنانچہ پھر اس کو خدمت سے ہٹا دیا، یہ ان میں علمی غیرت تھی۔

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل

آج اسی علمی غیرت کی ضرورت ہے، اگر ایسی غیرت ہم اپنے اندر پیدا کر لیں گے

تواللہ تعالی اسی نوع کا کام بھی ہم سے لیں گے، دینی اور علمی خدمات کوانجام دینے کے لیے صرف کتابوں کا پڑھ لینا اوراستعداد بنالینااورامتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کرلینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ اِس علم کے ساتھ ساتھ وہ خوبیاں اور صفات جو ہمارے اکابر میں تھیں، ان صفات کوبھی اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ وفا دیکھ

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اِن مادی ضروریات کے ذریعہ سے ہرگز اپنے مقام کو نہ گراویں؛ بلکہ اپنے کام پر لگے رہیں اوراللہ تعالی سے مانگتے رہیں، دینے والی ذات اللہ تعالی ہی کی ہے، وہی ساری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے،آپ کہیں بھی چلے جاؤ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔

وہاں کے خدا کو ہمارا سلام کہہ دینا

غالب کے حالات میں لکھا ہے کہ دلی جب اجڑی، اس زمانہ میں رامپور کے نواب صاحب کلبِ علی خان تھے، وہ اہلِ فن کے بڑے قدردان تھے، دلی کے کوئی شاعر وہاں پہنچے تھے، انھوں نے دلی میں اپنے ایک دوست سے کہا کہ نواب صاحب بڑے قدردان ہیں، آپ بھی یہاں آجایئے، آپ کا وظیفہ مقرر ہوجائے گا، اِنھوں نے بھی ارادہ کرلیا اوراپنے ایک ساتھی سے ملاقات کے لیے گئے کہ میں تو یہاں سے نقلِ مکانی کرکے رامپور جارہا ہوں، انھوں نے پوچھا کہ کیوں جارہے ہو؟ جواب دیا کہ: یہاں ذرا تنگی ہے اس لیے جارہا ہوں تو انھوں نے کہا کہ: اچھا! وہاں کے خدا کو ہمارا سلام کہہ

دینا، اس پر انھوں نے پوچھا کہ: کیا وہاں کا خدا کوئی دوسرا ہے؟ کہا کہ: نہیں! وہی خدا یہاں بھی ہے اور جو خدا وہاں روزی دے گا، وہی یہاں بھی دے گا، یہاں جو خدمت کا سلسلہ جاری ہے اس کو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟۔

قرآن کی تعلیم لفظاً ومعنیً عام کی جائے

خیر! مجھے جو چیزیں کہنی تھیں، ان میں پہلی بات شروع کی تھی کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا جو کام تھا، اس میں تین چیزیں ہیں: ایک تو تلاوتِ آیات ہے، اس لیے آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اس کی طرف خاص توجہ فرمائیں، اس لیے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تعلیم کا سلسلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ایک رجال ساز شخصیت

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب مالٹا سے رہا ہو کر واپس آئے تو دارالعلوم دیوبند میں مجلس ہوئی، ہمارے سارے ہی اکابر حضرت کے شاگرد تھے، وہ سب وہاں موجود تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے لوگ عطا فرمائے تھے کہ ہر ایک اپنی اپنی لائن کے ماہرین تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب حضرات ایسے تھے کہ ہر ایک نے اپنی لائن میں وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سالہا سال تک کسی نے ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا، وہ تمام

ہی وہاں موجود تھے۔

مالٹا کی جیل کے دو سبق

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: بھائی! جیل کی تنہائیوں میں بہت سوچنے اور غور کرنے کے بعد امت کی پستی کے دو اسباب ذہن میں آئے اور یہی دو سبق ہم نے سیکھے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی تعلیم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپس کے اختلافات ونزاعات کو ختم کیا جائے

۔لفظاً عام کرنے کے لیے مکاتب کا سلسلہ قائم ہو، جس میں حفظ کا اور تجوید کا سلسلہ جاری ہو اور معنیً کی ایک شکل تو وہ ہے جو مدرسوں میں ہے کہ تفسیر کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

قرآن کی تعلیمات کو معنیً عام کرنے کی ایک شکل

اور آپ فضلائے کرام سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ معنیً کی دوسری شکل یہ ہے کہ آپ حضرات جہاں جہاں بھی کام کر رہے ہیں، وہاں ہفتہ میں ایک دن درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کریں، سات دن مطالعہ کریں اور ایک دن کچھ کہیں اور اس میں اپنی استعداد اور علمیت بگھارنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کے لیے جو چیزیں مفید ہیں وہ پیش کریں، قرآنِ پاک کی جو تعلیمات ہیں اور قرآنِ کریم کا تذکیر والا جو پہلو ہے، اس کو اجاگر کریں، اس میں اتنی برکت ہے کہ جب آپ یہ سلسلہ شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے لوگوں کو آپ کے ساتھ جوڑیں گے۔

مادی فائدہ ہرگز حاصل نہ کریں

لیکن ایک اہم بات یہ بھی خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ جب اللہ تعالی لوگوں کو آپ سے جوڑیں تو کبھی ان سے اپنا مادی فائدہ حاصل نہ کریں، یہ بہت اہم چیز ہے، اس کو یاد رکھنا، آپ کی علمی خدمات کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے؛ لیکن کبھی بھولے سے بھی، اشارہ وکنایہ میں بھی ان سے ایسا کوئی معاملہ جس سے مادی فائدہ حاصل ہوتا ہو، ہرگز نہ ہونا چاہئے، قرآن پاک میں کئی جگہ ہے: ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ﴾ [سبا: ٤٧] ہر نبی کا یہی نعرہ رہا ہے، جب ہمیں نبوت کی جانشینی ملی ہے تو اس کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے۔

ہمارے اندر لوگوں کی خیرخواہی کا جذبہ بھی ہو

دوسرا تقاضہ یہ ہے: ﴿وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ [الأعراف: ٦٨] اور لوگوں کے ساتھ نصح وخیرخواہی ہونی چاہئے، آپ نے حدیثِ پاک میں پڑھا ہے کہ ایمان کا تقاضہ ہے: اَلنَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ہر ایک کے ساتھ خیرخواہی ہونی چاہئے (۱)۔

اپنی ذمہ داریوں میں امانت داری سے کام لیجیے

اور اَمِيْنٌ یعنی اپنی ذمہ داریوں کو پوری تن دہی اور امانت داری کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہے، آپ اپنے آپ کو صرف دو ڈھائی گھنٹے کا ملازم نہ سمجھیں؛ بلکہ

---

(۱) مسلم شریف میں ہے: عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُولِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (صحیح مسلم، بَابُ بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ)

آپ تو چوبیس گھنٹے کے لیے ذمہ دار ہیں، اور آپ صرف ان بچوں کی تعلیم کے نگران نہیں ہیں؛ بلکہ اس پوری بستی کی دینی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے، آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ اس بستی میں نکاح ہو رہے ہیں تو کیسے ہو رہے ہیں؟ اگر وہاں ہونے والے نکاحوں میں ایک بات بھی شریعت کے خلاف اور سنت سے ہٹ کر ہو رہی ہو تو اس کو برداشت کر لینا آپ کی امانت داری کے تقاضہ کے خلاف ہے، اس لیے آپ کو چاہیے کہ ان کو بتائیں اور بتانے کے لیے عمدہ طریقہ اختیار کریں، کوئی پتھر اور ڈنڈا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وعظ وخطابت کے سلسلے میں ہماری ایک کمزوری

ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ یا تو ہمارے علما بولتے ہی نہیں ہیں اور اگر بولتے ہیں تو پھر ایسا بے تکا انداز اختیار کرتے ہیں کہ لوگ متنفر ہو جاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تھا تو فرمایا تھا: بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا [1]، ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کرنا جس سے لوگ وحشت کریں اور دور بھاگیں۔

اپنے اوقات کی حفاظت کیجیے

ایک اور بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو مجلس بازیوں سے بچانا ہے، دیہاتوں میں

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالِاخْتِلَافِ فِي الحَرْبِ وَعُقُوبَةِ مَنْ عَصَى إِمَامَهُ.

کام کرنے والے ہمارے علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ اور ہدایت دے، وہ اپنے اوقات کو بڑی بے دردی سے ضائع اور برباد کرتے ہیں، مدرسہ کے اوقات کے بعد کوئی کسی کی دکان پر بیٹھا ہوا ہے، کوئی کسی کے گھر میں جا کر بیٹھا ہوا ہے، ان کا تین یا پانچ گھنٹوں کے علاوہ باقی سب وقت فارغ ہوتا ہے، پھر بھی ان سے پوچھو کہ قرآنِ پاک کتنا پڑھتے ہو؟ تو آدھا پارہ بھی نہیں ہوتا، بہت سے احباب مجھ سے بیعت ہیں اور میرے پاس حالات بیان کرتے ہیں کہ تسبیح کا ناغہ ہو جاتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے؟ ہفتہ کے سات دن ہیں، کتنے دن پڑھتے ہو اور کتنے دن چھوڑتے ہو؟ تو اس میں بھی اندر کا چور بولنے نہیں دیتا کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے، چپ ہو جاتے ہیں، پھر بڑی مشکل سے بتاتے ہیں کہ ایک آدھ دن پڑھتا ہوں، چھے دن چھوڑ دیتا ہوں، میں نے کہا کہ اس کو آپ ناغہ سے تعبیر کرتے۔

بھائی! ایسا نہیں ہونا چاہئے، آپ کو کسی کی دکان پر یا کسی کے گھر پر جا کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ آپ کے چوبیس گھنٹوں کا ایسا نظام ہونا چاہئے کہ اس میں اپنا مطالعہ اور اپنے معمولات وغیرہ میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کا ایک پورا نظام بناؤ، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنا وقت دیا ہے کہ روزانہ ایک قرآن شریف پورا کر سکتے ہو اور یہاں ایک پارہ بھی پورا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی؟ اس لیے اپنے اوقات کی قدر و قیمت سمجھو اور اس طرح ضائع مت کرو، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو موقعہ دیا ہے اس کو غنیمت سمجھو۔

اپنی ذات کوسنتوں کاعملی نمونہ بنائیے

ہمیں اپناعملی پہلوبھی مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، جیسے سنتوں کی اتباع کا اہتمام ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت ہواورآپ کوتو مسجد میں اذان ہوتے ہی پہنچنے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ امام صاحب ہیں اور عین نماز کے وقت پر پہنچ رہے ہیں، ظہر کی نماز میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جماعت کی تیاری ہوتی ہے تو عین وقت پر آکر سیدھے مصلے پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دومرتبہ تو نمازی لوگ درگزرکرتے ہیں، پھر جب وہ لوگ درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! آپ کی تو سنتِ مؤکدہ چھوٹ جاتی ہے، تو پھر ان کی بات ہمیں اچھی نہیں لگتی، اس لیے آپ کوتو اذان سے پہلے مسجد میں آنا چاہئے تھا، آپ کی ذات تو لوگوں کے لیے نمونہ ہے، آپ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں، آپ کا وجود تو ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر یوں کہیں کہ دیکھو! سنت یہ ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے ''اقرب الی السنہ'' کا فیصلہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! فلاں کام میں دونوں پہلو ثابت ہیں؛ لیکن ان دونوں میں ''اقرب الی السنہ'' کون سا پہلو ہے؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ: حضرت گنگوہی کا عمل دیکھو، وہ جو عمل کرتے ہیں، وہی ''اقرب الی السنہ'' ہے۔ گویا ان لوگوں کو دیکھ کر یہ فیصلے ہوتے تھے کہ کون سا عمل سنت ہے اور اقرب الی السنہ کیا ہے؟ کیا آج ہمارے افعال سے کوئی ایسا فیصلہ کیا

جا سکتا ہے؟ اس لیے ہمیں اپنا پورا ایک مرتب نظام بنانے کی ضرورت ہے۔

اپنا علاج کرنے اور مزاج بدلنے کی ضرورت

بچوں کی تربیت کے معاملے میں بھی اپنے اوقات کی ترتیب بنائیں، بہت سے اساتذہ جب پڑھانے کے لیے مدرسہ ومکتب جاتے ہیں تو کلاس (درس گاہ) کے اندر بعد میں جائیں گے، پہلے کچھ وقت باہر کھڑے رہیں گے، دراصل پڑھنے کے زمانہ میں ہمیں جو عادتیں پڑی ہوتی ہیں، وہی باقی رہتی ہیں۔ پڑھنے کے زمانہ میں مدرسہ میں کیا ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد کلاس میں جانے سے پہلے دس منٹ مسجد کے دروازہ پر کھڑے رہتے ہیں، پھر دس منٹ باہر سیڑھیوں پر، پھر درس گاہ کے دروازے پر دس منٹ گذار کر اندر جاتے ہیں، اس کے بعد کتاب کھولنے سے پہلے پانچ، سات منٹ تذکرے ہوتے ہیں اور پھر کہیں تکرار شروع ہوتی ہے، اور تکرار کرانے والے نے ابھی تو پاؤ صفحہ بھی پورا نہیں کیا ہوتا کہ کوئی ساتھی اس میں کوئی شوشہ چھوڑ دیتا ہے اور اسی میں عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، میں یہ سب غلط تو نہیں کہتا ہوں؟ یہی سب ہمارے یہاں ہو رہا ہے، اس لیے آپ جس دور سے گذرے ہیں وہی مزاج لے کر یہاں سے گئے ہیں، لہٰذا ایسا نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ اب ہمیں اپنے مزاج کو درست کرنے کے لیے اپنے آپ پر سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت عمرؓ اور نفس کا علاج

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی سیرت پڑھئے، ایک مرتبہ وہ اپنے کندھے کے

اوپر پانی سے بھرا ہوا چمڑے کا بڑا مشکیزہ لے کر آرہے تھے، اس وقت وہ امیر المومنین تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ: ایک وفد ملنے کے لیے آیا تھا تو میرے دل میں تھوڑا سا خیال آگیا کہ اوہو! تمہارے پاس تو فورین (Foreign) کے وفد ملنے کے لیے آتے ہیں، اس لیے میں اپنا علاج کر رہا ہوں۔

ہمیں بھی ان چیزوں کو سوچ سوچ کر اپنا علاج کرنے کی ضرورت ہے، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمیں ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اتباع سنت ہو، رجوع الی اللہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے

اور ایک بات یہ ہے کہ ہماری ہر چیز میں سادگی ہو؛ کیوں کہ ہماری تن خواہ اور ہمارا مشاہرہ عیش وعشرت کا متحمل نہیں ہوتا ہے، ارے بھائی! ہماری بنیادی ضرورتیں ہی پوری ہو جائیں تو غنیمت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سادگی بتلائی ہے، ہم مطالعہ کریں اور سوچیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس کیسا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کیسی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا کیسا تھا؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دن مسلسل جَو کی روٹی نہیں کھائی، تین تین چاند ایسے گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھروں میں چولہا نہیں سلگتا تھا، آج اگر ہمارے یہاں ایک وقت کا کھانا نہ پکے تو رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے کہ

فاقہ ہوگیا اور وہاں فاقوں پر فاقے چلتے تھے؛ مگر کبھی کسی سے شکایت نہیں ہوتی تھی①۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر

آپ حضرات نے شمائل میں پڑھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: معمولی سا بستر تھا، کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا عبا ہی بچھا لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا تو اس نے ایک عمدہ سا گدا بنا کر بھیجا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے وہ بچھایا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھیجا ہے، آپ نے فرمایا کہ: اس کو اٹھاؤ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرا جی واپس کرنے کو نہیں چاہتا تھا؛ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبردستی فرمایا کہ: اس کو واپس بھیج دو②۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے متعلق پوچھا، تو انھوں نے کہا کہ: ایک ٹاٹ تھا جس کو میں دوہرا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بچھا دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو چوہرا (یعنی ڈبل کا ڈبل) کر دوں تو ذرا نرمی ہو جائے گی اور آرام ملے گا، میں نے اِس طرح بچھایا تو صبح اٹھ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يَمُرُّ بِنَا هِلَالٌ وَهِلَالٌ وَهِلَالٌ مَا يُوقَدُ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ نَارٍ. فَقُلْتُ: يَا خَالَةُ، عَلَى أَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعِيشُونَ؟ قَالَتْ: عَلَى الْأَسْوَدَيْنِ، التَّمْرِ وَالْمَاءِ (شعب الإيمان، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ، رقم الحديث: ۹۹۳۹)

② (شعب الإيمان، فَصْلٌ فِي زُهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَصَبْرِهِ عَلَى شَدَائِدِ الدُّنْيَا، ر: ۱۳۹۵)

نے فرمایا: آج رات تم نے کیا بچھایا تھا؟ میں نے بتلایا کہ وہی بستر تھا جو روزانہ ہوتا ہے، صرف اتنا کیا کہ روزانہ ڈبل ہوتا ہے، آج ڈبل کا ڈبل کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا①۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماویں کہ اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا، تو پھر ہما شما کا کیا حال ہوگا؟۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ کی اس طرزِ زندگی کو اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، کھانے، پینے میں، لباس میں اور ہر چیز میں اسی سادگی کا اہتمام ہونا چاہئے۔

آمدنی بڑھانا ہمارے اختیار میں نہیں

اپنی ضرورتوں کو اپنی آمدنی کے مطابق رکھیں، آج کل ہوتا کیا ہے کہ پڑھنے کے زمانے میں اپنی ضرورتیں بڑھالی جاتی ہیں اور جب تن خواہ کافی نہیں ہوتی تو لوگوں سے قرض لیتے ہیں اور اس طرح اپنی مادی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ہمارے اکابر میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اجلِ خلفا میں سے گذرے ہیں، مظاہر العلوم کے ناظم تھے، ان کا مقولہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی دیکھو! آمدنی بڑھانا تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے؛ لیکن ضرورتیں گھٹانا ہمارے اختیار میں ہے، جب ہم اپنی آمدنی بڑھا نہیں سکتے ہیں تو اپنی ضرورتوں کو کم کر دیں؛ تا کہ کسی سے مانگنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

① الشمائل المحمدیة للترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت الاستاذ کی چائے بند

ہمارے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے متعلق مجھے یاد ہے کہ جب وہ راندیر میں پڑھاتے تھے، تو کبھی ایسا ہوتا کہ مہینہ پورا ہونے کو آیا اور تن خواہ پوری ہوگئی تو حضرت کسی سے قرض نہیں لیتے تھے؛ بلکہ اپنی چائے بند کر دیتے تھے، فرماتے تھے کہ کوئی بات نہیں، مہینہ کے آخری پانچ دن چائے نہیں پئیں گے؛ مگر قرض کی بات نہیں کہ قرض لے کر چائے پئیں، ہمیں بھی ایسا مزاج بنانا چاہیے، اس لیے ہمیں اپنی ضرورتیں محدود کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ اس کی نوبت ہی نہ آئے، تب ہی آپ پوری غیرت اور عزت کے ساتھ دینی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تواضع

اور ایک چیز ہے تواضع، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تواضع کا حال کیا تھا؟ جنازوں میں شریک ہوتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لیے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری بھی نہایت سادہ ہوتی تھی، آپ کی ہر ہر چیز میں تواضع کا پہلو نمایاں ملے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز بنانا پسند ہی نہیں فرماتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں یہ بات ہو رہی تھی کہ کھانا تیار کرنا ہے، تو ایک صحابی نے کہا کہ میں جانور ذبح کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں چمڑا اتاروں گا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیاں جمع کروں گا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم جمع کرلیں گے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے بھی معلوم ہے کہ تم شوق سے جمع کرلوگے؛ لیکن میں اپنے آپ کو تمہارے درمیان ممتاز بنا کر رکھنا نہیں چاہتا۔

اور ہمارا حال کیا ہے کہ کوئی ممتاز نہ بھی بناوے تب بھی زبردستی لوگوں کے سروں پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، ارے بھائی! ہم نے یہ سب کاہے کے لیے پڑھا تھا؟ اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ ان ساری چیزوں کا خیال کیا جائے۔

کام میں جان پیدا کرنے کا طریقہ

اور ایک بات یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات دیکھو کہ نمازوں کا اور خاص طور پر رات کی نمازیں اور تہجد کا کیسا اہتمام تھا؟ آپ حضراتِ فضلائے کرام سے میں ضرور یہ کہوں گا کہ ہر ایک اپنے لیے تہجد کو فرض سمجھ لیں، جب تک راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری نہیں کریں گے، وہاں تک آپ کے کاموں میں جان پیدا ہونے والی نہیں ہے، اس لیے اللہ کا ذکر، تلاوت، دعا، تسبیحات وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہئے، آپ کے تین، چار، پانچ گھنٹے اِن کاموں میں گزرنے چاہئیں، تب جا کر آپ کے دوسرے کاموں میں جان پڑے گی۔

اپنے احباب کے احوال سے باخبر رہیں

اور ایک بات یہ ہے کہ شمائل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کی خبر رکھتے تھے، آج ہم لوگوں کے حالات سے باخبر تو ہیں؛ لیکن کن چیزوں کی خبر رکھنی چاہئے، وہ نہیں جانتے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا

ہے: يَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهٗ، وَيَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ: اپنے صحابہ کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اس لیے آپ بھی اپنے شاگردوں کے حالات سے باخبر رہئے اوران کی اصلاح کی طرف متوجہ رہئے اور پھر لوگوں میں جو حالات چل رہے ہوں اس سے بھی مطلع رہئے۔

وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيهِ[1]: کوئی اچھی بات لوگوں میں ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہو کہ بھائی! ہم نے سنا کہ آپ لوگوں نے فلاں نیک کام شروع کیا ہے، بیماروں کی دوائی وغیرہ کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہے، بہت اچھی بات ہے، یہ کام ضرور کرو، اس میں اور ترقی کرو، اور اگر کوئی برائی ہو رہی ہو، تو فوراً اس کا تذکرہ کر کے اس کو روکنے اور دور کرنے کی کوشش کرو۔

جمعہ میں بیان مختصر ہو

آج کل تو جمعہ میں جو بیانات ہوتے ہیں اس میں بھی لن ترانیاں چل رہی ہے، اور ایران توران کے قصے سنائے جاتے ہیں، اور ایک گھنٹہ، سوا گھنٹہ کی تقریریں ہوتی ہیں اور جمعہ کا جو وقت مقرر ہوتا ہے، اس سے بھی گھنٹہ بھر اوپر ہو جاتا ہے۔

بھروچ کی کسی سوسائٹی کا قصہ ہے جو کئی سال پہلے ایک صاحب نے سنایا تھا کہ ایک مولوی صاحب جمعہ سے پہلے اتنی لمبی تقریر کرتے تھے کہ جمعہ اور خطبہ کا وقت تو ڈیڑھ بجے کا تھا؛ لیکن ان کی تقریر اتنی لمبی چلتی تھی کہ دو، سوا دو بج جاتے تھے، پھر خطبہ

---

(۱) الشمائل المحمدية للترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شروع ہوتا تھا، اس کی وجہ سے بہت سے لوگ بھی دیر سے آتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ مولوی صاحب نہیں تھے تو کسی دوسرے مولوی صاحب نماز پڑھانے کے لیے آئے اور انھوں نے اپنے وقت ڈیڑھ بجے پر ہی خطبہ پڑھا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ دیر سے آنے والے تھے، انھوں نے دو بجے آکر جب دیکھا تو نماز ختم ہو چکی تھی۔

اس لیے جب کسی مسجد میں ڈیڑھ بجے کا وقت ہے تو اس میں ایک منٹ کا بھی اِدھر اُدھر ہونا نہیں چاہئے، آپ کا بیان محدود ہو، جمعہ سے پہلے لمبا بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پندرہ منٹ، بیس منٹ، پچیس منٹ کافی ہیں، اس سے زیادہ تو ہونا ہی نہیں چاہئے؛ بلکہ ہمارے بعض اکابر تو منع کرتے ہیں، احسن الفتاوی اٹھا کر دیکھ لیجئے، مفتی رشید احمد صاحب نے تو لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ کے دن کے معمولات میں کوتاہی آتی ہے، لیکن اب کوئی ان معمولات کو تو ادا کرتا نہیں اور دین کی بات پہنچانے کا ایک موقعہ ہوتا ہے، تو ٹھیک ہے؛ لیکن ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ جو بنیادی باتیں ہوں، اسی کو بیان کریں، اور اس کے لیے بھی قرآن وحدیث اور بزرگوں کی باتیں لیں، اِدھر اُدھر کی ایران، توران کی باتیں اور لمبے چوڑے قصے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مدرسوں کی انجمنوں میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے آپ نے اس طرح کا مزاج بنایا تھا کہ پانچ منٹ کی تقریر کو ضروری قرار دیا تھا، تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے اِدھر اُدھر کی باتیں لے کر آتے تھے، اگر وہی مزاج بنایا ہے اور عوام میں ایسی ہی تقریر کرنی ہے تو مت کرو، کسی اچھے آدمی کو لاؤ، جو اچھی باتیں بتائے۔ آج کل تو لوگ پڑھے لکھے اور دنیوی علوم سے آراستہ ہیں، جب آپ ایران، توران کی باتیں کریں گے

تو وہ کہیں گے کہ مولوی صاحب کو اور کچھ آتا ہے یا نہیں؟ ساؤتھ افریقہ کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب کی تقریر ہو رہی تھی اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، تو ایک پرانے آدمی تھے اور علما سے بھی محبت رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کہ: ان مولوی صاحب کو جو کچھ آتا ہے وہ سارا آج ہی کہہ ڈالیں گے، تو اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

جمعہ میں شرکت کرنے والے مزدور پیشہ حضرات کا بھی خیال کیجیے

ہمارے یہاں کسی تحصیل سے ایک استفتا آیا تھا کہ ایک امام صاحب جمعہ کے بعد لمبی دعا کرتے ہیں، ان کو منع کیا گیا کہ بھائی! یہ تحصیل کا مرکز ہے، یہاں آفس کے لوگ آتے ہیں اور آفس میں کام کرنے والے مسلمان بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے چھٹی لے کر آتے ہیں؛ لیکن پھر بھی وہ ماننے کا نام نہیں لیتے، اب کیا کیا جائے؟۔

اس لیے آپ کو دیکھنا ہے کہ ہمارے یہاں نماز کے لیے آنے والے لوگ کون ہیں؟ ان کا بھی لحاظ کرنا ہے، اس طرح کا انداز لوگوں میں نفرت ڈالنے والا ہوتا ہے، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ جب آپ کو متنبہ کیا گیا اور آپ نے اپنی اصلاح نہیں کی تو لوگ یہ مسجد چھوڑ دیں گے اور دوسری جگہ تلاش کریں گے اور بہت سے لوگ تو بریلویوں کی مسجد میں چلے جاتے ہیں، ان کو آپ نے ہی وہاں بھیجا ہے، اس لیے یہ طریقہ غلط ہے، کام تو اصول کے مطابق ہونا چاہئے۔

بیان میں زیادہ وقت لینا خیانت ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: اگر آپ نے

اعلان کیا کہ پانچ منٹ بیان ہوگا، تو چھٹا منٹ لینا خیانت ہے، اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کا اعلان سن کر کسی آدمی کے پاس پانچ منٹ ہی تھے، اس کو دس منٹ کے بعد کام تھا، وہ سمجھا کہ چلو پانچ منٹ میں بات پوری ہو جائے گی، اس لیے وہ بیٹھ گیا اور آپ نے اس کا زیادہ وقت لے لیا، تو اس طرح آپ نے اس کے وقت میں خیانت کی، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے طریقے درست نہیں ہیں، آپ کو تو لوگوں کے حالات سے واقف ہو کر بات کرنی چاہئے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بھی آتا ہے: مُعْتَدِلُ الأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ، لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَمِيلُوا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے معاملات اعتدال والے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوقات بھی مقرر تھے، اور لوگوں کی طرف سے غفلت نہیں برتتے تھے [1]۔

لوگوں کی غلط حرکتوں پر ان کو محبت سے سمجھائیں

اور یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ لوگوں کی طرف سے اگر مجھے پوچھا جائے گا تب ہی میں بتاؤں گا، نہیں بھائی! آپ کو تو لوگوں کے حال سے باخبر رہنا ہے اور اگر کوئی کچھ غلط کر رہا ہے تو اس کو اچھے انداز میں محبت سے بتاؤ، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ عام نصیحت کے اندر نرمی سے سمجھانے کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات سخت قسم کے ہیں ان کو بھی نقل کریں، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ لیکن انفرادی نصیحت میں تو بہت

---

(۱) الشمائل المحمدية للترمذی، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم.

زیادہ نرمی ہونی چاہئے۔

بچوں کی پٹائی سے احتیاط کریں

اور بچوں کو پڑھانے کے معاملہ میں سختی اور مار پٹائی کے سلسلہ کو تو بھول جاؤ، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] - جب ایسے مجمع میں میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو مولویوں کو بہت برا معلوم ہوتا ہے-: اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے اے نبی! آپ اِن کے لیے نرم ہیں، اگر آپ سخت دل اور اکھڑ مزاج ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، حالاں کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن پھر بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، آدمی کے مزاج کی گڑبڑ کی وجہ سے محبت کرنے والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے ہمیں بچوں کے ساتھ نرمی برتنی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی خادم کو، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی جانور کو[۱]۔

میں پوچھتا ہوں کہ مارنے ہی سے علم آئے گا، یہ بات آپ کہاں سے لائے؟ آپ کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے: ''الضرب لِلصِبيانِ كا لماءِ فِي البُستان'' لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ سب بھول جاؤ، اب تو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ دیکھو! انگریزی اسکولوں میں غیر مسلم ٹیچرس کتنی محبت سے پڑھاتے ہیں؟ ارے بھائی! ان کا تو پیشہ ہے

---

(۱) صحیح مسلم، باب مُبَاعَدَتِهِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - لِلآثَامِ وَاخْتِيَارِهِ مِنَ الْمُبَاحِ أَسْهَلَهُ وَانْتِقَامِهِ لِلّٰهِ عِنْدَ انْتِهَاكِ حُرُمَاتِهِ.

اور وہ تو ہزاروں روپئے لے کر پڑھاتے ہیں، خیر! اِتنا جملہ بھی میں آپ کی حمایت میں کہہ رہا ہوں، ورنہ اصل وہی ہے کہ بچو کو نرمی سے پڑھاؤ۔

مدرسین کو ٹریننگ کی ضرورت ہے

اور آج کل پڑھانے کے انداز بھی جگہ جگہ مختلف ہیں، اور یہ زمانہ تو تحقیقات کا زمانہ ہے، نئی نئی تحقیقات ہو رہی ہیں، کہیں کا پودرا والا طریقہ جاری ہے، کہیں نورانی قاعدہ والا طریقہ چل رہا ہے، اس لیے میں تو آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان تمام طریقوں سے واقف ہو جائیے، اس لیے کہ آپ تو معلم ہیں، آپ کو تو سارے ہی طریقے معلوم ہونے چاہئیں اور اپنے شاگردوں میں کون سا طریقہ زیادہ مناسب ہے، اس کے مطابق تعلیم دیں۔ آج تو اِن طریقوں کو سکھانے کے لیے اہلِ علم کو دعوت دی جاتی ہے، تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کی غیرت کو چیلنج کیا جا رہا ہے، کہتے ہیں کہ: نو سال ہم نے یوں ہی حرام کے بگاڑے ہیں؟ "إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون" یہ کوئی بات ہوئی؟۔

تعلیم صبیان کے جدید طریقے سیکھنے میں عار محسوس نہ کریں

آج کل بڑے بڑے ڈاکٹر اور اپنے فن کے ماہرین بھی اس ضرورت کو سمجھتے ہیں، کوئی آنکھ کا اسپشیلسٹ ہے اور کوئی ہارٹ اسپیشیلسٹ ہے، لیکن آپ اخباروں میں پڑھیں گے کہ اشتہار دیتے ہیں کہ اتنے دنوں کے لیے فلاں کا کلینک بند رہے گا، پوچھتے ہیں کہ کیوں بند رہے گا؟ تو بتایا جاتا ہے کہ وہ مزید علم اور مزید تجربات حاصل کرنے کے لیے امریکہ جا رہا ہے، وہ لوگ تو اخباروں میں دے رہے ہیں اور کوئی بھی اس کو اپنی

بے عزتی نہیں سمجھتا اور آپ کا نام تو کسی اخبار میں نہیں آرہا ہے، پھر بھی آپ اس کو بے عزتی سمجھتے ہیں! حالاں کہ ایک مومن کو تو ہر وقت علم کا پیاسا ہونا چاہیے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے اطراف کے دیہات میں کسی زمانہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا، اور مدرسین کے سامنے ٹریننگ دینے کے لیے باتیں رکھی گئیں تو اس کو انھوں نے اپنی توہین سمجھی اور سارے مدرسین مستعفی ہو گئے، حالاں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، ہمیں تو ہر وقت تیار رہنا چاہیے، الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا[1]: حکمت اور دانائی کی بات تو ایک مومن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں ملے، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے، جیسے ہمارا گمشدہ قلم ہو اور وہ ہمیں راستہ میں کہیں دکھائی دے تو کیا ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ اِس کو لوں یا نہ لوں؟ بلکہ فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لیں گے؛ کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قلم میرا ہے، اگر کوئی روکے گا تو اس سے لڑیں گے کہ یہ تو میرا ہے، اسی طریقہ سے کوئی مفید بات اور مفید کام بھی ہماری گم شدہ متاع ہے، جہاں بھی ہمیں مل جائے، اس کو ہمیں لینا ہے، اور اِس سلسلہ میں بہت زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

فضولیات سے اجتناب کیجیے

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں ایک خاص چیز یہ بھی لکھی ہے: قَدْ تَرَكَ

---

[1] سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الفِقْهِ عَلَى العِبَادَةِ، رقم الحدیث علیہ الرحمۃ ۲٦٨٧.

نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ: الْمِرَاءِ وَالْإِكْثَارِ وَمَا لَا يَعْنِيهِ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور رکھا: ایک تو جھگڑے سے، دوسرے فضول بحثیں اور بے کار گفتگو سے اور تیسرے فضول کاموں سے ①۔

اہل علم اور کرکٹ کا جنون

آج کل دیہاتوں میں جب کرکٹ کے جو مختلف دورے چلتے ہیں، تو اس میں حصہ لینے والے ہمارے فارغین بھی ہوتے ہیں اور اس کے سب سے ماہر مولوی صاحب ہی ہوتے ہیں اور وہی سارے فیصلوں کے انچارج ہوتے ہیں، اِن کرکٹروں کی محبت سے ہمارے دل بھرے ہوئے ہیں اور میں تو یوں سمجھتا ہوں کہ اِن کرکٹروں کی محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے زیادہ ہے اور میں اس کی دلیل بتاؤں کہ آج کوئی آدمی دین کے بارے میں کوئی غلط بات بولے تو ان کی غیرت کو جوش نہیں آتا؛ لیکن اگر کسی کرکٹر کے متعلق ایک لفظ کسی نے کہہ دیا تو فوراً آستین چڑھا کر اس کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے دل میں کرکٹر کی محبت زیادہ ہے؟ اور اس کی محبت سے ان کا دل سرشار ہے؟ اور پھر اپنی گفتار، رفتار اور ہر چیز میں اسی کی نقل اتاری جاتی ہے۔

کرکٹروں سے محبت کرنا درحقیقت فساق وفجار سے محبت کرنا ہے

اور یہ کرکٹر کون ہیں؟ ان کی اکثریت تو غیر مسلم ہیں، اور ان میں جو مسلمان ہیں، وہ

---

① الشمائل المحمدية للترمذی، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بھی فاسق اور فاجر ہیں، قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [ھود:۱۱۳] جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے (یعنی کفار اور فساق وفجار) آپ ان کی طرف نہ جھکیں، ورنہ جہنم کی آگ تم کو بھی چھولے گی۔ ایسے لوگوں کے متعلق سوئے خاتمہ کا خطرہ ہے، اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔

جب علم ہی عاشق دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا

تمام طلبہ اور اہلِ علم سے کہوں گا کہ آج ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا ناسور کرکٹ میچ ہے، اس سے آپ تو پہلے نمبر پر بچیں اور امت کے نوجوان طبقہ کو بھی اس سے بچائیں؛ بلکہ اب تو نوجوانوں کی بھی خصوصیت نہ رہی، بوڑھے بھی اس شوق میں نوجوانوں سے دو قدم آگے ہیں، اس لیے امت کو اِس مصیبت سے بچانے کے لیے آگے بڑھو! یہ تو ایسی بیماری ہے جس میں ہم خود ہی مبتلا ہو گئے ہیں، جب ہم خود ہی راستہ بھولے ہوئے ہیں؛ تو کسی اور کی ہدایت کیا کریں گے؟۔

إذا كان الغراب دليل قوم		فيهديهم إلى طريق الهالكين

آج ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ کرکٹ کے معاملے میں ہم عوام سے دو قدم آگے ہیں، تو امت کی رہنمائی کیا کریں گے؟ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو بتائیں کہ اس کا نقصان کیا ہے؟ اس سے دینی، دنیوی نقصان، مالی وجانی نقصان کیا کیا نہیں ہوتا؟ یہ سب ان کو بتائیں، خود بھی ایسی برائیوں سے بچو اور دوسروں کو بچانے کا بھی اہتمام کرو۔

طلبہ اور پوری بستی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری

اور جہاں آپ کام کررہے ہیں وہاں پوری بستی کے ساتھ آپ کا جوڑ ہو، آپ اپنے ایک ایک منٹ کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کریں، مکتب میں جو بچے آتے ہیں، ان کو صرف قرآن پڑھا دینے پر بس نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ان کی پوری تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں، ان کو اچھے اخلاق اور کھانے پینے، سونے، جاگنے وغیرہ کے آداب ودعائیں سکھانا بھی ضروری ہے، پھر ان کے خیالات وعقائد کو ٹھیک کرنا اور یہ دیکھنا کہ ان کے ناخن اور بال کٹے ہوئے ہیں یا نہیں، اگر کٹے ہوئے نہ ہوں تو ان کو بتاؤ، ان کے لباس صحیح ہیں یا نہیں، اگر لباس غلط ہو تو اس کی طرف رہنمائی کرو، ان ساری چیزوں سے واقف کرو۔

اس کے علاوہ مسجد میں بڑوں کو نماز کی درستگی کی طرف بھی دھیان دیجیے، قرآنِ پاک کی صحت اور مسائل سے ان کو واقف کرنے کا اہتمام کریں، وَيُزَكِّيهِمْ اس آیت میں تزکیہ کا مطلب ہے کہ ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا: اخلاقی گندگی، اعمال کی گندگی، عقائد کی گندگیاں؛ یہ سب دور کرنے کا خیال کریں۔

مسلمانوں کی ذہنیت خراب کرنے والے روزناموں کا توڑ کیجیے

آج کل اخباروں میں ایسی بحثیں چھیڑی جاتی ہیں جن کی وجہ سے مؤمن کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، ہمارے مسلمان نوجوان اس سے واقف ہی نہیں، اس لیے ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسا مسئلہ چھیڑا گیا ہو تو فوراً اس پر اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ وہ لوگوں کو بتائیں۔

مواقع کی مناسبت سے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیجیے

آپ دیکھئے کہ سورج گرہن ہوتا ہے تو اس دن ہمارے یہاں کے گجراتی اخبارات کی پورتی (ضمیمہ) میں لکھا ہوتا ہے کہ سورج گرہن کے دن اسنان (غسل) کرنا چاہئے، اور یہ کرنا چاہئے اور فلاں کرنا چاہئے اور اس کے لیے اخبار کے دو دو صفحے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، حالاں کہ یہ تو باطل مذہب ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن وہ لوگ اپنے ماننے والوں کو یہ سب بتلا رہے ہیں اور ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کے موقع پر کیا تعلیم دی ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ وہ ہم اپنے لوگوں کو بتانے کے لیے آگے نہیں بڑھتے، حالاں کہ دو روز پہلے سے اخبار میں آ رہا ہے کہ فلاں روز سورج گرہن ہونے والا ہے، یہ ہماری غفلت نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ لوگوں کو واقف کریں کہ بھائی! اس موقعہ پر ہماری اسلامی تعلیمات یہ ہیں؛ بلکہ آپ کو تو باقاعدہ اس کا نظام بنانا چاہئے کہ سورج گرہن کی نماز ہوگی، ہم پڑھائیں گے، آپ حضرات آیئے، دعا ہوگی، اس طرح لوگوں کو متوجہ کیا جائے، ہر چیز میں نبوی تعلیمات کو زندہ کرنے کے لیے آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہر وقت آپ ان کے حالات سے باخبر رہیں، برائیوں سے روکنے والے اور بھلائیوں کی طرف بلانے والے بنیں۔

طلبہ کی غفلت دور کرنے کا اہتمام کیجیے

اور میں طلبہ سے یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ دیکھو! طالبِ علمی کا زمانہ غفلت کا زمانہ ہوتا

ہے، آپ مدرسوں میں جو آٹھ، دس سال رہے، اس دوران آپ سے کیا کیا غفلتیں ہوئیں، جب آپ مدرسوں سے فارغ ہو کر جاؤ گے تو پتہ چلے گا؟ اور یہاں کا ماحول کیسا عمدہ تھا؟ اس کا احساس بھی فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے، جو مدرسوں سے فارغ ہو کر گئے ہیں، ان سے میں کہا کرتا ہوں کہ یہاں رہتے ہوئے ایک طالب علم کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ ذرا اپنے ان ساتھیوں کو بھی بتا دینا جو ابھی مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں، ابھی سے ان کی آنکھیں کھول دینا کہ بھائی دیکھو! تم کو ابھی پتہ نہیں ہے کہ جب یہاں سے باہر جاؤ گے تو کیسے لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے، وہ لوگ آپ کی ایک بھول بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، یہاں تو ہمارے اساتذہ ہیں، اگر وہ کسی بات پر تنبیہ کر دیں تو آپ برا مان جاتے ہیں اور ناک منہ چڑھا لیتے ہیں، اور سزا کو تو برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے؛ لیکن وہاں جس طبقے سے واسطہ پڑتا ہے، وہ ایسا بے رحم ہے کہ کسی حال میں بھی آپ کی کسی ایک غلطی کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، یہ سب باتیں ذرا اِن کو بھی بتا دینا کہ آپ لوگوں کے لیے ابھی موقع ہے، ہم نے تو بھلے نہیں کیا؛ لیکن تم کو آگاہ کر رہے ہیں، تم لوگ ابھی ہی سنبھل جاؤ۔

گمراہ فرقوں کی گمراہیوں سے لوگوں کو آگاہ کیجیے

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ باطل فرقوں سے آگاہی ہونا بھی بہت ضروری ہے، ہمارے گجرات کی بہت سی آبادیوں میں جہاں مکتب کا نظام نہیں ہے، وہاں قادیانیت پہنچ چکی ہے، اس قادیانیت کے متعلق بھی آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت

ہے اور بریلویت اپنے پر پرزے نکال رہی ہے اور پتہ نہیں کیا کیا ہو رہا ہے؟ اس بارے میں آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں، اسی طریقہ سے غیر مقلدیت اور سلفیت کے نام سے نوجوانوں کو بہکایا جا رہا ہے اور اب تو شیعیت اور پرویزیت بھی ہے تو اِن سارے باطل فرقوں سے پورے طور پر آگاہ ہوکر لوگوں کو بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو باقاعدہ واقف کیا جائے کہ خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ، اس لائن سے بھی آپ کو خوب کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات جب یہاں آئے تو آپ کو فارم دیا گیا، اس کو پُر کیجئے اور اپنے اساتذہ کو کھل کر بتائیے کہ ہمیں کام کرنے میں کیا کیا رکاوٹیں اور مشکلات پیش آتی ہیں؟ اور ہمیں ایسے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو کیا جواب دیں؟ آپ ذرا ہم کو بتلائیے کہ ہم کیسے کام کریں؟ اور اس سلسلے میں ہمیں کس قسم کی تیاریاں کرنی چاہئیں؟۔

باطل فرقے ’’الکفر مِلۃ واحِدۃ‘‘ کی شکل میں

ایک بات یاد رکھیں کہ اِس وقت ہمارے اکابرین کی برکت سے اور ان کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت کے جو سلسلے جاری کیے گئے ہیں، وہی دین کے صحیح کام کو انجام دے رہے ہیں، ان کے مقابلے میں سارے باطل والے ’’الکفر ملۃ واحدۃ‘‘ کے طور پر متحد ہوکر سامنے آتے ہیں، آپ کہیں دیکھیں گے تو قادیانیوں کے ساتھ بریلوی بھی ہو جاتے ہیں اور کبھی غیر مقلد بھی ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ سب یہی چاہتے ہیں کہ

دیوبندی کو یہاں سے نکالو، وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ یہ جائے گا تو میرا کام بنے گا اور یہ بھی یہی سمجھتا ہے، حالاں کہ بریلوی سمجھتا ہے کہ قادیانی کافر ہے، پھر بھی ہمارے مقابلے میں اس کا ساتھ دے گا، ہمارے مقابلے میں وہ دونوں مل جاتے ہیں، لہٰذا آپ کو بھی اپنی حیثیت دیکھ کر اس کے مطابق تیاریاں کرنے کی ضرورت ہے، باطل بہت زیادہ قوت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، نشر واشاعت کے سارے وسائل نے اس کو بہت قوت پہنچائی ہے، ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی اس کے مطابق تیاریاں کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اِس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

دعا

سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک، اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما تحب وترضیٰ بعدد ما تحب وترضی. ربنا ظلمنا انفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین. اللّٰھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین، سلما لأولیائک وحربا لأعدائک، نحب بحبک من أحبک، ونعادی بعداوتک من خالفک من خلقک.

اے اللہ! ان فضلاء کو جو یہاں سے پڑھ کر گئے ہیں آج جمع کیا گیا ہے، جن اغراض ومقاصد اور جن فوائد وثمرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ مجلسیں ترتیب دی گئی ہیں،

اے اللہ! ان کو علی وجہ الکمال حاصل ہونے کی صورتیں پیدا فرما، اے اللہ! آنے والوں کو اس کی اہمیت محسوس کرنے کی اور یہاں والوں کو ان کے دل ودماغ میں ان چیزوں کو قوت کے ساتھ بٹھانے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! آنے والے اپنے ساتھ نیا جوش، نیا ولولہ، نیا شوق، نئی رغبت اور نیا حوصلہ لے کر جائیں، ایسی ان کو توفیق عطا فرما، ان کی راہ کی رکاوٹوں کو دور فرما، مشکلات کو آسان فرما، ان کی رہنمائی، دستگیری، مشکل کشائی فرما، فتنوں سے ان کی حفاظت فرما، ان کی ضروریات کی کفالت فرما، اے اللہ! غیروں کا نشانہ بننے سے ان کی پوری پوری حفاظت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔